سلسلہ مطبوعات مجلس
۱۲۲

دو مہینے امریکہ میں

ریاست ہائے متحدہ امریکہ وکناڈا کے طویل دورہ کی دلچسپ اور معلومات افزا روداد، ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے، جس میں اس نئی دنیا کی خوبیاں اور خامیاں اور کامیابیاں اور ناکامیاں سب بیان کردی گئی ہیں، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دورۂ امریکہ کی مفصل داستان آسان اور دلنشیں پیرایۂ بیان میں سنائی گئی ہے۔

محمد رابع حسنی ندوی

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

باراول

۱۳۹۸ھ ـــ ۱۹۷۸ء

کتابت ـــ جلال الدین بستوی

طباعت ـــ نامی پریس لکھنؤ

صفحات (۱۶ سولہ اہم تصویروں، نقشے اور انڈکس کے علاوہ) ۳۶۸

قیمت ـــ ۱۵ روپے

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع وناشر

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

فہرست

کناڈا میں ۱۸۴–۲۰۳

کیلی فورنیا اور اوٹا ۲۰۴–۲۳۶

صحت نامہ "دو مہینے امریکہ میں"

کتاب کی طباعت میں متعدد جگہیں تصحیح ہونے سے رہ گئی ہیں، ان میں سے جو زیادہ اہم ہیں ان کو درج کیا جاتا ہے تصحیح کرلیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴	۱۵	آٹھ	بارہ (۱۲)
۱۸	۱	ہزار	ہزار سال
۲۰	۱۲	سوائیس	سواگیس
۲۴	۵	DAWNTOWN	DOWNTOWN
۳۰	۶	MASSA,CHUSETTS,STATE	MASS ACHUSETTS STATE
۳۷	۳	ELLEGHENY	ALLEGHENY
۴۰	۱۳	SHAPT'NINA	SHORTENING
۴۱	۱۴-۱۵	منٹ	سنٹ (امریکی ڈالر کا ایک حصہ)
"	۱۵	بلوانے	بلوالے
۴۷	۹	COMMUNTY	COMMUNITY
۴۸	۳	CONSUL	COUNCIL
۵۰	۲	CANADIN	CANADIAN
۷۰	۱۷	MONTEREAL	MONTREAL
۹۲	۱۸	MYUPIA	MYOPIA
۹۳	۱۲	SUSQUEN HANA	SUSQUEHANA
۹۸	آخری	PINSYLVANIA	PENNSYLVANIA
۱۰۲	۱۵	TUNEL	TUNNEL
"	آخری	آنے	جانے
۱۱۲	۳	CHANAL	CHANNEL
۱۲۹	آخری	WOOLWORTH	WOODWORTH
۱۳۳	۱۶	میں ہے	ہے
۱۴۱	۱۳	ادا کرنے کا اور	ادا کرنے سے اور مالی ادارہ
۱۴۲	۱۱	دروازہ	دروازہ سے
۱۴۵	۷	ایک ترکی	انہی ترکی
۱۵۳	۷	WALACE MOHAMMAD	WALLACE D. MOHAMMED
۱۵۶	۱۷	ہیں	تھے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸۱	۱۲	تیز	بہتر
۱۸۲	۱۳	لنتظر	سنظر
۱۸۳	۱۰	کر گئے	کے رہ گئے تھے
۱۸۶	۴	اجحانات	رجحان سے
۱۸۷	۸	کا تلفظ استعمال	کے الفاظ سے ادا
″	۱۰	ALEVATOR	ELEVATOR
″	۱۲	VACHYARD	WATCHYARD
۱۹۱	۲	MECGILL	MACGILL
۲۳۴	۱۴	متعدد	متنازع
۲۳۶	۱۴	PLYMOTH	PLYMOUTH
۲۴۶	۱۱	۱۵۸	۱۰
۲۵۳	۱۳	ساتھ	سامنے
۲۸۵	۴	TOL	TOLL
۲۸۴	۴	SERVIS ARIA	SERVICE AREA
۲۸۸	۳	انہی منظر	انہی کو منظر
۲۹۲	۴	MONUMEMENT	MONUMENT
۳۰۷	۹	نجدی	تجدی
۳۱۹	۷	مزاق	مذاق
۳۲۰	۱۲	آبادی	آزادی
۳۲۲	۱۸	دوسرے	دہرے
۳۲۹	۱۷	کی	کو
۳۳۰	۸	آسانی	بآسانی
″	۱۱	FADERAL	FEDERAL
۳۳۱	۳	سے ہو	سے
۳۳۳	۹	بے لباس	بے لباسی
۳۳۹	۱۲	دیکھنے کا	دیکھے گا
۳۴۴	۴	OVER	HOUR
۳۴۹	۱۴	ادب ہے	ادب
۳۵۳	آخری	بغیر کھانے	کھانے
۳۶۱	۱۸	تھی وہ	تھی کہ وہ
۳۶۳	۱۳	UNIVERS	UNIVERSE
۲۲۷	۱۸	سیحی	ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

امریکہ کے سفر کا یہ روزنامچہ دراصل خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کے دو ماہ کے سفر امریکہ کی روداد ہے، مولانا مدظلہ نے یہ سفر دعوتی مقصد سے کیا تھا مولانا کی بصارت کٹر یکٹ (نزول الماء) کی شکایت کی وجہ سے بہت کمزور تھی جس کی بنا پر ان کو ایک ایسے معاون کی ضرورت تھی جو اس سلسلہ کی ان کی مختلف دشواریوں میں ان کی معاونت کر سکے، مولانا مدظلہ نے مجھ کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا، پھر سفر کے اختتام پر مولانا نے اس سفر کی روداد لکھنے کی ذمہ داری بھی مجھ پر ڈالی، سفر کے واقعات وحالات کے بارے میں ضروری اشارے سفر کے دوران ہی قلم بند کئے جاتے رہے تھے، اس روزنامچہ کی تیاری میں ان سے بنیادی مدد لی گئی ہے، پھر مولانا مدظلہ نے اس کو شروع سے آخر تک پڑھوا کر سنا اور جگہ جگہ اضافہ و تصحیح فرمائی، اس طرح یہ روزنامچہ دورۂ امریکہ کی بڑی حد تک صحیح تصویر ہے جس میں، میں نے اپنے کو زیادہ تر مولانا مدظلہ کے ترجمان کی حیثیت دینے کی کوشش کی ہے، تاثرات و احساسات بڑی حد تک مولانا مدظلہ اور میرے درمیان مشترک ہیں البتہ زبان و تعبیر میری ہے، اس لئے ان کے مسامحات کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہوگی۔

تحریر وزبان اگر فطری اسلوب میں ہو تو لکھنے والے کے تاثر اور رنگ سے خالی نہیں ہو سکتی، البتہ میں نے کوشش کی ہے کہ حالات و واقعات کی ترجمانی

حقیقت پسندانہ، صحیح اور فطری ہو، میں اس میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں اس کا فیصلہ قارئین کریں گے، بہرحال اس روزنامچہ کی تیاری میں میری یہ کوشش رہی ہے کہ ایک مسلمان تعلیم یافتہ شخص اپنی قوت مشاہدہ کے فطری استعمال سے جو تصویر اخذ کرتا ہے، وہی تصویر قارئین کے سامنے آئے۔

یہ سفر دعوتی تھا، اس لئے اس میں مسلمانوں کے معاملات اور دعوتی تقاضوں کا حصہ نمایاں ملے گا، اس کے علاوہ چونکہ امریکہ اس وقت دنیا کا دولت مند ترین ملک ہے، نیز ٹکنالوجی کی ترقی اور عمومیت کے لحاظ سے تقریباً دنیا کے تمام ملکوں سے آگے ہے، اس لئے اس پہلو کی تصویر بھی ملے گی، میں نے امریکی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں کو کسی قدر زیادہ تفصیل اور اعداد و شمار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے لئے میں نے ان کتابوں یا رسالوں کے حوالے بھی دے دیے ہیں، جن سے یہ معلومات لی ہیں، میری خواہش ہے کہ میرے اس روزنامچہ سے قارئین کو امریکہ کے ایسے مشاہدہ کا فائدہ ہو جو امریکہ کا بنفس نفیس مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس مقصد میں مجھے جس قدر بھی کامیابی حاصل ہوئی ہوگی وہ میرے لئے مسرت کا باعث بنے گی۔

اس سفر میں مئی [illegible]ء کے آخر سے اگست [illegible]ء کی ابتدا تک دو ماہ آٹھ روز ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مشرقی ساحل سے لے کر مغربی ساحل تک بشمول کناڈا تقریباً دو درجن مقامات میں جانا ہوا، مجموعی طور پر تقریباً ۶ ہزار میل کی مسافت طے ہوئی، شمالی امریکہ کے اکثر اہم شہروں سے گذرتا ہوا، امریکی تمدن کو دیکھنے کا موقع ملا، اور وہاں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔

امریکہ میں مادی و صنعتی ترقی، تعلیم و تحقیق پر محنت، انفرادی رواداری، بے مہار اخلاقی زندگی، بے محابا تمدن، دولت و لذت کی طلب، صرف اپنے مفاد کی فکر، اسلامی دعوت کی گنجائش، مسلمانوں کی تعداد، ان کا کام اور مقام، یہ وہ گوشے ہیں، جو اس سفرنامہ کے اجزاء ترکیبی ہیں۔

امریکہ کے لئے نیگرو آبادی ایک انتظامی مسئلہ بھی ہے، اور اخلاقی مسئلہ بھی، وہ ملک کی کل آبادی کا دس فیصد سے زائد حصہ ہے، نیگرو لوگوں کا تعلیمی اور اقتصادی معیار خاصا کم ہے، ان کو شکایت ہے کہ یہ یورپی نسل کے لوگوں کی بے توجہی اور بد معاملگی کا نتیجہ ہے، یورپی کہتے ہیں کہ خود ان نیگروؤں کی نالائقی اور سستی سبب ہے، یورپی نسل کے لوگ ان کو کم تر سمجھتے ہیں، اور ان سے بیزار ہیں، اس لئے ان کے ساتھ ان کے معاملہ میں فرق ہے، اس فرق کا احساس نیگرو لوگوں کو ضرورت سے زیادہ ہے، چنانچہ ان کے بہت سے افراد کچھ تو اس تاثر کی وجہ سے اور کچھ اپنی مخصوص ذہنیت کی وجہ سے انتقامی رویہ اختیار کرتے رہتے ہیں، ان کے اس رویہ سے وہاں کی تمدنی زندگی کے امن و امان پر خاصا اثر پڑ رہا ہے۔

نیگرو آبادی میں سے ۱۲-۱۵ فیصد افراد نے اپنی ایک اصلاحی تحریک کے اثر سے مذہب اسلام سے اپنے کو وابستہ کرنے کی کوشش کی ہے ان لوگوں کی زندگی اخلاقی و معاشرتی لحاظ سے بہتر ہے لیکن ان کی اسلام سے وابستگی کس حد تک اور کس نوعیت کی ہے یہ تشریح طلب بات ہے، اس کتاب میں اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب میں مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی جن تقریروں کا خلاصہ دیا گیا ہے وہ تقریریں کتابی شکل میں "نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں" کے نام سے شائع کی گئی ہیں۔

روزنامچہ کی تیاری کے وقت اور اسکے بعد متعدد امور میں کئی مشفقین اور تعلق والوں سے مجھے مدد ملی ہے، ان سب کا شکریہ ادا کرنا میرا فریضہ ہے، اس سلسلہ میں خال معظم کا "تذکرہ" تحصیل حاصل ہے، ان کے بعد جن حضرات کا "تذکرہ" ضروری ہے ان میں مخدوم و معظم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی مدظلہ سر فہرست ہیں جنھوں نے روزنامچہ کا مطالعہ فرمایا، تحسین کے لئے بعض اہم مشورے دیئے، برادر عزیز مولوی سید محمد الحسنی ایڈیٹر "البعث الاسلامی" اور مکرمی سید غلام محی الدین صاحب اعزازی رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے بھی بعض اہم امور میں مشوروں اور تعاون سے ممنون کیا، مسودہ کی تبییض اور بعض دیگر کاموں میں بعض عزیز طلباء نے بھی تعاون کیا جن میں مولوی سید محمد ظفر کا حصہ بہت نمایاں اور زیادہ ہے، ان کے تعاون سے کام کو جلدی انجام دینے میں بڑی مدد ملی، ان کے رفیق درس مولوی صدر الحسن نے بھی تعاون کیا۔

عزیز مکرم مولوی محمد غیاث الدین صاحب ندوی معاون ناظم مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کا شکریہ خاص طور پر ضروری ہے، کتاب کی طباعت کی زحمتوں کو انھی نے برداشت کیا اور اپنے مخلصانہ تعاون سے مجھکو بڑی زحمت و مشغولیت سے بچایا، اللہ تعالیٰ ان سب تعاون کرنے والوں کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی
۷ رجمادی الاول ۱۳۹۵ھ

محمد رابع حسنی ندوی

سفر امریکہ

ہند و پاک و عرب کے مسلم طلباء ہزاروں کی تعداد میں امریکہ میں زیر تعلیم ہیں، ان کے علاوہ ایک تعداد وہاں تعلیم سے فارغ ہو کر کام میں مشغول ہو جانے والوں کی بھی ہے۔ یہ لوگ اپنے مشرقی و اسلامی ملکوں سے اس قدر دور ہیں کہ اپنے دین و ثقافت میں ان ملکوں سے حسب ضرورت فائدہ اٹھانے سے معذور ہیں۔ چنانچہ ان کی خواہش رہتی ہے کہ عالم اسلام کے علماء اور اہل فکر امریکہ آئیں تاکہ ان سے دینی و علمی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اس کے لئے وہ لوگ مختلف کانفرنسیں اور اجتماعات کرتے ہیں اور ان میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۷۵ء میں شیکاگو میں شمالی امریکہ کی مسلم طلباء کی انجمن

ایم۔ایس۔اے نے امام بخاریؒ کی وفات پر ایک ہزار گذر جانے کی تقریب میں ایک حدیث کانفرنس کا انتظام کیا تھا اس میں عالم اسلام کے دیگر علماء کے علاوہ خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہٗ کو بھی مدعو کیا تھا، مجھے خدمت و معاونت کا شرف دیا گیا تھا، لیکن ہندوستان کے ایمرجنسی کے حالات اس سفر میں مانع بنے۔

ایم۔ایس۔اے کی سالانہ کانفرنس میں شرکت کا موقع

پھر دو سال بعد انہی لوگوں نے مولانا کو مئی ۱۹۷۸ء کی ایم۔ایس۔اے کی سالانہ کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی جس کو انہوں نے قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے سفر کی ہمت دی اور اس کے اسباب فراہم فرما دیے۔ ٹکٹ بھی وقت پر آ گئے اور جلد انتظامات سفر بھی بآسانی انجام پاتے چلے گئے۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ ۲۲ مئی کو دہلی چلا جائے تاکہ وہاں امریکی سفارت خانے میں حسب ضابطہ انٹرویو دے کر ویزا حاصل کیا جائے اور پی فارم حاصل کر کے ۲۶ مئی کی کسی فلائٹ سے سفر کیا جائے تاکہ ۲۷ مئی سے قبل جو کانفرنس کا پہلا دن تھا، پہونچنا ہو سکے۔ ایر انڈیا کا ٹکٹ تھا۔ اس کا طیارہ تقریباً روزانہ صبح پونے تین بجے دہلی سے روانہ ہوتا تھا اور ۲۲½ گھنٹے کے بعد نیویارک پہونچتا تھا۔ راستے میں لندن اور لندن سے قبل صرف ایک یا دو جگہوں پر ٹھہرتا تھا۔ ہوائی جہاز سے اتنا طویل و مسلسل سفر پہلی بار کرنا تھا جس کا طبیعت پر ایک سہم ہوا، کیونکہ اب تک مولانا مدظلہٗ اور میں

نے جو سفر کیے تھے ان میں چند گھنٹوں سے زیادہ کی فلائٹ نہیں ہوتی تھی اور وہ وقت جاگتے ہوئے بآسانی گذار لیتے تھے لیکن دہلی سے نیویارک تک شب و روز کا مسلسل سفر کیسا محسوس ہوگا۔ اور طبیعت اس کو کہاں تک گوارہ کرے گی۔ یہ الجھن تھی لیکن بہر حال توکلاً علی اللہ سفر کا فیصلہ کر لیا گیا۔

امریکہ کا تعارف

امریکہ دراصل دو براعظموں کا ایک مجموعہ ہے جو یورپ و افریقہ کے مغربی جانب ہزاروں میل چوڑے سمندر کی دوسری جانب شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے، خشکی کے دو بڑے حصے ہیں۔ ایک کو شمالی امریکہ کہا جاتا ہے دوسرے کو جنوبی امریکہ، شمالی امریکہ دنیا کے منطقۂ باردہ میں واقع ہے اور جنوبی امریکہ کا بڑا حصہ منطقۂ حارہ میں، اور اس کا جنوبی حصہ منطقۂ باردہ میں واقع ہے۔ دونوں امریکی حصوں کے مغربی ساحلوں پر شمال سے جنوب تک پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں، مشرقی ساحلوں پر بھی پہاڑیاں ہیں، وسطی علاقوں میں علی العموم سطح میدان ہیں۔ ان میدانوں میں کچھ شاداب و قابل کاشت ہیں اور کچھ بنجر اور کم پانی والے۔ شمالی امریکہ کے وسطی مشرقی علاقہ میں متعدد بڑی بڑی اور بہت سی چھوٹی جھیلیں ہیں جن کا پانی میٹھا ہے۔ لیکن وہ آبی راستہ کے ذریعہ مشرقی سمندر اٹلانٹک سے مل جاتی ہیں۔ ان جھیلوں کے کناروں پر متعدد بڑے بڑے شہر آباد ہیں اور ان تک سمندری راستوں کے ذریعہ پانی کے جہاز آتے جاتے ہیں۔ ان جھیلوں کے شمال میں کناڈا کا ملک اور جنوب میں ریاستہائے متحدہ کا ملک ہے۔

شمالی امریکہ کا براعظم تین ملکوں میں تقسیم ہے جن میں دو ملک یہ مذکورہ ہیں اور تیسرا ان کے جنوب میں میکسیکو نامی ہے میکسیکو کے جنوب میں شمالی امریکہ کا براعظم ختم ہو جاتا ہے اور وہاں سے ایک پتلی خاکنائے شروع ہوتی ہے جو جنوبی امریکہ سے اس کو وابستہ کرتی ہے البتہ بحری مواصلات کی خاطر اس خاکنائے پر از مشرق تا مغرب ایک نہر بنادی گئی ہے جو امریکہ کے مشرقی سمندر بحراٹلانٹک کو مغربی سمندر بحرالکاہل سے ملاتی ہے اس کا نام پناما (PANAMA) ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ شمالی امریکہ کے وسط میں واقع ہے اور آب وہوا نیز زمینی صلاحیتوں کے اعتبار سے نہایت زرخیز اور نفع بخش ہے۔ اس کے شمال میں واقع ملک کناڈا اپنے رقبہ کے اعتبار سے اسی کے مساوی ہے لیکن اس کا شمالی حصہ سخت سرد خطہ ہونے کے باعث ناقابل استفادہ ہے نیز دیگر اسباب کی بنا پر ریاستہائے متحدہ سے بہت کم فائدہ مند اور آبادی میں تو اس کا ½ ہے۔ ریاستہائے متحدہ کا کل رقبہ ۳۶۱۷۲۰۴ مربع میل اور آبادی سوا تین کروڑ ہے اور کناڈا کا رقبہ ۳۶۱۷۲۰۴ مربع میل اور آبادی ڈیڑھ کروڑ ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کو اس کی اہمیت وصلاحیت کی بنا پر صرف امریکہ کے لفظ سے بھی موسوم کرتے ہیں چنانچہ آگے کے صفحات میں وقتاً فوقتاً ہم ریاستہائے متحدہ امریکہ کو صرف امریکہ سے موسوم کریں گے۔

امریکہ کی دریافت

امریکہ کا پہلا سفر ۱۴۹۲ء میں اٹلی کی قومیت رکھنے والے ایک ملاح کولمبس
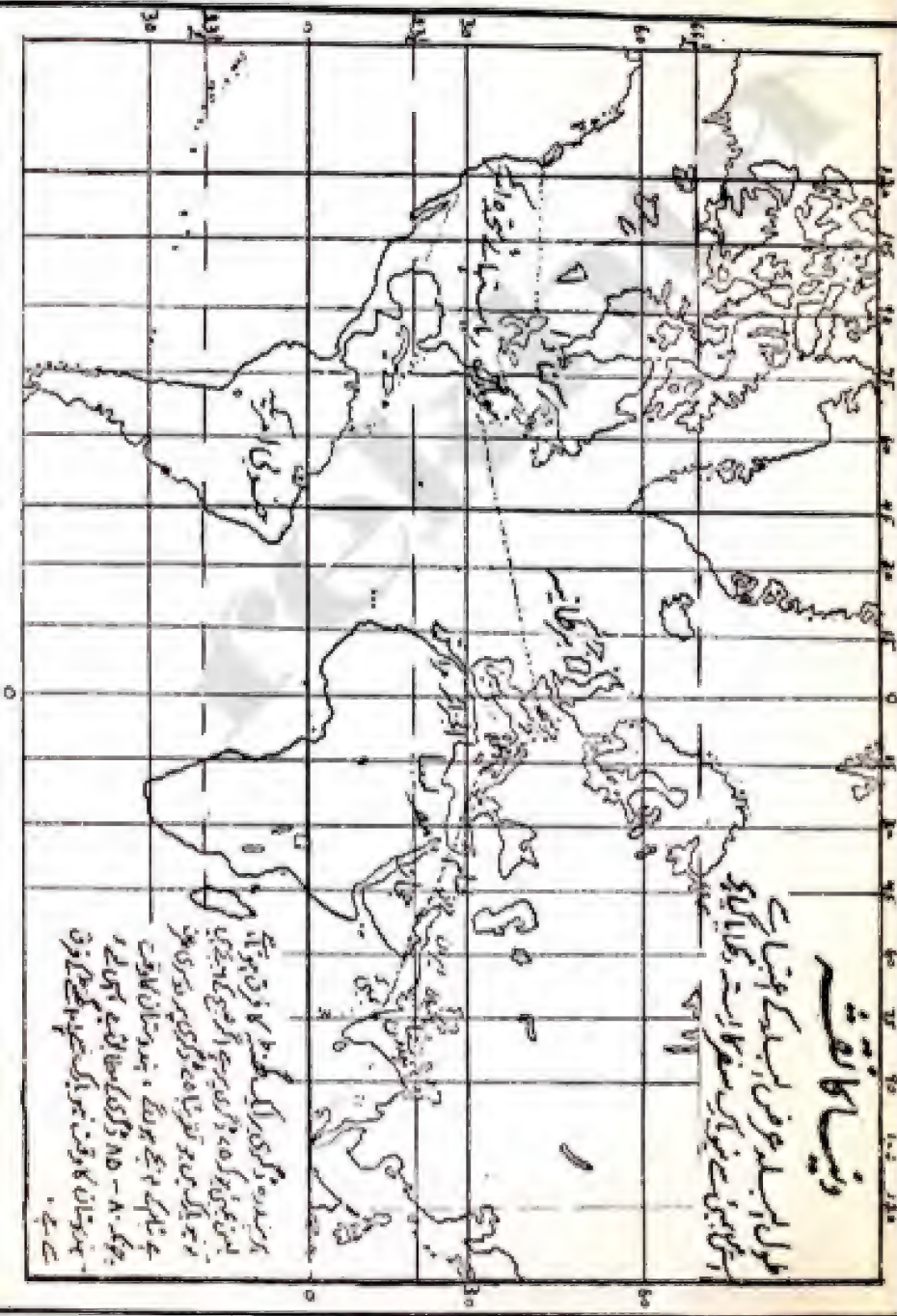
(COLUMBUS) نے اسپین سے کیا۔ اس کو دراصل ہندستانی ملک کی تلاش تھی۔ اس نے اس کے لئے ہزاروں میل کا سمندر طے کیا اور امریکہ کے ایک ساحل تک پہونچا۔ اس سمندر نورد کی محنت سے امریکہ کے انکشاف کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اس کے صرف ۶ سال بعد اٹلی کے ہی ایک دوسرے سمندر نورد نے بھی امریکہ کی سرزمین میں قدم رکھے۔ اس کے نام کا ایک جز امریگو (AMERIGO) کا لفظ تھا۔ اسی لفظ سے اس سرزمین کا نام بنا۔ سنہ ۱۴۹۲ء اور سنہ ۱۴۹۸ء وہ سنہ ہیں جن سے اس نئے براعظم کی قابل ذکر تاریخ کی ابتدا ہوتی ہے کیونکہ اسی وقت سے یورپ کی مختلف قوموں کے افراد بتدریج اس نئی سرزمین کی طرف ہجرت کرنے اور وہاں بود و باش اختیار کرنے لگے وہاں شاداب و زرخیز زمین، پانی و ہوا کی موزونیت اور فراوانی، یورپ کے باشندوں کے لئے بہت کشش کا باعث بنی۔ خاص طور پر وہ باشندے جو رزق یا امن کی تلاش میں اپنے ملکوں سے ترک وطن کرنے پر مجبور ہوئے۔ یورپ والوں نے امریکہ کی قوم کو RED INDIAN (سُرخ ہندستانی) کا نام دیا، جو نہ ترقی یافتہ تھے اور نہ دفاع وطن کے ضروری وسائل کے مالک۔ چنانچہ وہ یورپ والوں کی آمد سے ملک کی ملکیت اور قبضہ سے بتدریج بے دخل ہوتے چلے گئے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ ایک منظم سازش کے ماتحت مختلف طریقوں سے ختم کئے جاتے رہے۔ بالآخر اس نئے براعظم پر یوروپین قوموں کے قبضہ کر لینے کا یہ مقصود تقریباً کئی صدیوں کی تدبیر سے پورا ہو گیا۔ امریکہ کے اصل باشندے اب یہی یوروپین قومیں بن گئیں اور ریڈ انڈین قوم اس وسیع ملک میں اسقدر کم تعداد میں رہ گئی کہ نو وارد قوموں کے مقابلہ میں ذکر کے قابل نہیں رہی۔ اس کے جو لوگ باقی رہے وہ بھی پُرامن طریقوں سے ختم کئے جا رہے ہیں۔ ان

شمالی امریکہ

کو کیمپوں کی زندگی میں محدود کر دیا گیا ہے۔ مفت وظائف و دیگر سہولتوں کے ذریعہ بے کاری کے ساتھ عیش و شراب کا عادی بنا دیا گیا ہے اور وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

یورپی استعمار و جدوجہد آزادی

یوروپین قوموں کے افراد امریکہ میں عام طور پر وہ لوگ ہیں جو اپنے مادر وطن یورپ کی حکومتوں کے ظلم و تعدی نیز اپنی بے کاری و بے بضاعتی سے گھبرا کر، ہجرت کرتے رہے وہ لوگ اس نئے ملک میں اپنے سابق حکمرانوں کے اقتدار سے آزاد بھی رہنا چاہتے تھے لیکن جب ان کی نظر اس نئے ملک کی اہمیت پر پڑی جو خام وسائل زندگی سے مالا مال اور ترقی کی صلاحیت رکھنے والا خطہ تھا تو یورپ کی حکومتوں کو بھی طمع ہوئی اور انہوں نے وہاں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ وہ وہاں سے تجارتی وسائل کے ذریعہ مادی فائدہ اٹھانے لگیں اور اس طرح یہ خطہ بھی جلد یورپ کی کالونیاں بن گیا۔ وہاں یورپ کی حکومتوں کا سکہ چلتا اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ ہوتا۔

اس کی بنا پر آہستہ آہستہ امریکہ کے نو وارد باشندوں نے غلامی کا کرب محسوس کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں آزادی کی تحریکیں چلنے لگیں جن کے اثر سے بالآخر ۱۷۸۳ء میں جارج واشنگٹن کے زیر قیادت اس سرزمین نے یورپ کے اقتدار سے گلو خلاصی حاصل کر لی۔ ملک کی متعدد القومیت کالونیوں نے آپس میں اتحاد کیا اور یہاں ایک وفاقی آزاد حکومت قائم ہو گئی۔ جدوجہد آزادی کے دور میں

ملک کے اہم اور بڑے حصہ پر انگریزوں کی عمل داری تھی چنانچہ آزادی حاصل کرنے والوں نے ملک کا چارج انہی سے لیا۔ پایۂ تخت کے لئے ایک نیا شہر بسایا گیا جو ملک کے پہلے صدر کے نام پر جس کے زیر سرپرستی یہ شہر بسایا گیا تھا، واشنگٹن کہلایا۔ یہ شمالی امریکہ کے مشرقی ساحل کے قریب شہر نیویارک سے تین سو میل کے فاصلہ پر آباد کیا گیا۔ یہ چونکہ کولمبیا ضلع کی سرزمین پر واقع ہے اس لئے اس کے ساتھ ڈی۔سی D.C. (ڈسٹرکٹ آف کولمبیا) کا لفظ بھی لگتا ہے (WASHINGTON D.C.)۔

نیویارک

نیویارک شہر، امریکہ کا سب سے بڑا شہر ہے شمالی امریکہ کے مشرقی ساحل پر واقع کئی چھوٹے چھوٹے جزیروں میں پھیلا ہوا ہے ۱۶۱۲ء میں اس خطہ پر ڈچ نسل کے لوگ آئے تھے۔ اس خطہ کا مرکزی حصہ جزیرہ مین ہاٹن (MANHATTAN) جو صرف ۱۳ میل طویل اور ۲ میل عریض جزیرہ ہے اور مرکزی مقام پر واقع ہے۔ یہ اصلاً قدیم باشندوں ریڈ انڈین کے پاس تھا ان سے ۱۶۲۶ء میں پیٹر میونوٹ نے صرف ۲۴ ڈالر میں خرید لیا۔ اس نے اس کو اپنے وطن یورپ کے ایک شہر امسٹرڈم کے نام پر NEW AMSTERDAM کے نام سے موسوم کیا۔ یورپ کے مناسب رُخ اور فاصلہ پر ہونے نیز تجارت و نقل و حمل کے لئے اچھی بندرگاہ ثابت ہونے کی وجہ سے اس کی طرف غیر ملکیوں کی توجہ بڑھی ۱۶۶۴ء میں اس کو انگریزوں نے حاصل کیا اور اسکا نام امسٹرڈم AMSTERDAM کے بجائے نیویارک رکھا۔ یہاں آبادی کے تیزی سے بڑھنے، تمدن اور دولت میں اضافہ ہونے کے باعث یہ جزیرہ دیکھتے دیکھتے بلند عمارتوں، ہر طرح کے سامان سے آراستہ

دوکانوں، دولت سے بھر پور بنکوں اور متمدن عمارتوں میں دنیا کا منفرد خطہ بن گیا،
اس میں ایسی عظیم عمارتیں بنائی گئیں جو اپنی مثال آپ تھیں ان میں سے بعض کی نظیر دنیا
میں کہیں نہ تھی۔ اب آبادی بڑھتے بڑھتے جزیرہ کے باہر قریبی خطوں میں پھیل چکی ہے اور
شہر قریب کے کئی جزیروں کو اپنے میں شامل کر چکا ہے لیکن مرکزیت اور اصل اہمیت مین
ہاٹن (MAN HATTAN) ہی کو حاصل ہے وہ یہاں کا صدر شہر DAWN TOWN ہے وہیں
بلند ترین بلڈنگ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ ہے اور وہیں اقوام متحدہ کی عمارتیں اور دفاتر
ہیں۔ وہیں کے بنکوں میں دنیا کی دولت کی بہت بڑی مقدار موجود ہے اور وہیں دولت
دکاروبار کے سودر ما یہودی نسل کے ماہروں کی خاصی تعداد اثرات اور مال کی کلیدوں
پر قابض ہے وہ وہاں بیٹھے بیٹھے دنیا کی دولت وسیاست پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں
نیویارک امریکہ بلکہ ساری دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے لیکن اس کے باوجود وہ امریکہ کا حکومتی
مرکز نہیں ہے کیونکہ امریکہ کے نظام میں مرکز حکومت بڑے شہر نہیں بنائے جاتے بلکہ ہر صوبہ
میں دارالحکومت کسی متوسط یا چھوٹے شہر میں بنایا جاتا ہے۔

ریاستہائے متحدہ کی آبادی اور دولت

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی بیشتر آبادی اس کے شہروں میں ہے اس کے شہر
زیادہ تر اس کے مشرقی ساحلوں پر اور اس کے شمال میں واقع جھیلوں کے کناروں پر
آباد ہیں۔ ان شہروں اور ان کے مضافات میں بڑے بڑے کارخانے ہیں جن سے یورپ
و دیگر براعظموں سے تجارتی مواصلات کا ربط قائم رہتا ہے اور یہی ان شہروں کی آبادی
اور ترقی کا اہم سبب ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے کئی خطوں میں جن میں اسکا شمالی

حصہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کوئلے کے بڑے ذخائر ہیں۔ ان سے یہاں کے کارخانوں
کو بڑی مدد ملتی ہے۔ کوئلے کے علاوہ تیل کے ذخائر بھی ملک کے بعض حصوں میں خاصے
پائے جاتے ہیں جن سے ایندھن کی عظیم ضرورت بہت حد تک پوری ہوتی ہے۔ معدنی
اور زراعتی لحاظ سے بھی یہ ملک بہت مالا مال ہے۔ یورپ سے وہاں پہونچنے والے
افراد مشقت کے جھیلے ہوئے اور مہم جو طبیعت کے لوگ تھے اس لئے انہوں نے عام طور
پر ملک کے وسائل دولت سے خوب فائدہ اٹھایا، اور تھوڑی مدت میں امریکہ کو دنیا
کا سب سے زیادہ دولت مند اور ترقی یافتہ ملک بنا دیا۔ اب وہ اس وقت دولت و ذرائع
معیشت میں دنیا میں درجہ اول کا، سائنسی علم میں نیز سیاسی و حربی طاقت میں نمبر اول یا
دوم کا رقبہ زمین میں نمبر۳ یا نمبر۴ کا اور آبادی میں نمبر۳ کا ملک ہے سائنس اور ٹکنالوجی
میں اس کی ترقی کا اظہار کمپیوٹر کی صنعت میں غیر معمولی ترقی نیز مصنوعی سیاروں کی تیاری
نیز چاند تک پہونچنے میں اس کی کامیابی سے ہوتا ہے۔

امریکہ اپنی زرعی اور صنعتی پیداوار میں ایک مدت سے نہ صرف یہ کہ خود کفیل ہے
بلکہ اس نے اپنی فاضل پیداوار کی تجارت اور برآمد سے دنیا کی منڈیوں کو بہت متاثر
کیا ہے۔ اب وہ حربی سامان کی صنعت کو غیر معمولی ترقی دینے اور بکثرت بنانے میں بھی
دنیا کے درجہ اول کے ملکوں میں داخل ہے وہ اپنی امداد اور دولت کے ذریعہ دنیا کے
ترقی پذیر ملکوں کی سیاست اور مزاج پر بہت اثر انداز ہو رہا ہے۔ دنیا میں اس وقت
اس کے مقابلہ پر روس کا ملک ہے جو مشرق میں واقع ہے اور رقبہ میں امریکہ کے ملک سے
بڑا، آبادی اور ترقی میں تقریباً مساوی لیکن پیداوار اور دولت میں کم تر ہے۔ دونوں کا
نظام اقتصادی و سیاسی علیحدہ بلکہ متضاد ہے، دنیا پر دونوں کے اثرات کا یہ حال ہے کہ دنیا

کے ممالک ان دو ملکوں کے علیحدہ علیحدہ حلقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ البتہ امریکہ دولت اور پیداوار میں فائق ہونے کی بنا پر دنیا پر زیادہ اثر انداز ہے۔ امریکہ نے اپنے وسائل وعلم سے سائنس وتمدن کی ترقی کو جو شکل دیدی ہے اس کو دیکھ کر سب بیحد متاثر ہوتے ہیں، فطری بات تھی کہ مجھ کو بھی امریکہ کا مشاہدہ کرنے اور اس کی ترقیات وتمدن کو دیکھنے کا شوق ہو کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

سفر کی کارروائی اور پی فارم

سفر کے وسائل کا نظم ہو جانے پر سفر کی ضروری تیاری کی اور ۲۲ کی شام کو بذریعہ ٹرین دہلی اور دوسرے روز ۲۳ کو امریکی سفارت خانے گئے۔ وہاں انٹرویو دیکر ویزا حاصل کیا، ویزا حاصل کرنے کے بعد پی فارم کا حصول بھی خاصا مسئلہ تھا تجربہ عموماً اس کے دشواری سے ملنے کا رہا ہے، وقت کی کمی مزید رکاوٹ تھی، بہرحال دہلی کے کسی با اثر اشخاص کے تعاون سے یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اس سلسلہ میں مسٹر بہوگنا سابق وزیر اعلیٰ یوپی وحال وزیر پٹرولیم وکیمیکل حکومت ہند خاص طور پر قابل ذکر ہیں، انہوں نے دلچسپی لی اور خصوصی تعاون کیا۔

جہاز کی پرواز میں دشواری اور تاخیر

ہم لوگ رات کے ۱۲ بجے پالم کے لئے روانہ ہوئے اور ضروری کارروائیوں کے بعد تقریباً ½ ۲ بجے ہوائی جہاز کے اندر داخل ہو گئے۔ جہاز جمبو تھا اور اس کو پونے تین بجے قبل فجر پرواز کرنا تھا لیکن وقت زیادہ ہو گیا اور جہاز رن وے پر ہی کھڑا رہا، کافی دیر کے بعد اعلان ہوا کہ بعض ٹیکنیکل خرابیوں کے باعث پرواز میں تاخیر ہو رہی ہے، تاخیر بڑھتی گئی حتیٰ کہ

½ ۸ بجے دن میں اعلان ہوا کہ جہاز نصف گھنٹے بعد پرواز کرے گا اور فی الحال بمبئی جائے گا۔ اس اعلان سے ایک طرف تو اطمینان ہوا کہ اب پرواز جلد ہی شروع ہو گی لیکن فکر بھی ہوئی کہ دوبارہ بمبئی جانے کا کیا مطلب، بہرحال خدا کے فضل سے پونے گیارہ بجے جہاز بخیریت بمبئی پہونچا۔ وہاں ٹرانزیٹ میں مسافروں کو تین گھنٹے قیام کا موقع دیا گیا۔

بمبئی سے نیویارک

بمبئی کے ٹرانزیٹ سے بمبئی کے دوستوں سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور ظہر کی نماز اول وقت پڑھ کر جہاز پر سوار ہوئے، جہاز تقریباً ۹ گھنٹے کی پرواز کے بعد روم (ROME) وہاں کی مغرب کے وقت اور فرانکفرٹ (FRANCFURT) وہاں کی عشاء کے وقت پہونچا۔ یہاں ہندستانی وقت سے ½ ۴ گھنٹے بعد کا وقت تھا۔ فرانکفرٹ سے جہاز کو لندن جانا تھا لیکن جہاز کے ذمہ داروں نے تاخیر کے باعث لندن چھوڑ دینے کا ارادہ کیا اور لندن جانیوالے مسافروں سے دوسرے جہاز میں منتقل ہونے کی فرمائش کی۔ جہاز نے ان لوگوں کے اس جہاز کو چھوڑنے کے بعد یہاں سے سیدھی پرواز نیویارک کی اختیار کی جو تقریباً آٹھ گھنٹے کی تھی۔ اس طرح پر لندن جانے اور وہاں دو گھنٹے قیام کرنے کا وقت بچ گیا۔

جہاز نیویارک کے وقت کے مطابق رات کے ½ ۲ بجے جو کہ ہندستانی وقت کے لحاظ سے دوسرے دن کے ۱۲ بجے کا وقت تھا پہونچا۔ اس طرح پر بمبئی سے نیویارک تک ۲۰ گھنٹے کا سفر ہوا، اور اگر دہلی سے شمار کیا جائے تو اس سفر میں ۳۲ گھنٹے صرف ہوئے، نیویارک کا شمسی وقت ہندستان کے شمسی وقت سے ½ ۱۰ گھنٹے پیچھے ہے۔ لیکن موسم گرما میں اپنی کاروباری سہولت کے لئے سارا یورپ اور سارا امریکہ اپنی گھڑیوں کو ایک گھنٹہ آگے بڑھا لیتا ہے یعنی ۱۲ بجے کو ایک بجے کر لیتا ہے جس کی وجہ سے ہندستان سے مشرقی امریکہ کے وقت کا فرق ½ ۹ گھنٹے شمار ہوتا ہے، اور چونکہ موسم گرما

کا زمانہ ہے لہٰذا ہم اصطلاحاً ہندستان سے ۹½ گھنٹے پیچھے ہیں۔ نیویارک میں فجر کی نماز اس وقت پڑھیں گے جب ہندستان میں اسی روز کی مغرب پڑھتے ہیں۔

مولانا مدظلہ نے سفر سے قبل ایم۔ ایس۔ اے والوں کو بذریعہ تار اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ لہٰذا امید تھی کہ ایرپورٹ پر کوئی آجائے گا اور کسٹم سے نکل کر اس کی مدد اور رہنمائی حاصل ہوگی۔ اس کے بغیر اتنے بڑے شہر میں کہاں جائیں گے اور کیا کریں گے۔ الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی ریاض کے محمد العقیل صاحب نے جو نیویارک سے ایک ہفتہ قبل لکھنؤ آئے تھے اور سفر کے لئے ایم۔ ایس۔ اے کا تاکیدی پیغام لائے تھے چند ٹیلی فون نمبر دیدیے تھے کہ مبادا ضرورت پڑ جائے تو استعمال کئے جاسکیں۔ انہوں نے کلکٹ کال (COLLECT CALL) کا طریقہ بھی بتایا تھا جس کے ذریعہ بغیر چارج دیے ٹرنک کال کی جاسکتی ہے۔ اس میں کال کا صرفہ دوسرے فریق پر پڑتا ہے ٹیلیفون آپریٹر سے اپنا نام بتا کر کہنا پڑتا ہے کہ یہ کلکٹ کال ہے وہ دوسرے فریق سے نام بتا کر پوچھ لیتی ہے کہ اس کو نامنظور تو نہیں، اس کی اجازت پر آپریٹر لائن دے دیتی ہے۔ یہ سہولت امریکہ کی بڑی اچھی سہولت ہے جس کی بنا پر کسی بھی وقت امریکہ کے کسی بھی علاقہ میں ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ البتہ مقامی کال کا چارج ۱۰ سنٹ دینا لازمی ہے جو کلکٹ کال کی صورت میں بھی دینا ہوتا ہے اس کے لیے امریکہ میں ہر جگہ مشینیں لگی ہیں۔ ۱۰ سنٹ ڈال کر خود ڈائل سے کال ملائی جاسکتی ہے۔ ٹرنک کے لئے جو لانگ ڈسٹینس (LONG DISTANCE) کال کہلاتی ہے پہلے ایریا کوڈ (AREA CODE) ڈائل کرنا ہوتا ہے جو ہر شہر اور علاقے کے لئے الگ مقرر ہے۔ اس کے بعد مقامی نمبر ڈائل کرنا ہوتا ہے۔

نئی دنیا امریکہ میں

نیویارک آمد

ہمارا جہاز نیویارک کے کینیڈی ایرپورٹ پر اترا۔ بین الاقوامی پروازیں بیشتر اسی ایرپورٹ سے آتی جاتی ہیں۔ یہ ایرپورٹ لانگ آئی لینڈ LONG ISLAND جزیرہ پر ہے اس جزیرہ کا ایک حصہ شہر نیویارک میں داخل ہے۔ نیویارک کا دوسرا بڑا ایرپورٹ لگارڈیا (LAGARDIA) بھی اسی لانگ آئی لینڈ میں ہے۔ نیویارک شہر کی ضرورت کے لئے ایک تیسرا بڑا ہوائی مستقر ہے جو قریبی ریاست نیو جرسی (NEW JERSEY) کے شہر نیوآرک NEW ARK میں ہے۔ یہ نیویارک شہر کی ضرورت کے بڑے ہوائی مستقر ہیں۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے ایرپورٹ بڑی تعداد میں ہیں۔ یوں تو نیویارک کئی جزیروں میں پھیلا ہوا ہے لیکن اس کا مرکزی حصہ مین ہاٹن (MAN HATTAN) نامی ایک چھوٹے جزیرہ پر ہے۔ اس کے مشرقی جانب لانگ آئی لینڈ کا ایک نسبتاً بڑا جزیرہ ہے جس کے مغربی حصہ میں کوئنس اور بروکلین دو شہری منطقے ہیں۔ مین ہاٹن کے شمال میں برونکس (BRONX) اور جنوبی رخ پر اسٹیٹن آئی لینڈ (STATEN ISLAND) کے جزیرے ہیں۔ شہر نیویارک انہی میں پھیلا ہوا ہے لیکن اس کی فلک بوس عمارتیں اور عالمی شہرت رکھنے والے بازار سب مین ہاٹن جزیرہ کے اندر ہی محدود ہیں۔ اسی میں ایمپائر اسٹیٹ EMPIRE STATE BUILDING

کی مشہور فلک بوس عمارت ہے۔ اسی میں اقوام متحدہ کے دفاتر کی عمارتیں ہیں۔ اسی جزیرہ میں وال اسٹریٹ (WALL STREET) ہے جو دنیا کا سب سے بڑا مالی مرکز ہے۔

مین ہاٹن کا نام دراصل یہاں کی قدیم ریڈ انڈین زبان کا لفظ ہے جو تا حال مستعمل ہے اور یہ صرف اسی جگہ نہیں بلکہ امریکہ کے بہت سے شہروں اور مقامات کو ابھی تک قدیم ریڈ انڈین زبان کے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے مثلاً میساچوسٹ اسٹیٹ (MASSA,CHUSETTS,STATE) جہاں بوسٹن (BOSTON) شہر ہے الینوائے اسٹیٹ (ILLINOIS STATE) جہاں شکاگو جیسا بڑا شہر ہے۔

پورا شہر نیو یارک اس وقت پانچ حصوں میں تقسیم ہے۔ ہر حصہ ایک مستقل بڑے شہر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کو بارو (BOROUGH) کہا جاتا ہے۔ ان میں سے مین ہاٹن، برونکس اور اسٹیٹن آئی لینڈ تین بارو مستقل جزیرے ہیں، اور کوینس (QUEENS) اور بروکلین (BROOKLYN) نام کے دو بارو لانگ آئی لینڈ کے مغربی خطہ میں واقع ہیں۔ نیو یارک کے تمام جزیرے پلوں اور سرنگوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اس لئے ان کے درمیان علیحدگی محسوس نہیں ہوتی۔

امریکہ میں داخلہ

بہرحال ہم کینیڈی ایرپورٹ پر اترے جو لانگ آئی لینڈ جزیرے میں کوینس بارو کے کنارے واقع ہے۔ ہمارا جہاز رات کو ۱۲ بجے پہونچا۔ یہ وقت نیو یارک میں پروازوں کا نہ تھا۔ اس لئے کہ چند روز قبل ہی بعض انتظامی مصلحتوں سے یہاں پابندی لگ گئی تھی کہ تمام پروازیں دن ہی دن میں ہوں رات میں کوئی پرواز نہ آنے نہ جائے۔ اسی لئے ہمارا

جہاز جب پہونچا تو ایرپورٹ پر بھیڑ نہیں تھی۔ چیکنگ اور اندراج کی کھڑکیوں پر زیادہ ٹھہرنا نہیں پڑا۔ یوں بھی انتظام چست نظر آیا۔ ایرپورٹ کی طرف سے بلّے لگائے کچھ آدمی بھی نظر آئے جو دیکھتے پھر رہے تھے کہ کسی کو دیر یا دشواری تو نہیں ہو رہی ہے۔ وہ مشورہ دیتے تھے کہ اس لائن کو چھوڑ کر اس لائن میں آجائیے وہاں نسبتاً آدمی کم ہیں۔

تھوڑی دیر میں ہم کسٹم پر آگئے۔ کسٹم آفیسر نے امریکہ میں آمد کا مقصد دریافت کیا جب اس کو یہ بتایا کہ ہم محدود وقت کے لئے اور ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے ہیں تو اس نے سامان دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی نشان لگا دیا۔ اور ہم بسہولت ایرپورٹ سے باہر آگئے۔ ہمیں اپنے مشرقی ممالک کے کسٹم کی جانچ یاد آئی کہ باہر سے آنے پر مسافر کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کو کتنی زحمت پیش آئے گی اور وہ کتنی دیر میں اس زحمت سے نجات پائے گا۔ بعض آفیسر خوش اخلاق بھی مل جاتے ہیں اور کام میں عجلت ہو جاتی ہے لیکن زیادہ تر اس کے برعکس ہوتا ہے اور مسافر کو اپنی بے بسی اور ذلت کا احساس ہوتا ہے۔

محمد خورشید صاحب کی رہبری اور میزبانی

اب مرحلہ شہر میں جانے کا تھا۔ بظاہر کوئی لینے نہیں آیا تھا۔ خیال ہوا کہ شاید تار نہیں پہونچا اس لئے گیٹ سے باہر یہ ارادہ کرتے ہوئے آئے کہ کسی ٹیلی فون بوتھ سے کسی جاننے والے کے نمبر پر ڈائل کریں گے۔ باہر نکلتے ہی ایک مسلمان شکل کے صاحب نظر آئے۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر آگے بڑھے، نام دریافت کیا اور اخلاق سے ملے۔ یہ پاکستان کے محمد خورشید صاحب تھے، ایبٹ آباد وطن ہے، پاکستانی سکریٹریٹ میں

انڈر سکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے۔ حالات سے بیزار ہو کر امریکہ آگئے۔ اب برسوں سے یہیں مقیم ہیں۔ زیادہ وقت اسلامی دعوتی کوششوں میں صرف کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ سید ساجد حسین صاحب ایم۔ ایس۔ اے کے جلسہ میں جاتے ہوئے میرے ذمے کر گئے ہیں کہ میں آپ کا استقبال کروں اور بلومنگٹن۔ انڈیانا (BLOO-MINGTON INDIANA) کے لئے روانہ کرنے کا نظم کروں کیونکہ مجھے بعض ضروریات کی بناء پر نیویارک ہی ٹھہرنا تھا۔ چنانچہ وہ بڑی محبت کے ساتھ مولانا مدظلہ، اور ہم کو اپنی موٹر پر بٹھا کر اپنے گھر لائے۔ ان کا گھر کوئنس بارو کے کرونا (CRONA) محلے میں ہے۔ زیادہ دور اور پیچیدہ راستہ نہ تھا جلدی پہونچنا ہوگیا۔

شہر میں چند گھنٹے

ان کے یہاں پہونچکر بقیہ رات آرام کیا۔ صبح بوقت فجر وہ اپنے قریب کی ایک مسجد میں لے گئے جو فقہی لحاظ سے تو مسجد نہیں ہے لیکن نماز کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔ یہاں خورشید صاحب نے ایک اسلامک سینٹر بھی قائم کر رکھا ہے جس میں درس قرآن اور دیگر تربیتی و دعوتی پروگرام ہوتے ہیں۔ مولانا سے انہوں نے نماز پڑھوائی۔ نماز کے بعد درس قرآن کی بھی فرمائش کی۔ چنانچہ امریکہ میں مولانا کا یہ پہلا درس ہوا۔ اچھا مفید مضمون تھا۔ جن آیات پر یہ درس مشتمل تھا وہ بنی اسرائیل کے متعلق تھیں، مولانا نے ان کو اس طرح بیان کیا جس سے مسلمانوں کے فائدہ اٹھانے کے پہلوؤں پر خصوصی روشنی پڑتی تھی۔ درس کے بعد محمد خورشید صاحب کے مکان پر واپسی ہوئی۔ اس علاقہ کے تقریباً تمام مکانات ایک سے اور عموماً دو دو، تین تین منزلوں تک محدود

ہیں۔ یہ بھی ایک کوارٹر نما مکان تھا، اس کے گراؤنڈ فلور پر تقریباً نصف فلیٹ میں انکا قیام ہے جو تین کمروں پر مشتمل ہے، اسی میں ایک طرف حمام ہے۔ مکان اچھا سلیقہ کا ہے۔

امریکہ میں شہری آبادی اور مکانات کا طرز

امریکہ میں رہائشی تہذیب ایک ہی طرز کی ہے۔ بنگلے ہوں یا فلیٹ ان کے فرش قالینوں سے ڈھکے ہوئے اور دیواریں یا تو خوبصورت کاغذ سے ڈھکی ہوئی یا آئل پینٹ سے پینٹ کی ہوئی ہوتی ہیں۔ بنگلے عموماً لکڑی کے بنے ہوتے ہیں امریکہ کی اسّی فیصدی آبادی انہی بنگلوں میں رہتی ہے۔ یہ شہر و دیہات میں ہر جگہ ضرورت کے مطابق پھیلے ہوئے ہیں۔ بلند اور فلک بوس عمارتیں ہر شہر کے صرف مرکزی علاقے میں ہوتی ہیں جس کو ڈاؤن ٹاؤن (DOWN TOWN) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ شہر کے مضافات و باہری حصّے اپر ٹاؤن (UPPER TOWN) کہلاتے ہیں۔ اس طرح پر امریکہ کی تعمیراتی عظمت و شہری ہماہمی دیکھنے کے لئے شہر کے صرف ڈاؤن ٹاؤن میں چلا جانا کافی ہے وہاں سب نظر آجاتا ہے۔ رہے شہر کے باقی حصّے تو وہ عمومی حالات و کیفیات کے ہوتے ہیں، جن کی مثال بآسانی مشرق کے شہروں میں مل سکتی ہے اور ان میں غیر معمولی تمدنی امتیاز نہیں معلوم ہوتا۔

مسجد سے واپسی پر خورشید صاحب سے ہم لوگوں نے کہا کہ ہمارے ایک بہت قریبی تعلق کے نوجوان ڈاکٹر احمد مطیع صدیقی اسی نیویارک میں رہتے ہیں انکا ٹیلیفون نمبر ہمارے پاس موجود ہے ان کو ذرا اطلاع کر دیجئے۔ انہوں نے رابطہ قائم کیا،

مطیع صاحب سے ہم لوگوں کی بات ہوئی۔ اولاً انہوں نے شکایت کی کہ ان کو اطلاع کیوں نہیں دی گئی، وہ اپنے گھر پر لاتے پھر انہوں نے فوراً پہونچنے کا وعدہ کیا۔ ان سے بتایا گیا کہ آٹھ بجے لگا ڈیا ایر پورٹ سے ہم لوگ انڈیانا پولس (INDIANA-POLIS) جارہے ہیں۔ انہوں نے ایر پورٹ آنے کا وعدہ کیا۔ خورشید صاحب کی اہلیہ بھی جو کہ ساتر لباس میں ہم لوگوں کے استقبال میں اپنے خاوند کے ساتھ ایرپورٹ آئی تھیں اور اپنے دینی جذبہ کی بنا پر مولانا کی آمد سے خوش تھیں۔ مولانا کی راحت کی فکر رکھی۔

انڈیانا پولس روانگی اور امریکن ایرپورٹ کا طرز

ناشتہ کے بعد خورشید صاحب نے ہم لوگوں کو لگا ڈیا پہونچایا۔ ہم لوگ ایسے تنگ وقت پہونچے کہ مطیع صاحب ایک طرف تلاش کرتے رہے اور ہم لوگ دوسری طرف سے ایرپورٹ میں داخل ہوگئے چنانچہ ملاقات نہ ہوسکی۔ امریکہ کے تمام ہوا صلاتی مرکزوں پر کار پارکنگ کا مستقل نظام ہوتا ہے۔ چنانچہ لگا ڈیا ایرپورٹ پر بھی ایک عمارت کے کئی فلور صرف موٹر پارکنگ کے لئے ہیں۔ چونکہ خورشید صاحب کو کار پارکنگ کرنی تھی اس لئے وہ ہم لوگوں کو لئے ہوئے تیسرے فلور تک چلے گئے اور پارکنگ کے بعد اسی کے ایک بغلی دروازے سے ایرپورٹ میں داخل ہوئے۔ بالکل بر وقت سیٹ ریزرو کرائی، کمپیوٹر کے ذریعہ ہوائی جہاز میں سیٹ مہیا ہونے کی اطلاع حاصل کرکے کاؤنٹر کلرک نے جہاز میں جانے کی اجازت دی۔ ایرپورٹ کی ایک تنگ راہداری پر ٹکٹ چیک ہوا اور بورڈنگ پاس ملا۔ ہم لوگ راہداری میں داخل ہوئے۔ خیال تھا کہ اب

اس کے دروازے سے نکل کر بس کے ذریعہ یا پیدل ہوائی جہاز کی طرف جائیں گے کہ اچانک راہداری کے سرے پر سیٹیں شروع ہوگئیں۔ معلوم ہوا کہ ہم ہوائی جہاز کے اندر پہونچ چکے ہیں۔ اب یورپ، امریکہ میں تقریباً تمام بڑے ایرپورٹ سرنگ نما راہداری رکھتے ہیں جو ہوائی جہاز کے دروازے سے جوڑ دی جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ آدمی براہ راست ہوائی جہاز میں پہونچ جاتا ہے۔

پرائیوٹ ہوائی کمپنیاں

معلوم ہوا کہ امریکہ کی تمام ہوائی کمپنیاں پرائیوٹ ہیں اور ہوائی کمپنیاں ہی کیا یہاں زندگی کا ہر نفع بخش شعبہ پرائیوٹ ہے خواہ ہوائی جہاز ہو یا ریلوے، ریڈیو یا ٹیلی ویژن ٹیلی فون ہو یا کوئی اور محکمہ۔ چنانچہ کمپنیوں کو گاہکوں کی خوشی اور ان کی ضروریات کی فکر رکھنا پڑتی ہے۔ ان کمپنیوں کے مابین حسن کارکردگی کا مقابلہ رہتا ہے۔ اندرون ملک ہوائی کمپنیوں کی خاصی سروسیں ہیں اور ہر ایرپورٹ میں ہر ایک کمپنی کے حصے الگ الگ ہوتے ہیں جو بذات خود مستقل ایرپورٹ معلوم ہوتے ہیں۔ ہر کمپنی کے حصہ عمارت میں بے شمار کاؤنٹر، مسافروں کے بیٹھنے اور سامان رکھنے کی جگہیں اور ہوائی جہاز تک جانے کے لئے راہداریاں بنی ہوتی ہیں۔ یہ راہداریاں ہوائی جہاز کے اندر تک پہونچا دیتی ہیں۔ ہر کمپنی کا انتظام بہت ہی چست اور اچھا ہے۔ تقریباً ہر کام کمپیوٹر سے انجام پاتا ہے۔ ٹیلی فون سے سیٹ بک کرائی جاتی ہے پھر اسی کے حوالے سے مسافر بر وقت ٹکٹ خرید کر ہوائی جہاز میں چلا جاتا ہے۔ جہاز کے اندر جانے کے راستوں کے قریب ہی کاؤنٹر بنے ہوتے ہیں۔ ان کے متصل دیواروں پر ٹیلی ویژن کے ذریعہ

ہر فلائٹ کی تفصیل آتی رہتی ہے اور یہ بھی درج ہوتا رہتا ہے کہ کس نمبر کے گیٹ سے ہوائی جہاز کے اندر جانا ہوگا اور مختلف جگہوں پر تیر (ARROW) بنے ہوتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ کس نمبر کا گیٹ کدھر ہے۔ نیچے اوپر کی منزلوں کو متحرک زینے اسکلیٹر (ESCALATOR) ملاتے ہیں اور جہاں کاؤنٹر سے ہوائی جہاز کے گیٹ کا فاصلہ زیادہ ہوتا ہے وہاں متحرک راستے چلتے رہتے ہیں جن پر آدمی کھڑا ہوتا جاتا ہے اور راستہ خود چلتا جاتا ہے۔ ہم لوگ اُردو میں "چلتا راستہ" کہہ کر مجازاً یہ مراد لیتے ہیں کہ راستے پر چلنے والے بہت ہیں۔ یہاں یہ مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ خود راستہ چلتا ہے، متعدد ہوائی مستقروں پر ایک ٹرالی موٹر بھی ہوتی ہے جو الارم دیتی ہوئی چلتی ہے اور کمزور و معذور لوگوں کو طویل فاصلے طے کرنے کی زحمت سے بچاتی ہے۔ ہوائی کمپنیوں کی کثرت کی وجہ سے امریکہ کے اکثر ایرپورٹ بڑے محلوں یا چھوٹے شہروں کی مانند ہو گئے ہیں کہ ان کا سلسلہ میلوں تک پھیلا ہوتا ہے۔ بعض بعض جگہ تو بغیر مذکورہ بالا وسائل کے آدمی ہوائی جہاز کے دروازے سے ایرپورٹ کے بیرونی دروازے تک جانے سے قاصر رہتا ہے۔

(T.W.A.) اور دیگر ہوائی کمپنیاں

ہم کو جو فلائٹ ملی وہ ٹی، ڈبلیو، اے کی تھی، اس سے ہم ہندوستان ہی سے واقف تھے۔ اس کے ذریعہ کئی بار بمبئی سے طہران تک جانا اور آنا ہوا ہے۔ امریکہ کی یہ سروس اندرون ملک کے ساتھ ساتھ ساری دنیا میں چلتی ہے۔ اس کی ہم مرتبہ پان امریکن (PAN AMERICAN) بین الاقوامی سروس اندرون ملک کے لئے نہیں

صرف بیرون ملک کے لئے ہے۔ اندرون ملک کے لئے ٹی، ڈبلیو، اے کے علاوہ دیگر کئی سروسیں ہیں جو اندرون امریکہ اور اس کے مضافات تک محدود ہیں۔ ان میں الیگنی (ELLEGHENY) جو امریکہ کے ایک پہاڑ کے نام سے موسوم ہے — "امریکن (AMERICAN) یونائٹیڈ (UNITED) اور ڈیلٹا (DELTA) وسیع اور مشہور کمپنیاں ہیں۔ ان کے علاوہ "ایسٹرن" (EASTERN) "سنٹرل" (CENTRAL) ویسٹرن (WESTERN) اور متعدد دیگر کمپنیاں بھی ہیں۔ ہر کمپنی کا انتظام اچھا اور اس کے پاس ضرورت کے مطابق ہوائی جہاز ہیں۔ کمپنیوں اور جہازوں کی کثرت کی وجہ سے امریکہ میں ہوائی سفر مشرق کے بسوں کے سفر سے بھی زیادہ آسان بن چکا ہے۔ بڑے شہروں کے درمیان شٹل (SHUTTLE) جہاز بھی چلتے ہیں۔ یہ ہر گھنٹہ پر چلتے ہیں اور اگر مسافر بڑھ جائیں تو بروقت مزید چلا دیے جاتے ہیں ان میں آدمی کو باہر سے ٹکٹ لینے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، وہ وہاں چلا جائے، جگہ ہو بیٹھ جائے۔ ایرہوسٹس خود آکر ٹکٹ بنا دے گی۔ امریکہ کے بین الاقوامی ہوائی اڈوں پر ہوائی جہازوں کی آمد کی وہ کثرت ہے کہ تانتا بندھا رہتا ہے۔ افق پر نظر ڈالنے پر ایک وقت میں کئی کئی جہاز نظر آتے ہیں۔ ایک دور افق پر ہے ایک قریب آچکا ہے اور ایک اُتر رہا ہے، دوسری طرف ہر منٹ یا آدھے منٹ پر ایک جہاز پرواز کر رہا ہے۔ یہ بات زیادہ تر نیویارک اور شیکاگو کے ایرپورٹوں پر نظر آتی ہے۔ شیکاگو کو لوگ اس سلسلہ میں نمبر اول دیتے ہیں کیونکہ اس کا جائے وقوع ایسا ہے کہ وسطی امریکہ اور کناڈا (CANADA) کو بھی اس سے مدد ملتی ہے۔

امریکہ میں سگریٹ نوشی

امریکن جہاز اندر اور باہر سے تقریباً ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے تمام دنیا میں ہیں۔ البتہ اندر سیٹوں کو سگریٹ نوشی کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان تقسیم کیا گیا ہے۔ زیادہ تعداد نہ پینے والے مسافروں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ اور بورڈنگ کارڈ دیتے وقت ہی پینے والے اور نہ پینے والے کا فرق مسافر سے دریافت کرکے نشست کا تعین کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں سگریٹ نوشی کو مضر سمجھنے کا عام رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور اس کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔ یہ ہوائی جہاز کی نشستوں کی تقسیم کا عمل ہوٹلوں اور کیفیٹریا اور اسپتالوں میں بھی کیا جانے لگا ہے تاکہ سگریٹ کے دھوئیں سے بچنے والا اس سے محفوظ رہے۔

انڈیانا پولس سے بلومنگٹن

انڈیانا پولس بہت بڑا شہر نہیں ہے لیکن تنہا نیویارک سے وہاں کے لئے روزانہ ۳۷ فلائٹ ہیں۔ دیگر جگہوں کے لئے اس کے علاوہ ہوں گی۔ انڈیانا پولس کے مستقر پر دیکھا کہ ہر دو چار منٹ پر ایک پرواز آتی یا جاتی ہے۔ انڈیانا پولس انڈیانا اسٹیٹ کا مرکز ہے۔ پولس کے لفظ کے معنی مرکز کے ہیں، یہ ساڑھے سات لاکھ آبادی کا شہر ہے نیویارک سے مغربی رُخ پر تقریباً ۸۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس سے ۵۰ میل کے فاصلے پر بلومنگٹن نامی ایک قصبہ ہے جس میں انڈیانا اسٹیٹ کی یونیورسٹی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ قصبہ دراصل یونیورسٹی شہر بن گیا ہے۔ انڈیانا پولس کے ہوائی مستقر پر ایم۔ ایس۔ اے

کے مندوب جناب منذر قحف صاحب شامی اپنے ایک کویتی دوست کے ساتھ لینے آئے تھے۔ منذر قحف صاحب ایم۔ ایس۔ اے میں شعبہ مالیات کے انچارج ہیں اور الاستاد محمد المبارک کے داماد ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ کانفرنس میں استاد محمد المبارک بھی شریک ہو رہے ہیں۔ منذر صاحب کار کے ذریعہ ہم لوگوں کو بلومنگٹن لائے، یہ جمعہ کا دن تھا کانفرنس کا ابتدائی پروگرام شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ہم لوگوں کو آرام کی خاطر جمعہ کی نماز تک کے لئے قیام گاہ پر آرام کرنے اور جمعہ کی تیاری کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

کانفرنس کی جگہ، انڈیانا اسٹیٹ یونیورسٹی

ایم۔ ایس۔ اے والے اپنی سالانہ کانفرنس مختلف شہروں میں رکھتے ہیں لیکن دو ایک سال سے انہوں نے بلومنگٹن میں واقع انڈیانا اسٹیٹ یونیورسٹی کو مخصوص کر لیا ہے۔ کیونکہ مختلف سہولتوں کے لحاظ سے یہ جگہ ان کے لئے زیادہ موزوں ثابت ہو رہی ہے۔ یونیورسٹی کی عمارتوں میں کانفرنس کی مختلف ضروریات زیادہ اچھے طریقے پر پوری ہوتی ہیں۔ اس کا آڈیٹوریم جلسہ گاہ کے طور پر، اس کا ایک ہال نماز باجماعت کیلئے، اس کے بعض ہاسٹل مندوبین کے قیام کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ مخصوص مندوبین کو کانفرنس والے یونیورسٹی کیمپس میں واقع ایک ہوٹل میں ٹھیراتے ہیں جس کا نام یونین میموریل بلڈنگ (UNION MEMORIAL BUILDING) ہے۔ مندوبین کے کھانے کا نظم یونیورسٹی مس (MESS) کے ذمہ کر دیا جاتا ہے اور حلال و حرام کی ہدایات دیدی جاتی ہیں۔

چکنائی کا مسئلہ

یورپ اور امریکہ میں کھانے کی وہ اشیاء جن میں چکنائی کا جزء ہو مسلمانوں کے لئے دشواری کا باعث بنتی ہیں کیونکہ یہاں دودھ سے نکالی ہوئی چکنائی کا رواج صرف محدود ضرورتوں کے لئے ہے۔ عموماً حیوانی چکنائی سے کام لیا جاتا ہے اور وہ جانوروں کے حرام یا مردار ہونے کے باعث مسلمان کے لئے ناقابلِ استعمال ہوتی ہے اس بنیاد پر وہاں کا پکا ہوا ہر کھانا اگر حرام نہیں تو مشکوک ضرور ہو جاتا ہے البتہ یہودی ذبیحہ گوشت کی طرح ان کے یہاں سے حاصل کردہ چربی کی اشیاء بھی قابل بھروسہ سمجھی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ نباتاتی چکنائی کا بھی متعدد ماکولات میں استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً بسکٹوں کی بعض اقسام نباتاتی چکنائی سے تیار کی جاتی ہیں اس کی وجہ سے یہ اشیاء مسلمانوں کے لئے قابلِ استعمال ہوتی ہیں۔ اور چونکہ مصنوعات کے پیکٹوں پر ان کے اجزاء کی تفصیل اور مواد درج ہوتا ہے اس لئے پیکٹوں کے مندرجات پڑھ کر چکنائی کی قسم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ محتاط مسلمان پیکٹ پر نباتاتی چکنائی کی صراحت دیکھ کر ان کو قابل استعمال مانتے ہیں۔ چکنائی کے لئے یہاں شاٹننگ (SHA PTNIN A) کا لفظ مستعمل ہے چنانچہ نباتاتی چکنائی کا ذکر ویجٹیبل شاٹننگ کے الفاظ سے ملتا ہے۔

یونیورسٹی اپنے یہاں کئے جانے والے جلسوں کو دی ہوئی سہولتوں کا معقول کرایہ لیتی ہے دراصل امریکہ میں ہر کام اجرت پر ہوتا ہے، یہاں اخلاق، مروت، شرافت جیسے کسی لفظ کے معنی میں مفت کام شامل نہیں ہے۔ بتانے والوں نے بتایا کہ یہاں تو اگر کوئی اپنے لڑکے کو آپ کے پاس ایک گھنٹہ کے لئے چھوڑ جائے کہ ذرا خیال رکھیئے گا میں ایک گھنٹہ کے بعد آکر لے جاؤں گا تو۔ . . . اس کی بھی اجرت آپ کو مل سکتی ہے۔ ہاں صرف زبانی خوش اخلاقی مفت ہے اور اس میں یہاں بخل نہیں ہے۔ اس میں امریکہ انگلستان سے بہت فائق ہے کیونکہ انگلستان والے تو شاید زبانی اخلاق برتنے کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی جیب سے کچھ گیا۔ بے پرواہ بیٹھے رہتے ہیں۔ ریل ہو یا بس پورا سفر کرڈالیے آپ کے ساتھ کا بیٹھا ہوا آدمی ایک لفظ سے بھی آپ سے مخاطب نہ ہوگا۔ آپ مخاطب ہو جائیں تو چہرے سے ناپسندیدگی ظاہر ہو گی۔ ہم نے یونیورسٹی عمارت کی ان سہولتوں کا کرایہ معلوم کیا تو بتایا گیا کہ یومیہ ۴ ڈالر فی کس برائے قیام اور ۸ ڈالر فی کس قیمت طعام، ہال جو استعمال ہوئے اور آڈیٹوریم وغیرہ کا کرایہ اس کے علاوہ تھا اور خاصا تھا۔

ٹپ کا رواج

امریکہ میں ٹپ یعنی کام کرنے والے کو انعام دینے کا بہت رواج ہے، اسکارٹ یا مقدار بھی مقرر ہے جس کا التزام کرنا پڑتا ہے۔ اس دستور سے زیادہ تر واسطہ یا کثر ہوٹلوں اور چائے و طعام خانوں میں پڑتا ہے۔

ہوٹلوں میں سامان اٹھانے یا رکھنے والے لڑکے کو ۲۵ سنٹ فی پیکٹ، دربان کو ٹیکسی بلانے پر ۵۰ سنٹ، ویٹر (بیرے) کو کھانا لانے پر کھانے کی قیمت کا ۱۵ فیصد جو کہ بل میں لکھ کر آتا ہے۔ چیمبر میڈ اپنے کمرہ کے حلقہ کی ذمہ دار کو فی دن ایک ڈالر، کوٹ چھتری یا بریف کیس کے عارضی طور پر رکھوالی کرنے والے کو فی قطعہ سامان ۲۵ سنٹ، سگریٹ لانے والے کو اس کی قیمت کا ۱۵ فیصد، بار برشاپ پر اجرت کے علاوہ۔ سینٹ

ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ کے علاوہ ۲۵ سنٹ یا کرایہ کا ۱۵ فیصد بطور ٹپ دینا ہوتا ہے۔

بچوّں کی رکھوالیاں

اسی طرح امریکہ میں بے بی سسٹر (بچوں کی رکھوالی کرنے والی) کا نظام بھی خاصا رائج ہے۔ ماں باپ اپنے کام کے اوقات میں یا عارضی طور پر کسی پروگرام پر جانے کی صورت میں اپنے بچے کو بے بی سسٹر کے حوالہ کر دیتے ہیں، وہ اس وقفہ میں بچے پر نگاہ رکھتی اور خیال کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی اجرت کم از کم ۱½ ڈالر فی گھنٹہ ہوتی ہے اور اس کے اصولوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کھانے کے اوقات میں اگر کام دیا گیا ہے تو بے بی سسٹر کے کھانے کا انتظام بھی آپ کے ذمہ ہوگا اور دیگر اوقات میں تفریحی ماکولات میں سے کسی نہ کسی چیز کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔

بعض لوگ کفایت کے خیال سے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں کہ مختلف اوقات میں ایک دوسرے کے لئے بے بی سسٹر بن جاتے ہیں اس میں ایک بڑا خرچ بچ جاتا ہے لیکن یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ دونوں کے کام یا پروگرام کے اوقات الگ الگ ہوں۔

ایم۔ ایس۔ اے کی انجمن

M.S.A. (ایم۔ ایس۔ اے) مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کا مخفف ہے۔ یہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا کے مسلمانوں کی انجمن ہے۔ شروع میں اس کو صرف طلباء کی انجمن کے طور پر قائم کیا گیا تھا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس کا قیام شیکاگو میں الی نوائے یونیورسٹی کے کیمپس میں ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا بعد میں اس انجمن نے اپنے کام میں وسعت پیدا کر لی

اور عام مسلمانوں کو بھی اپنا مخاطب اور ان کے مسائل و ضروریات کو اپنا موضوع بنایا۔ اسی بنیاد پر اس کے ارکان اور عہدہ داروں میں طلباء کے علاوہ دیگر لوگوں کی بھی خاصی تعداد ہے۔ اس کا سالانہ جلسہ تقریباً انہی تاریخوں میں ایک کانفرنس کی شکل میں منعقد ہوتا ہے جس میں انجمن کے انتخابات اور جماعتی مسائل کے ساتھ امریکہ و کناڈا کے مسلمانوں کے عام مسائل نیز ان کی ذہنی تربیت اور اسلامی معلومات کے لیے ضروری اجتماعات و مشورے ہوتے ہیں۔ اس کے لیے پورے عالم اسلام سے اہم شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا ہے تاکہ شرکائے کانفرنس ان کے علم و مطالعہ سے فائدہ اٹھائیں بخصوص مدعوین کی آمد و رفت نیز قیام کے مصارف انجمن برداشت کرتی ہے۔ عام شرکاء و ممبران کو تمام مصارف خود برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سالانہ فیس رکنیت بھی ادا کرنا ہوتی ہے اخراجات کے علاوہ فیس رکنیت فی کس دس ڈالر لی جاتی ہے۔ انجمن کا ایک صدر دفتر ہے جو اب تک انڈیانا پولس شہر میں تھا اب اس سے ۲۰۔۳۰ میل کے فاصلے پر پلین فیلڈ (PLAINFIELD) میں ایک وسیع رقبہ زمین خرید کر اس میں قائم کر دیا گیا ہے۔

ایم۔ ایس۔ اے کے عہدہ داران کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن کا سالانہ انتخاب ہوتا ہے۔ ان میں انجمن کا صدر، نائب صدر اور ہر زون (علاقہ) اور ریجن (حلقہ) کا صدر شامل ہیں۔ سال رواں کے لیے یعقوب مرزا صاحب صدر اور ناظر الدین صاحب نائب صدر منتخب ہوئے ہیں۔ دوسری قسم ان عہدہ داروں کی ہے جن کے سپرد انتظامی ذمہ داریاں ہیں۔ ان کا انتخاب نہیں ہوتا بلکہ تقرر کیے جاتے ہیں اور با تنخواہ ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اپنی انتظامی صلاحیتوں کی بنا پر مقرر کیے جاتے ہیں اس لیے ان میں تبدیلی جلدی جلدی نہیں ہوتی۔ اس وقت ان لوگوں میں حسب ذیل حضرات ہیں۔

جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمود رشدان، ڈائرکٹر امورِ انتظامی ڈاکٹر اقبال یونس، ڈائرکٹر برائے تربیت ڈاکٹر ہشام الطالب، ڈائرکٹر مالیات ڈاکٹر منذر قحف، ڈائرکٹر تعلیمات، نشر و اشاعت اور اطلاعات ڈاکٹر التیجانی ابو جدیری اور انیس احمد صاحب یہ اس کے اہم شعبے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے درجہ کے شعبے بھی متعدد ہیں۔ سب ملا کر تقریباً ۲۱ شعبے ہوتے ہیں۔ ان سب کا تعلق صدر دفتر سے ہے اور ان سب کا نگرانِ اعلیٰ سکریٹری جنرل ہوتا ہے۔

ایم۔ ایس۔ اے کے کل شمالی امریکہ میں اس وقت چار ہزار ممبر ہیں۔ اور اس کا سال گذشتہ کا بجٹ ۵ لاکھ ڈالر کے لگ بھگ رہا ہے۔ جو ممبروں کی فیسوں اور امدادی رقوم سے بنا ہے۔

ایم۔ ایس۔ اے کی کارکردگی میں اہم امور امریکی مسلمانوں کی اسلامی ضروریات کی فکر اور ان کو حسبِ ضرورت اسلامی معلومات بہم پہونچانا، ان کی دینی تربیت کا انتظام کرنا، ان کے بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کی تدابیر اختیار کرنا اور ان کے لئے حسبِ استطاعت اور حسبِ موقع مختلف علمی موضوعات پر سیمینار رکھنا، امریکہ سے باہر کے اہم مسلم فضلاء جو امریکہ آئیں ان کے کچھ وقت کو مختلف حصوں کے مسلمانوں کے فائدے کے لئے صرف کرانے کا نظم کرنا، بلالی مسلمانوں[1] (BLACK MUSLIMS) سے ربط قائم کرنا اور ان کو اسلام کی تعلیمات سے زیادہ سے زیادہ روشناس کرانے کی فکر کرنا ہے۔

---

[1] امریکہ کے سیاہ فام مسلمان جو افریقی نسل کے ہیں اپنے کو بلالی مسلمان کہلانا پسند کرتے ہیں۔ اس لئے ہم بھی ان کو اسی نام سے یاد کریں گے۔

ایم۔ ایس۔ اے کے صدر دفتر کے علاوہ امریکہ و کناڈا کے مختلف شہروں اور علاقوں میں انجمن کی شاخیں ہیں جن کو چیپٹر (CHAPTER) کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر چیپٹر کا صدر اور سکریٹری ہوتا ہے۔ یہ چیپٹر اس وقت ۲۰۰ کی تعداد تک پہونچ چکے ہیں۔ انکو سہولت کی غرض سے متعدد علاقوں (زون) اور پھر مختلف حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک مشرقی زون ہے جس میں ساری ریاستہائے متحدہ امریکہ کا مشرقی علاقہ (نیو انگلینڈ) اور اسکے ارد گرد کے شہر ہیں۔ یہ پانچ حلقوں میں تقسیم ہے۔ دوسرا وسطی زون ہے یعنی شکاگو، انڈیانا پولس اور اس کے ارد گرد کے شہر و مقامات ہیں اور اس میں بھی پانچ حلقے ہیں۔ تیسرا مغربی زون ہے جس میں لاس انجلس (LOS ANGELES) سان فرانسسکو (SAN FRANCISCO) سے سالٹ لیک سٹی (SALT LAKE CITY) تک کا سارا علاقہ ہے۔ اس میں ۵ حلقے ہیں۔ چوتھا زون کناڈا ہے جس میں تین حلقے ہیں اور پانچواں ریاستہائے متحدہ کا جنوبی علاقہ ہے۔

انجمن کے سالِ رواں کے صدر مسٹر یعقوب مرزا نے خود بھی کناڈا میں ابھی اسی سال میتھمیٹکس میں پی۔ ایچ۔ ڈی ریسرچ پوری کی ہے۔ یہ شہر گجرات (پنجاب) کے باشندے اور پاکستانی شہری ہیں۔ نائب صدر مسٹر ناظر الدین علی حیدر آباد ہندوستان کے باشندے ہیں اور شکاگو میں کئی سال سے انجینئر ہیں۔ جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمود رشدان اردنی ہیں۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے بعد سے ایم۔ ایس۔ اے ہی کو سارا وقت دے رہے ہیں۔ گذشتہ سال سے قبل انجمن کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔

ایم۔ ایس۔ اے کو اول اول قائم کرنے والوں میں ڈاکٹر احمد صقر، ڈاکٹر احمد توتونجی کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے۔ ان میں سے اول الذکر شکاگو یونیورسٹی

کے استاد، رابطہ عالم اسلامی کے متحدہ اقوام کے دفتر واقع نیویارک کے ڈائریکٹر ہیں اور ثانی الذکر ریاض یونیورسٹی کے استاد ہیں۔ آجکل ایم۔ ایس۔ اے۔ کے فعّال لوگوں میں ڈاکٹر محمود رشدان، مسٹر جمال برزنجی، البیجانی، ابو جدیری، ہشام الطالب کے نام خاص طور پر لیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس انجمن کے مختلف اہم عہدے ہیں اور انجمن میں ان کی اہمیت زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ انکے علاوہ انیس احمد صاحب، اور منذر قحف بھی صدر دفتر میں اہم منصبوں پر فائز ہیں۔ انیس احمد صاحب بڑے فعال اور کارگزار آدمی ہیں۔ یہ پروفیسر خورشید احمد صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں جو جماعت اسلامی پاکستان کے لائق اور سرگرم ارکان میں اور اسلامی موضوعات پر انگریزی میں اچھے لکھنے والوں میں سے ہیں۔ آجکل انگلستان میں ہیں وہاں انہوں نے اسلامی مرکز قائم کیا ہے جس کے وہ صدر ہیں۔ ان کا خاندان اصلاً دہلی کا ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔ دونوں بھائی بڑے شائستہ، خلیق اور شرفاء دہلی کی اچھی روایات و خصوصیات کے حامل ہیں۔

ایم۔ ایس۔ اے کے علاوہ بعض دیگر اہم انجمنیں

امریکہ میں ایم۔ ایس۔ اے کے علاوہ آل امریکہ بنیاد پر صرف دو تین انجمنیں ہیں۔ ان میں ایک ایف۔ آئی۔ اے یعنی فاؤنڈیشن آف اسلامک ایسوسی ایشن (FOUNDATION OF ISLAMIC ASSOSIATION) ہے۔ یہ عربوں کی بنائی مخصوص ہے اور قدرے ترقی پسند بھی ہے۔ داؤد اسعد فلسطینی اس کے صدر ہیں۔

داؤد اسعد رابطہ کے نیویارک دفتر کے سیاسی شعبہ کے چیرمین بھی ہیں۔ اس کے علاوہ کالے اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کی بھی ایک کل امریکہ انجمن ہے جو اسلامک پارٹی آف امریکہ (ISLAMIC PARTY OF AMERICA) کے نام سے موسوم ہے اس کا صدر دفتر امریکی دارالسلطنت واشنگٹن ڈی سی میں واقع ہے اور ڈاکٹر مظفر الدین اس کے صدر ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے نیویارک کے دفتر نے بھی اب پورے امریکہ و کناڈا کو اپنے کام کا میدان بنا لیا ہے۔ اس طرح یہ دفتر بھی کل امریکہ انجمن کی فہرست میں آتا ہے

کل امریکہ تحریک کے اعتبار سے بلالی مسلمانوں کی انجمن بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے اس کا نام دی ورلڈ کمیونٹی آف دی مسلمس ان دی ویسٹ (THE WORLD COMMUNTY OF THE MUSLIMS IN THE WEST) ہے۔ اور اس کے موجودہ سربراہ وارث الدین محمد ہیں جو کہ الیجا محمد کے دوسرے بیٹے ہیں۔ ان کو صحیح العقیدہ کالے مسلمانوں نے بھی صحیح العقیدہ تسلیم نہیں کیا ہے اور ان کے بعض طور و طریق ابھی شبہ میں ڈالتے ہیں ورنہ ان کا دعویٰ اب دیگر مسلمانوں کی طرح مسلمان ہونے کا ہے۔ ان مسلمانوں کی ابتدا الیجاہ محمد کے دعویٰ اور پیغام سے شروع ہوئی۔ ان کا مرکز شیکاگو ہے تفصیل انشاء اللہ شیکاگو کے تذکرہ کے ساتھ عرض کی جائے گی۔

ان کل امریکہ جماعتوں میں بلالی مسلمانوں کو چھوڑ کر سب سے وسیع اور مضبوط جماعت ایم۔ ایس۔ اے ہی ہے۔ اس کے پاس کام بھی بہت وسیع ہے اور وسائل بھی خاصے ہیں۔ مقامی یا محدود نوعیت کی جماعتیں بھی امریکہ میں بہت ہیں۔ ان کی ایک عام تعداد ستر سے زیادہ بتائی جاتی ہے ان میں سے بعض قومی دائرہ کی ہیں مثلاً ترکی، البانی، مصری، ہندوستانی، پاکستانی اور بعض مقامی نوعیت کی ہیں مثلاً صرف

نیویارک تک یا شیکاگو تک محدود ہیں بعض نے اپنے کو شہروں تک اور بعض نے
ریاستوں تک محدود کر رکھا ہے۔ ان میں قابل ذکر ایک سی سی آئی ایم کنسلٹیٹیو
کونسل آف انڈین مسلمس ـــ (CONSULTATIVE COUNSIL OF INDIAN
MOSLIMS) ـــ ہے اس کا میدان عمل ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اور معاملات
ہیں بکام تعمیری نگرا اس کے کارکنوں کا سالانہ جلسہ ہوتا ہے اور وہ ہندوستانی مسلمانوں کے فائدہ
کے کام سوچنے اور کرنے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل پر
اس انجمن کے بعض فاضل ارکان کا تحقیقی کام بھی ہے۔ اس کے موجودہ صدر مجیب
قادری صاحب ہیں اور اس کے اہم لوگوں میں ڈاکٹر عبدالسلام انصاری ہیں جن کا
تذکرہ شیکاگو کے حالات کے ضمن میں آئے گا۔ ایک دوسرے کارکن ڈاکٹر زین العابدین ہیں جو
علی گڑھ یونیورسٹی میں لکچرر رہ چکے ہیں اور وہاں اسلامک سرکل کے فعال رکن ہیں۔
اسی طرح ایک انجمن ایم۔ سی۔ سی مسلم کمیونٹی سنٹر (MUSLIM COMMUNITY CENTER)
ہے جو شیکاگو شہر میں تعلیمی، فکری اور تربیتی کام کرتی ہے۔ اس کا ایک اچھا مرکز ہے۔
جس میں جدید مسلمان نسل کے لئے ضمنی طور پر تعلیم و تربیت کا نظم ہے نیز مذاکروں
اور اجتماعات کے ذریعہ مسلم ذہن کی تربیت کا اچھا کام ہو رہا ہے۔ شیکاگو میں چونکہ
مسلمان ۹۰ ہزار کی تعداد میں رہتے ہیں اور یہاں مسلمانوں میں اجتماعی شعور خاصا
منظم ہے چنانچہ وہ چاہتے ہیں کہ کم از کم اس شہر میں وہ مسلم معاشرہ کی ایک اچھی شکل قائم
کرسکیں جو پورے امریکہ کے لئے تربیت و اصلاح کی بنیاد بن سکے۔ ان کا کام دیکھ کر
اچھی امید قائم ہوتی ہے اس کے موجودہ صدر ڈاکٹر عتیق الرحمن ہیں جو بہار سے
پاکستان پھر امریکہ منتقل ہوئے ہیں۔ اس کے موجودہ سکریٹری حیدرآباد کے سید

عظمت اللہ قادری ہیں جو اب امریکی شہری ہیں۔ یہ دونوں شیکاگو میں بحیثیت انجینئر
ملازم ہیں۔

امریکہ میں مسلمانوں نے علمی بنیادوں پر بھی متعدد انجمنیں قائم کی ہیں جیسے
اسلامک کوآرڈینیٹنگ کونسل آف امریکہ ـــ (ISLAMIC COORDINATING
COUNCIL OF AMERICA) ـ اسلامک ٹیچنگ سینٹر ـ (ISLAMIC TEACHING
CENTER) ـ اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (ISLAMIC MEDICAL ASSO-
CIATION OF MUSLIMS) ـ ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنس (ASSOCI-
ATION OF MUSLIM SOCIAL SCIENCES) ـ ایسوسی ایشن آف مسلم انجینیرس اینڈ
سائنٹسٹس (ASSOCIATION OF MUSLIM SCIENTISTS AND ENGINEE-
RS) ـ نیشنل اسلامک ٹرسٹ (NATIONAL ISLAMIC TRUST) اور حلقۂ
اسلامی۔ یہ سب انجمنیں اپنے اپنے مخصوص میدانوں میں اسلامی ذہن و تخیل کو بنیاد بنا کر
کام کر رہی ہیں۔ ہر سال ان کے عہدہ داروں کا نیا انتخاب ہوتا ہے۔ ان مذکورہ بالا
علمی انجمنوں میں سے بیشتر کے ذمہ دار ایم۔ ایس۔ اے کے ممبر اور ذمہ دار ہیں جو بیک
وقت کئی کئی میدانوں میں کام کر رہے ہیں۔

یہ مذکورہ بالا انجمنیں اور ان کے کام کرنے والے عام طور پر تعلیم یافتہ لوگ ہیں
اور یہ اسلام کے فکری پہلو سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور عام طور پر اس دائرہ کے
مصنفین و مفکرین سے فکری تلمذ و استفادہ کا تعلق رکھتے ہیں مثلاً سید قطب شہیدؒ،
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ، خال خال مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی
انہی میں ہیں۔ کناڈا میں بھی ایم۔ ایس۔ اے کی شاخوں کے علاوہ بہت سی انجمنیں ہیں

جن کا طرز بالکل وہی ہے جو ریاستہائے متحدہ امریکہ کا ہے۔ بعض پورے کناڈا سے تعلق رکھتی ہیں جیسے کناڈین مسلم ایسوسی ایشن (CANADIN MUSLIM — ASSOCIATION) اور اسلامک فاؤنڈیشن (ISLAMIC FOUNDATION) وغیرہ اور دیگر محدود اور مقامی حیثیت کی مالک ہیں۔ یوں دراصل کناڈا امریکہ ہی کا ضمیمہ ہے اور ایسے تمام معاملات میں امریکہ ہی کی وہ مدد حاصل کرتا ہے۔

امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد

امریکہ میں مسلمانوں کی انجمنوں کے تذکرہ کے ساتھ وہاں مسلمانوں کی موجودہ تعداد کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس تعداد کے بارے میں مختلف بیانات و اندازے ہیں۔ پندرہ بیس سال قبل یہ تعداد بعض ذمہ دارانہ اندازوں کے مطابق ۲ لاکھ بتائی گئی تھی۔ اس کے بعد اس تعداد میں باہر کے لوگوں کی روز افزوں آمد سے تیزی سے اضافہ ہوا اور یہ اضافہ برابر جاری ہے۔ ۱۹۶۵ء سے قبل یہاں مشرقی لوگوں کے داخلہ پر پابندی سخت تھی۔ ۱۹۶۵ء میں جانسن کے عہدۂ صدارت میں ایمیگریشن (IMMIGRATION) کا قانون بنا جب سے مشرقیوں کی آمد یہاں بڑھنا شروع ہوئی اور بہت تیز اضافہ ہوا۔

مسلسل بارہ سال یہ اضافہ جاری رہنے کے بعد اب وہاں مقیم مسلمان جو اندازہ بتاتے ہیں اس کے مطابق یہ تعداد تقریباً ۳۰ لاکھ ہوگئی ہے جن میں امریکہ کے ۳ کروڑ کالے باشندوں میں سے ۱۵ - ۲۰ لاکھ کے قریب کالے مسلمان شامل ہیں۔

یوں امریکہ کے متعلق امریکہ کی تازہ ڈائرکٹری میں مسلمان امریکی شہریوں کی سال گزشتہ کی تعداد ۲۴۲۱۰۰ درج کی گئی ہے جس میں وہ تعداد شامل نہیں ہے جو ایمیگریشن یا عارضی طور پر امریکہ میں مقیم لوگوں پر مشتمل ہے اور جو خاصی ہے جنوبی امریکہ کی مسلم آبادی اسی ڈائرکٹری میں ۲ لاکھ سے کچھ کم دکھائی گئی۔ ہندو آبادی شمالی امریکہ میں صرف ۷۵ ہزار اور بدھ آبادی ۱½ لاکھ دکھائی گئی ہے۔

ایم۔ایس۔اے کی کانفرنس

ایم۔ایس۔اے کی حالیہ سالانہ کانفرنس اس کا چودھواں سالانہ کنونشن ہے اس کے مختلف کاموں کے سلسلہ میں مختلف شعبے اور ان کے ذمہ دار مقرر کئے گئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) رجسٹریشن (REGISTRATION) (۲) انفارمیشن (INFORMATION) اطلاعات (۳) ریسپشن (RECEPTION) (۴) پبلیسٹی (PUBLICITY) (۵) ٹرانسپورٹیشن (TRANSPORTATION) (۶) نماز (PRAYER) (۷) کھانا (MESS) (۸) رضاکار (VOLUNTEERS) (۹) بازار (دوکانیں) (۱۰) فرسٹ ایڈ (FIRST AID) طبی امداد (۱۱) یوتھ اینڈ چلڈرن پروگرام (YOUTH AND CHILDREN PROGRAMME) بچوں کے پروگرام (۱۲) بے بی سٹنگ (BABY SITTING) بچوں کا نظم (۱۳) پبلک ریلیشنس (PUBLIC RELATIONS) تعلقات عامہ (۱۴) اوورسیز گیسٹ (OVERSEAS GUEST) غیر ملکی مہمان۔

ہر شعبہ کا اصل ذمہ دار ایک ایک شخص اور غیر ملکی مہمانوں کے لیے حسب ذیل تین آدمی مقرر ہوئے۔ صدر یعقوب مرزا صاحب، انیس احمد صاحب —— اور ہشام الطالب صاحب۔ کانفرنس کے بڑے عہدہ دار حسب ذیل مقرر ہوئے:۔

عمومی صدر، ناظر الدین علی صاحب، نائب صدر ایم۔ ایس۔ اے، پروگرام ڈائریکٹر طلعت سلطان صاحب، کنونشن کمیٹی اقبال یونس صاحب، عصام اسمٰعیل صاحب، خالد حاذق صاحب۔ پروگرام کمیٹی انیس احمد صاحب، التیجانی ابو جدیری صاحب، محمود رشدان صاحب، الیاس بایونس صاحب۔

چار روزہ پروگرام

ایم۔ ایس۔ اے کی یہ کانفرنس چار روزہ اجتماع تھا جو جمعہ سے شروع ہو کر دوشنبہ تک جاری رہا۔ ان دنوں امریکہ میں چار روزہ تعطیلات ہوتی ہیں۔ دو روز سنیچر اتوار تو ہفتہ واری تعطیل ہے جمعہ اور دوشنبہ غیر ہفتہ واری تعطیل پڑتی ہے اس لئے یہ دن کانفرنس کے لئے تجویز ہوئے۔ نماز جمعہ سے قبل ارکان اور مندوبین کے ناموں کا اندراج اور قیامگاہوں کی تعیین کا کام انجام پایا۔ جمعہ کی نماز یونیورسٹی کے ہال میں تھی۔ ہم لوگ غسل و تیاری کے بعد ہال میں آگئے۔ خورشید احمد صاحب اسلامی مرکز لندن نے انگریزی میں ایک فکر انگیز خطبہ دیا۔ شروع اور آخر میں خطبہ کی عربی عبارتیں بھی پڑھیں اس کے بعد نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد افتتاحی اجلاس ہوا جس میں صدر انجمن یعقوب مرزا صاحب نے استقبال کیا اور مخصوص مہمانوں کا تعارف کرایا۔ اس اجلاس کی صدارت ناظر الدین علی صاحب نے کی۔ اس کے بعد عصر تک دو

نشستیں ہوئیں جن میں اجلاس کے مرکزی موضوع "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" کے بارے میں بعض اہم مہمانوں نے روشنی ڈالی۔ عصر کے بعد کھانا تھا جس میں ہم لوگ شریک نہیں ہوئے کیونکہ اس قدر جلد شام کے کھانے کے لیے ہم نووارد لوگ تیار نہ تھے۔ ہم لوگ چونکہ اسکے برعکس عموماً عشاء بعد کھانا کھانے کے عادی رہے ہیں اس لیے قبل مغرب بلکہ بوقت عصر کھانا کھانا عجیب سا کام معلوم ہوا۔

امریکہ میں کھانے کے اوقات

امریکہ میں کھانے کے اوقات گھڑیوں سے مقرر ہیں پورا ملک ان اوقات میں کھانا کھاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سب بغیر بھوک کے کھانا نہ کھاتے ہوں گے لیکن یہ تعجب ضرور ہوتا رہا کہ دوپہر کا کھانا ۱۲۔۱ بجے کے درمیان ہونے کے بعد شام کا کھانا ۵۔۶ کے درمیان کیسے مناسب ہو سکتا ہے لیکن امریکہ کے اصل باشندے اور مشرق سے گئے ہوئے لوگ سب انہی اوقات کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ غالباً ان کی دفتری زندگی سے یہی سازگار ہے اس لیے کہ ۱۲۔۱ بجے کے درمیان انکا لنچ ہلکا ہوتا ہے جو کہ وہ اپنے دفتروں اور کارخانوں سے آدھے گھنٹے کا وقفہ ملنے پر قریب کے کیفے یا ہوٹل سے لے کر کھا لیتے ہیں پھر جب پانچ بجے دفتر سے گھروں کو واپس ہوتے ہیں تو اسی وقت کھانا کھا کر فارغ ہو جاتے ہیں —— امریکیوں کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ عموماً اسی وقت سے رات بھی شروع کر دیتے ہیں اگرچہ موسم گرما میں سورج اس کے ڈھائی تین گھنٹوں کے بعد ڈوبتا ہے —— البتہ شوقین لوگ اس کے بعد کئی گھنٹے ٹیلی ویژن، سینما یا تھیٹر کو نذر کرتے ہیں اور کچھ

ڈیوٹی ہونے سے قبل ایک ہلکا کھانا شوربہ بھی لیتے ہیں۔

امریکہ میں کارکردگی کے اوقات اور اسکی مشغولیت و انہماک

امریکہ میں دفتروں اور کارخانوں میں کارکردگی کی مقدار آٹھ گھنٹے کی روزانہ ہوتی ہے جو صبح آٹھ بجے سے شروع ہوتی ہے اور شام کو ۴½ بجے ختم ہوتی ہے۔ درمیان میں ۱۲ سے ۱۲½ تک لنچ کے لئے وقفہ ہوتا ہے جس کی تنخواہ نہیں لگتی۔ البتہ دس بجے اور ۲½ بجے ۱۵-۱۵ منٹ کے دو وقفے ہوتے ہیں۔ یہ تنخواہ کے دائرے میں آتے ہیں۔ اور چونکہ اکثر و بیشتر آدمی پرائیوٹ کارخانوں اور کمپنیوں کے ملازم ہوتے ہیں اس لئے کارکردگی کی خاصی نگرانی ہوتی ہے آدمی کو روزآنہ کے آٹھ گھنٹے پوری تن دہی کے ساتھ کام کرنا ہوتا ہے ورنہ ایک یا دو نوٹس کے بعد ملازمت ختم کردی جاتی ہے کیونکہ وہاں پرمانینٹ PERMANENT (مستقل ملازمت) نہیں ہوتی۔ ایک پاکستانی دوست بتانے لگے کہ اس کی وجہ سے یہاں کارکردگی کا یہ حال ہے کہ ایسے مشرقی لوگ جو اپنے ملکوں میں دن میں صرف دو ایک گھنٹوں سے زیادہ مصروف نہیں رہتے ہوں گے یہاں آٹھ گھنٹے روزآنہ تن دہی سے کام کرتے ہیں کیونکہ کام میں سستی کرنے پر کوئی مروّت نہیں برتی جاتی۔ حاضری کمپیوٹر سے چیک ہوتی ہے۔ ہر شخص کو دفتر یا کارخانے میں آنے پر اپنا کارڈ کمپیوٹر کے اندر ڈالنا پڑتا ہے وہ حاضری مع وقت کے درج کردیتا ہے اور پھر روزانہ اس کی حاضری کے فرق کو نوٹ کرتا رہتا ہے جو اس کی تنخواہ سے دیر حاضری کے حساب میں وضع کرلیا جاتا ہے۔ البتہ گورنمنٹ ملازمت میں نسبتاً نرمی کا معاملہ ہے

لیکن ایسا نہیں کہ آدمی ہندو پاک و عرب کے ملازمین کی طرح اپنی پسند کے مطابق مصروفیت رکھے۔ یہی وہ نظم و سختی ہے جس کی وجہ سے کام کے اوقات میں سب انہماک سے مصروف رہتے ہیں اور فرصت ملنے پر اس کا تکان آرام و لطف حاصل کرکے اتارتے ہیں۔ لہٰذا سنیچر و اتوار کی ہفتہ وار چھٹیوں کو وہ صرف لطف و راحت حاصل کرنے میں صَرف کرتے ہیں۔ ایسی لگی بندھی زندگی کے جو دنیاوی فوائد ہیں وہ امریکہ کے تمدن میں پوری طرح موجود ہیں لیکن اجتماعی اخلاقیات اور مذہبی تقاضوں کے لئے اس میں گنجائش باقی نہیں۔ عیسائیوں کے لئے تو یہ کافی ہے کہ ان میں جو دیندار ہیں وہ صرف اتوار کو گرجا میں حاضری دے آئیں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے پاک صاف ہوجائیں لیکن مسلمانوں کے لئے اگر وہ دیندار ہیں تو اپنے معاشرتی اجتماعی اور مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے میں ہمّت و اہتمام سے کام لینا پڑتا ہے۔ اسی لئے وہاں کا آدمی ضیافت تو بآسانی کرسکتا ہے اس لئے کہ اس کی یافت اس کی ضرورت کے مطابق ہے لیکن وقت نہیں دے سکتا چنانچہ ضروری کام سب اتوار کے لئے مؤخر کئے جاتے ہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں روزانہ ساڑھے آٹھ گھنٹے اپنے آفس میں اور دونوں وقت تقریباً ایک ایک گھنٹہ جانے آنے میں صرف کرنے کے بعد ہم کسی کام کے قابل نہیں رہ جاتے۔ امریکہ میں بعض جگہ جدّت پسندوں نے تو جمعہ کی نماز بھی اتوار کو کر رکھی ہے کہ اس کام کے لئے بھی اتوار ہی میں وقت ملتا ہے اور عصر کی نماز ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا تو عام رواج ہوگیا ہے کہ عصر کا وقت خالی نہیں ملتا۔

معیارِ زندگی کی مصیبت اور اس پر پورا اترنے کی کوشش

امریکی زندگی میں آمدنی و مصارف کا ایسا تناسب ہے کہ عام طور پر مرد و عورت دونوں کو کمانا پڑتا ہے تب وہ معیار قائم رہتا ہے جو معاشرہ کے ڈر سے مقرر کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں ایک ساتھ نکلتے ہیں اور بیک وقت مشغولیت میں وقت گذارتے ہیں۔ ایسی صورت میں بچوں کی تربیت دن میں اسکولوں کے ذریعہ ہوتی ہے اور شام کو ٹیلی ویژن ہے جو کہ پورے گھر کے لئے تھکن دور کرنے اور تفریح کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی زندگی میں سب سے اہم مسئلہ اولاد کی تربیت کا بن گیا ہے کہ وہ ماں باپ کی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ ٹیلی ویژن اور محلہ کے ہم عمر بچوں کے مذاق کے مطابق تربیت پاتے ہیں۔ اور غیر شعوری طور پر وہ تمام باتیں سیکھ لیتے ہیں جو ان کے ماں باپ بھی اُن کے لئے مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ مسئلہ بھی دراصل مشرقی لوگوں کے لئے ہے ورنہ امریکی ذہن تو اس میں ڈھل چکا ہے۔ اس کے نزدیک یہی بات ٹھیک ہے جو معاشرے میں قبول کر لی جائے۔ چنانچہ ان کو اپنی اولاد سے بھی قانونی سا تعلق رکھنا ہوتا ہے وہ ان کو ان کی پسند سے مختلف بات پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اور اولاد بھی یہ سمجھتی ہے کہ ہمارا ان کا تعلق صرف نگرانی اور کفالت کا ہے جیسے ہی وہ اس مسئلہ میں مستغنی ہوتے ہیں ماں باپ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ماں باپ بھی خواہشمند ہوتے ہیں کہ ان کے لڑکے پھر نہ کچھ آمدنی اور کمائی کی فکر شروع کر دیں چنانچہ بعض وقت چھوٹے بچوں کو ان کے خالی اوقات میں کچھ نہ سہی تو اخبار فروخت کرنے پر لگا دیا جاتا ہے کہ اسی سے آمدنی ہو۔ اور تعطیل گرما میں تو پورے یورپ

امریکہ میں ایک ہوا چل جاتی ہے کہ طلبا دو ماہ کے لئے کہیں نہ کہیں نوکری کریں جو تلاش کرنے سے مل ہی جاتی ہے۔ کچھ نہ سہی تو ہوٹلوں میں کھانا کھلانے، برتن دھونے یا کارخانوں اور فرموں میں چوکیداری کرنے کی نوکری نسبتاً آسانی سے مل جاتی ہے۔ امریکہ میں رہ کر کسی طرح کے کام میں جس میں آمدنی ہو، عار نہیں سمجھا جاتا، اس لئے کہ مغربی دنیا کا ذہن یہ ہے کہ اگر وسائل زندگی حاصل ہیں تو عزت ہے ورنہ نہیں، اور وسائل زندگی کمانے اور روزگار کرنے ہی سے حاصل ہوتے ہیں اس لئے رقم کے حصول کی فکر بنیادی اور اصلی فکر ہے اور زندگی کے لئے یہی وہ مضبوط قدر ہے جس کے مقابلہ میں ہر دوسری قدر ثانوی درجہ رکھتی ہے۔ ہمارے مشرقی ممالک سے جو طلبا امریکہ یا یورپ کے کسی ملک میں پہونچتے ہیں ان کو بھی عموماً یہی طرز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ تعطیلات کے زمانہ میں ہوٹلوں کے اندر کام ملنا دیگر کاموں کے مقابلے میں زیادہ آسان ہوتا ہے۔

امریکی مزاج میں رواداری اور ظاہری خوش اخلاقی

ہم لوگوں کی قیام گاہ یونین میموریل بلڈنگ میں تھی۔ یہ ایک وسیع ہوٹل ہے اور ایک طرح یونیورسٹی کا جزو ہے اور اسی کے خلاتے میں ہے۔ اردگرد یونیورسٹی کی دوسری عمارتیں بھی ہیں۔ یونیورسٹی اس چھوٹے سے شہر کا سب سے بڑا اور اہم جزو ہے، بلکہ یہ گویا یونیورسٹی شہر ہے۔ بلومنگٹن یونیورسٹی میں عرب اور مسلمان طلبا کی تعداد بھی اچھی ہے عربوں کی تقریباً تین سو اور بقیہ مسلمانوں کی ڈیڑھ سو ہوگی۔ اس کو کانفرنس کا مرکز بنانے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔ شہر شائستہ اور سلیقہ کا معلوم ہوا

اس کا طرز اسی سائز کے دیگر امریکی قصبات اور شہروں کی طرح ہے۔ امریکی زندگی کی بے تکلفی اور امریکی تمدن کی سطح ایک ہی جیسی ہے امریکی لوگ چونکہ بعض دوسری قوموں کی طرح احساس برتری کے کچھ زیادہ مریض نہیں ہیں اس لئے وہ بآسانی بے تکلف ہوجاتے ہیں، تمدنی آداب برتتے ہیں اور اسی طرح کے آداب قبول بھی کرتے ہیں اس لئے آدمی کو ان سے بے اعتنائی کا شکوہ نہیں ہوتا۔ امریکیوں کے اس رویے میں غالباً دو باتوں کو زیادہ دخل ہے ایک تو یہ کہ یہ تاجر اور کاروباری قوم ہے۔ تاجر کو اپنے گاہکوں کو مانوس کرنا پڑتا ہے اور وہ استغنا اور خالی رکھ رکھاؤ کے رویہ کو اختیار نہیں کرسکتا۔ دوسرے یہ کہ امریکی قوم صرف ایک قوم نہیں ہے بلکہ وہ متعدد و مختلف الطبائع قوموں سے مل کر بنی ہے اس میں ایک طرف انگلستان کی نسل کے لوگ ہیں تو دوسری طرف یورپ کے دیگر ملکوں کے لوگ بھی ہیں مثلاً فرانس، اٹلی، اسپین وغیرہ۔ تیسری طرف اس میں افریقی نسلوں کی بھی ایک خاصی تعداد ہے اور ان ہی کے ساتھ میکسیکو کے بھی جو کہ اس کی جنوبی سرحد سے ملا ہوا ہے بکثرت باشندے یہاں آکر بسے ہیں اور اصل آبادی میں مل جل گئے ہیں۔ اگر یہاں کے لوگوں میں استغنا اور بے توجہی بڑھی ہوئی ہوتی تو ان سب کا اتحاد قائم نہیں ہوسکتا تھا اسی لئے یہاں کی اندرونی سیاست اور اجتماعی زندگی میں پوری جمہوریت اور بے تکلفی ہے۔ دستور میں رہتے ہوئے جس کا جو جی چاہے کرے بس دوسرے کو اپنے رویہ سے ایذاء نہ پہونچائے۔ اگر کسی شخص کے رویہ سے دوسرے شخص کو اذیت پہونچتی ہے یا کوئی شخص دوسرے شخص کے کسی مذہبی معاملہ پر اعتراض کرتا ہے تو وہ قانونی طور پر قابل گرفت قرار پائے گا۔ نتیجۃً امریکی قوم میں ظاہری خوش اخلاقی کا ایک مزاج بن گیا ہے۔ کسی سے مخاطب ہویئے

وہ اچھی طرح سنے گا اور اس کے کرنے کا کام ہوگا تو کردے گا ورنہ مناسب طریقہ پر معذرت کردے گا۔ ملاقات پر ملاقات کے تہذیبی کلمات کہے گا آپ کہیں تو مناسب جواب دے گا، موقع موقع پر تفریحی انداز بھی اختیار کرے گا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خود خوش رہو دوسرے کو بھی خوش رہنے دو۔ ایک ریلوے اسٹیشن کے اعلانات کے دفتر سے اعلان کرنے والا اعلان کے بعد کبھی کبھی کوئی مزاحی یا تفریحی لفظ بھی کہہ دیتا تھا تاکہ لوگ بے لطف کام سے اکتائیں نہیں۔ ہمارے مشرق میں اس کے برعکس خشکی بلکہ بے وجہ کی خشکی اور بے اعتنائی سے سابقہ پڑتا ہے۔

کانفرنس میں دیگر اہم بیرونی مہمان

کانفرنس میں باہر سے بلائے ہوئے مہمانوں کو علی العموم اسی یونین میموریل بلڈنگ میں ٹھیرایا گیا تھا۔ ہم لوگوں کا قیام دوسری منزل پر تھا۔ ہماری ہی منزل پر کئی دیگر اہم شخصیات ٹھیرائی گئی تھیں بعض کو تیسری منزل میں جگہ ملی تھی۔ قابل ذکر شخصیات میں جو کانفرنس میں مدعو تھیں ڈاکٹر شیخ یوسف القرضاوی، صدر شریعت ڈپارٹمنٹ قطر یونیورسٹی، ڈاکٹر عبداللہ ترکی وائس چانسلر امام محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض، ڈاکٹر محمد المبارک صدر شعبہ شریعہ، ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ، شیخ عبداللہ صیلفیح مدیر شعبہ توعیۃ اسلامیہ وزارۃ التعلیم العالی ریاض، شیخ محمد العبودی سکریٹری جنرل مجلس دعوت اسلامی ریاض، شیخ منیعی نائب صدر دارالافتاء والبحوث الاسلامیہ ریاض اور دیگر متعدد اہل علم تھے۔

کھانا کھانے کا نظام

کھانے کے لئے کانفرنس کے دوران کے تمام اوقات کے لئے مہمانوں کو ٹکٹ دیدئے گئے تھے جن کے ذریعہ یونیورسٹی میں جاکر کھانا خود لے کر کھانا پڑتا تھا اس کا طریقہ یہ تھا کہ کھانے کے مقررہ اوقات میں ایک قطار سے کھانے کی مختلف میزوں کے سامنے سے گذرنا ہوتا تھا اور ہر شخص اپنے ہاتھ سے یا وہاں موجود کام کرنے والے (HOSTESS) میزبان کی مدد سے ایک ایک میز سے اپنا حصہ لے کر اپنے ٹرے میں رکھتا جاتا تھا اور آگے کے ہال میں جہاں بیسوں میزیں متعدد کرسیوں کے ساتھ لگی ہوئی تھیں کسی اپنی پسند کی جگہ پر بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد مستعمل برتنوں کا ٹرے وہیں ایک پہلو پر ایک چلتی ہوئی پٹری پر رکھ دیتا تھا۔ وہ پٹری اس کو لئے ہوئے آگے بڑھ جاتی تھی۔ کھانے میں عموماً تلی یا بھنی ہوئی بغیر مسالے کی چیزیں ہوتی تھیں، جن میں مچھلی، آلو، گوشت، بند کی شکل کی روٹی، اور سلاد، دہی وغیرہ ہوتا تھا۔ پانی کی جگہ کوکا کولا یا کسی سوڈا واٹر کا ٹین ہوتا تھا۔ کھانے کا یہ طرز صرف اس کانفرنس ہی میں نہیں بلکہ پوری امریکی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ یہاں کے کھانوں میں مسالے یا شوربہ کا رواج نہیں ہے۔ چاول کا بھی استعمال بہت کم ہے ـــ روٹی (BREAD) گویا تبرک کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ سارا زور گوشت، ترکاریوں پر ہوتا ہے۔ پھلوں اور مختلف قسم کے مشروبات کا استعمال بھی بہت ہے۔

ہم نووارد مشرقیوں کے لئے یہاں صرف کھانے کے اوقات ہی غیر مانوس نہیں ہیں بلکہ خود کھانے بھی کم مانوس، یا غیر مانوس ہیں۔ چنانچہ سوائے ایک یا دو وقتوں کے ہم

لوگ یہاں کے میس (MESS) میں جاکر کھانا نہ کھا سکے۔ دوپہر کا وقت تو قابل تحمل معلوم ہوتا تھا لیکن شام کے کھانے کے وقت سے ہم لوگ اپنے کو سازگار نہ بنا سکے۔ اس کے لئے علی العموم قیامگاہ ہی پر اہتمام کروا لیتے تھے۔ دو بار تو میس سے کھانا بعض حضرات پہونچا گئے جس کو ہم لوگوں نے محفوظ کر لیا اور اپنی عادت کے وقت پر یعنی قبل یا بعد عشاء کھایا۔ اس سلسلہ میں بعض ہندوستانی احباب حامد شہود خاں صاحب، عرفان احمد خاں صاحب اور سید ساجد حسین صاحب نے ہماری بڑی مدد کی۔ اور سہولت مہیا کی۔

ایک روز جب کہ ہم لوگ اپنے معمول کے مطابق رات کے کھانے کے لئے میس میں نہیں گئے تھے اور کھانے کا نظم بھی نہ ہو سکا تھا۔ عشاء کے وقت انیس احمد صاحب اور نشاط احمد صاحب کو علم ہوا وہ خود سے بازار کچھ لانے کے لئے چلے گئے، تاکہ ہم لوگ رات کو بغیر کھانے کے نہ رہیں۔ رواجی وقت کے لحاظ سے کئی گھنٹے تاخیر ہو جانے کے سبب ان کو خاصا تلاش کرنا پڑا۔ بالآخر وہ ایک جگہ سے آلو، اور مچھلی کی خشک قاشیں (ساس ٹماٹر کی چٹنی) اور ٹھنڈے مشروب کے گلاس لے کر آئے۔ یہ سب چیزیں کاغذ کے پیکٹوں میں بند تھیں اور ساتھ ساتھ پلاسٹک کے کانٹے اور چمچے بھی تھے۔

کاغذ اور پلاسٹک کا استعمال

خشک ترا شیاء کو کاغذ کے پیکٹوں میں بند کر کے دینے کا یہاں خوب رواج ہے۔ کاغذ کی پلیٹیں بھی خوب استعمال ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ پلاسٹک کے چمچے اور کانٹے اور چھریاں بھی ہوتی ہیں اور یہ درحقیقت ایسے موقعوں کے لئے ہے جب کہ

شیشے، چینی یا دھات کے برتنوں کا استعمال دشوار ہو۔ امریکہ جیسے ملک کی مصروف زندگی میں، کاموں کے درمیان اور سفر کی حالت میں یہی آسان سمجھا جاتا ہے کہ سب کام کاغذ اور زیادہ سے زیادہ پلاسٹک کی مصنوعات سے لے لیا جائے اور کام لے کر یہ سب ظروف کوڑے دان میں ڈال دئے جائیں، نہ برتنوں کی حفاظت کا مسئلہ، اور نہ ان کے دھونے اور صاف کرنے کا۔ اس ضرورت کے لئے کھانے پینے کی اشیاء کی ہر دکان پر یہ سب سامان بکتا ہے اور بعض لوگ اپنے پاس ان چیزوں کا اسٹاک بھی رکھتے ہیں۔ کسی کو کوئی کھانے کی چیز ہدیہ کرنا چاہے تو انہی ظروف کے اندر بند کر کے دیدے۔ برتن واپس لینے کا کوئی مسئلہ نہیں۔ دسترخوان اور میز پوش کے کاموں کے لئے تو کاغذ کے تھان بکتے ہیں اور حسب ضرورت استعمال ہوتے ہیں۔

مغربی تہذیب میں کاغذ کا استعمال صرف ان مذکورہ چیزوں میں ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ ان کے علاوہ پانی کی جگہ پر استنجے کے کاموں کے لئے میل دھبے دور کرنے اور ہاتھ منہ صاف کرنے کے لئے، دیواروں کی زینت و پوشش اور میز پوش اور دیگر مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کاغذ کے گلاس اور دستی رومال تو زندگی کی عام ضرورت بن چکے ہیں، استعمال کئے جاتے ہیں اور پھینکے جاتے ہیں۔ کاغذ کے گلاس، چائے اور کافی کے لئے اور سوڈا واٹر مشروبات کی بوتلوں کی جگہ پر عام استعمال میں ہیں۔ کافی اور چائے کے لئے ہم کو یہ گلاس گوارا نہ ہو سکے لیکن امریکیوں کو اس میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

اشیاء استعمال کو استعمال کے بعد محفوظ رکھنا اور دوبارہ استعمال کرنا مغرب

کی متحرک و تیز زندگی میں دشوار سمجھا جاتا ہے اسی لئے کاغذ اور پلاسٹک کے ذریعہ اس کا حل انھوں نے نکال لیا ہے۔ اب تو وہاں ریزر بھی ایسے ملنے لگے ہیں کہ بلیڈ کی طرح استعمال کرنے کے بعد پھینک دئے جاتے۔ محفوظ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

چائے اور گرم دودھ

چائے کا معاملہ بھی یہاں خاصا پیچیدہ بن گیا تھا۔ خاص طور پر مولانا مدظلہ کے لئے یہ ایک خاص مسئلہ تھا کیونکہ ان کو ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے پہلے مناسب گرم چائے پینا ضروری ہوتا ہے۔ شام کو تو کسی طرح کام چلایا جاسکتا ہے لیکن صبح کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ تھا۔ اگر مناسب چائے نہ حاصل ہو تو دن بھر کے نظام پر اثر پڑتا ہے یہاں چائے کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کافی پر اکتفا کرتی ہے اور جو چائے پیتے بھی ہیں تو اس کا کوئی خاص ذوق نہیں رکھتے اور علی العموم بلا دودھ کے استعمال کرتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگوں کو اس کی عادت نہیں۔ چنانچہ یورپ امریکہ دونوں جگہ اس سلسلہ میں دشواری کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ چائے بغیر دودھ کے آتی ہے اور دودھ منگوایا جائے تو ٹھنڈا آتا ہے اس کو گرم کرایا جائے تو چائے ٹھنڈی ہو جاتی ہے جرمنی میں تو ایک ہوٹل میں جب کئی بار گرم دودھ کی تاکید کی تو بیرا کہنے لگا کہ کیا اسلام میں ٹھنڈا دودھ ممنوع ہے؟ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ٹھنڈا دودھ گرم چائے کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ بہرحال یہاں بھی چائے کا مرحلہ بہت پریشانی کا سبب بنا۔ تمام اہل تعلق کو فکر ہوئی بالآخر اس کا حل بھائی عرفان احمد خاں صاحب

سہارنپوری نے یہ نکالا کہ بجلی کا کوائل اور دو پیالیاں مہیا کیں اور دودھ کے کئی چھوٹے چھوٹے ڈبے بھی تاکہ خود سے چائے تیار کر لینا ممکن ہو جائے۔ اس وقت سے یہ مسئلہ حل ہوا۔

احباب سے ملاقاتیں

بلومنگٹن پہونچتے ہی اہل تعلق جو مولانا مدظلہ کے امریکہ آنے کے داعی رہے تھے اور برابر منتظر تھے آنا شروع ہوئے۔ شیکاگو سے بھائی نشاط صاحب آئے یہ وہاں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں یہ لکھنیا (بہار) کے رہنے والے ہیں۔ انکے جد امجد حضرت بلخ سلطان بلیاوی اور ہمارے جد امجد حضرت شاہ علم اللہ صاحب رائے بریلوی حضرت سید آدم بنوری کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ مولانا سے دینی تربیت کا تعلق ہے۔ مونٹریال سے حامد شہود خانصاحب آئے یہ لکھنؤ میں آکر مل چکے تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی سے خصوصی تعلق ہے اور انہی کی معرفت مولانا سے ربط و تعلق قائم ہوا۔ عرفان احمد خانصاحب ملے یہ کئی سال سے مولانا مدظلہ کے امریکہ آنے کے لئے کوشاں تھے۔ سہارنپور کے رہنے والے ہیں اور شیکاگو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں اس سے قبل علی گڑھ یونیورسٹی میں فلسفہ کے لکچرر تھے۔ نیز ڈاکٹر عاصم حسین صاحب بھی بڑی محبت سے ملے یہ شاہ غیاث عالم صاحب کنٹرولر سنی وقف بورڈ کے داماد ہیں ان سے تعارف اس زمانے سے ہے جب وہ علی گڑھ میں طالب علم تھے۔ ان کے علاوہ سید نثار احمد صاحب گورکھپوری کے صاحبزادے حسن کمال صاحب اور ریاض الدین و نور الدین صاحبان کے چھوٹے بھائی فرید الدین بھی ملے۔ سب دعوتی ذہن

کے ہیں۔ اپنے ذاتی حدود میں اصلاحی و دینی کام بھی کر رہے ہیں۔ ایم۔ ایس۔ اے اور ایم۔ سی۔ سی کے کاموں میں توجہ کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ سید ساجد حسین صاحب ملے یہ سید ہدایت حسین صاحب سابق ڈپٹی سکریٹری برائے مالیات یو پی گورنمنٹ کے صاحبزادہ ہیں اور نیویارک کارپوریشن میں انجینیر کی حیثیت سے ملازم ہیں۔ بہت با اخلاق اور دعوتی فکر و محنت کے آدمی ہیں۔ انہی نے نیویارک ہوائی مستقر پر محمد خورشید صاحب کو ہم لوگوں کے استقبال کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان سب سے مل کر بہت مسرت ہوئی، نیویارک میں سید مظہر حسین صاحب برادر خورد جناب سید اطہر حسین صاحب سکریٹری گورنمنٹ یو پی سے بھی ملنا تھا جو کہ رابطہ عالم اسلامی کے نیویارک دفتر میں رکن ہیں اور مولوی مزمل حسین صدیقی ندوی سے بھی ملنے کا اشتیاق تھا۔ یہ کئی سال سے امریکہ میں ہیں اور مذاہب کے تقابلی مطالعے کے شعبے سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں اس وقت وہ رابطہ ہی کے نیویارک دفتر کے شعبہ امور مذہبی کے ڈائریکٹر بھی ہیں لیکن معلوم ہوا کہ یہ لوگ غالباً اگلے روز پہونچیں گے۔ سید مظہر حسین واشنگٹن میں ہندوستانی سفارتخانے میں فرسٹ سکریٹری تھے جب ان کا تبادلہ کسی دوسرے ملک میں ہوا تو انہوں نے استعفیٰ دیدیا اور رابطہ کے دفتر میں ملازمت حاصل کر لی، ان کے دو بیٹے واشنگٹن ہی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو میڈیکل کالج میں پہونچ گئے ہیں، ان کی تعلیم کی سہولت کی خاطر سید مظہر صاحب کو اپنی سابقہ ملازمت سے دست کشی اختیار کرنا پڑی اور وہ اس بات پر مطمئن اور خوش ہیں۔

امریکہ میں طبی تعلیم

وہ کہتے تھے کہ امریکہ میں کسی مشرقی کو میڈیکل کالج میں داخلہ ملنا ایک نادر واقعہ

ہوتا ہے کیونکہ یہاں بہت سخت شرائط ہیں اور عموماً یہ تعلیم امریکیوں ہی تک محدود رکھی جاتی ہے۔ اس میں یہودیوں کا بہت غلبہ ہے اور وہ تعصب بھی برتتے ہیں اور ان میں علمی میدان میں محنت کی عادت بھی زیادہ ہے اس لئے ان کا مقابلہ دوسرے لوگوں کے لئے آسان نہیں ہوتا۔ طبّی میدان میں آمدنی بھی بہت ہے اور اس کی تعلیم گراں بھی بہت ہے مثلاً واشنگٹن کے میڈیکل کالج میں دس بارہ ہزار ڈالر سالانہ کا صرفہ ہے یعنی میڈیکل تعلیم کا خواہشمند اس کی ڈگری کے حصول میں پانچ سالہ محنت کے علاوہ پچاس ساٹھ ہزار ڈالر صرف کرنے پر مجبور ہے۔

علاج و معالجہ کی گرانی

اس کے ساتھ پریکٹس میں آمدنی بھی بے انتہا ہوتی ہے۔ ایک ڈاکٹر تین چار ہزار ڈالر ماہوار بآسانی حاصل کرلیتا ہے۔ پس اس سب کا تاوان مریض کو دینا پڑتا ہے۔ امریکہ میں ایک طرف علاج کے وسائل اور معیار یورپ کے مقابلے میں بھی بہت بڑھا ہوا ہے دوسری طرف اس کا خرچ بھی بہت زیادہ ہے۔ ڈاکٹر اپنے آوٹ ڈور (OUT DOOR) میں مریض سے صرف اس کے دیکھنے کا معاوضہ معمولی کیس میں بھی ۵۰ سے ۱۰۰ ڈالر تک لے لیتا ہے۔ پھر طبّی امتحانات اور دواؤں کے مصارف اسکے علاوہ ہوتے ہیں جن میں ہسپتال میں بستر ایک بستر حاصل کرنیکی فیس کم ازکم ۱۶۰ ڈالر روزانہ ہے۔ اگر اہتمام و خصوصیات کے اسپتال ہوئے تو روزانہ تین سو ڈالر لگتے ہیں۔

امریکہ میں مشرقی فضا

بلومنگٹن میں عرب، ہندوستانی، پاکستانی اور ایشیائی و افریقی مسلمانوں کا دو ہزار کا مجمع ایسی فضا پیدا کر رہا تھا کہ گویا یہ شہر عالم اسلام ہی کا کوئی شہر ہے۔ دولت اور ترقی یافتہ نت نئے وسائل زندگی کے امریکی انداز ایک حد تک اب تیل پیدا کرنے والے عرب ملکوں کے بڑے شہروں میں بھی ملنے لگے ہیں۔ خاص طور پر سعودی عرب اور کویت میں اس طرح کا انداز خاصا مل جائے گا جس کو نقل کہیئے یا شاگردی اور اس میں جب اس بات کو شامل کر لیا جائے کہ یہاں صبح سے شام تک جن لوگوں سے زیادہ تر ہم لوگوں کو ملنا پڑا وہ مشرقی یا عرب تھے تو پھر ایک اسلامی کانفرنس کی صورت میں مشرقی شہروں سے اس ماحول کی مماثلت نظر آنے لگنا، کوئی تعجّب کی بات نہیں۔ یوں ظاہر ہے کہ امریکی تمدّن، وسائل زندگی کی کثرت اور معیار کی بلندی میں بہت آگے جاچکا ہے حتیٰ کہ اب یورپ بھی اس سے پیچھے ہے۔ یہ زندگی کے مظاہر اور وسائل کو ترقی دے کر اپنی دنیا کو مصنوعی جنّت بنانے کی ایک کوشش ہے۔ صنعتی پیداوار اور مادی طاقت سے زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ اور انسان کو جسمانی محنت سے بڑی حد تک مستغنی بنایا گیا ہے۔ اکثر کام بٹن دبا کر انجام دے لئے جاتے ہیں۔ بس پیسے ہونے چاہئیں۔

۲۸ مئی شنبہ

جمعہ کے روز مولانا مدظلہ کا کوئی پروگرام کانفرنس میں نہ تھا۔ البتہ شنبہ ۲۸ مئی کو ان کی تقریر تھی۔ اس لئے جمعہ کا بقیہ وقت سفر کے بعد کے آرام کے عنوان سے ہوٹل ہی میں گذارا۔ شنبہ کی صبح کو ۸ ½ بجے کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے۔ جلسہ آڈیٹوریم میں تھا اور تقریر کرنے والے اسمٰعیل راجی فاروقی اور صدارت کرنے والے

عتیق الرحمان صاحب تھے ۔ اسماعیل فاروقی فلسطین کے ہیں لیکن اب مصری ہیں اور ٹمپل یونیورسٹی، فلاڈلفیا (TEMPLE UNIVERSITY PHILADELPHIA) میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ عتیق الرحمٰن صاحب ایم۔ ایس۔ اے کے ایک اچھے رکن ہیں۔ دو سال قبل منعقد ہونے والی حدیث کانفرنس کے صدر تھے۔ اب شیکاگو میں ایم۔ سی۔ سی کے صدر ہیں۔ اسمٰعیل فاروقی کا موضوع تھا "ہم عصر معاشرہ میں اسلامی نشأۃ ثانیہ" تقریر کے بعد اس پر مذاکرہ بھی ہوا جس میں شرکت کرنے والے ڈاکٹر جمال عطیہ اور استاد محمد المبارک تھے۔ فہرست میں فضل الرحمٰن فریدی صاحب کا نام بھی شامل تھا لیکن وہ ہندوستان سے نہیں آسکے۔ اس مذاکرتی جلسہ کی صدارت زین العابدین صاحب نے کی۔ ڈاکٹر زین العابدین صاحب چند سال قبل علی گڑھ یونیورسٹی میں لکچرر تھے اسلامی الفکر اور اچھے فاضل ہیں اب امریکہ ہی میں کام کر رہے ہیں۔

کانفرنس کے پروگرام کی تفصیلات

ایم۔ ایس۔ اے کا یہ اجتماع جیسا کہ ذکر آچکا ہے جمعہ سے دوشنبہ تک چار روزہ اجتماع ہے۔ اس کے روزانہ کے اوقات کا نظام یہ ہے کہ صبح ۵ بجے فجر کی نماز اور اس کے بعد درس قرآن ہوتا ہے۔ شنبہ کے روز یہ درس عبد الحمید دوگر صاحب نے اور یکشنبہ کو عرفان احمد خان صاحب نے دیا۔ دوشنبہ کو عتیق الرحمان صاحب کو دینا تھا لیکن انہوں نے مولانا مدظلہ، سے فرمائش کی چنانچہ ان کے بجائے مولانا نے دیا۔

اجتماعات روزانہ ۸½ بجے سے شروع ہوتے جن کا سلسلہ ۱½ بجے تک رہتا پھر ۲ بجے سے ۵ بجے شام تک اور پھر ۸½ سے ۱۰½ تک سلسلہ رہتا۔ درمیان میں عصر

کی نماز سوا پانچ بجے اور مغرب کی نماز سوا آٹھ بجے ہوتی۔ ظہر کی نماز ایک بجے ہوتی اور اس سے قبل دوپہر کا کھانا رہتا، شام کا کھانا ۵½ بجے سے ۶½ کے درمیان ہوتا اور عشاء کی نماز پونے گیارہ بجے ہوتی جبکہ اجتماعات اس سے قبل ختم ہو جاتے۔ موسم گرما میں چونکہ امریکہ و یورپ ہر جگہ گھڑیوں کو ایک گھنٹہ آگے کر لیا جاتا ہے تاکہ سویرے کام شروع کر کے شام کو جلدی فرصت حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ صبح ۵ بجے کے معنی اصلاً ۴ بجے ہیں اور صبح ۸½ بجے کے معنی ۷½ بجے ہیں۔ اسی طرح شام کو ۵½ بجے کے معنی ۴½ بجے ہیں اور یہ یہاں شام کے کھانے کا وقت ہے۔ آجکل یہاں سورج اصطلاحاً سوا ۸ بجے یعنی اپنے واقعی وقت کے اعتبار سے سوا سات بجے غروب ہو رہا ہے۔ اندازاً وسطی ہندوستان میں آجکل سورج یہی سات ،سوا سات پر غروب ہو رہا ہوگا۔ اور طلوع صبح ۵ بجے ہوتا ہوگا۔ اسی سے ملتا جلتا وقت یہاں بھی طلوع کا ہے۔ اس لحاظ سے یہاں دن کی وسعت ہمارے وسطی ہندوستان کے مقابلہ میں شاید کل نصف گھنٹہ زائد ہوگی۔ لیکن ان لوگوں نے ایک گھنٹہ بڑھا کر ذہنی طور پر دن کے بہت لمبے ہونے کا تصور پیدا کر دیا ہے کہ مغرب سوا آٹھ بجے اور عشاء پونے گیارہ بجے ہو رہی ہے۔

معاصر اسلامی تحریکات کے جائزے

اسماعیل فاروقی صاحب نے اپنی تقریر میں تمام معاصر اسلامی تحریکات کی کوششوں کا جائزہ لیا اور اخوان اور بعض دیگر جماعتوں کی جدوجہد اور قربانیوں کے افادی پہلو کو گھٹانے کی کوشش کی، اور جہاد کی اہمیت کم کی۔ ان کی تقریر تواز ن حلقوں میں پسند نہیں کی گئی۔ چنانچہ جب مذاکرہ کا جلسہ شروع ہوا تو ان پر تنقید

ہوئی، اور سوالات کے وقفہ میں حاضرین میں سے بعض نے سخت تقریریں کیں، خاص طور پر مصری فاضل شیخ عبدہٗ ناشر نے سخت اظہار خیال کیا، شیخ عبدہٗ ناشر نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے ابھی حال میں فضیلت حاصل کی ہے اور پُرجوش داعی بلکہ اخوانی ذہن کے آدمی ہیں، ہمارے یہاں کی کتابوں اور رسائل کا بھی مطالعہ کیا ہے اور تعلق رکھتے ہیں۔ مذاکرہ کے اجتماع کے اختتام پر صدر جلسہ ڈاکٹر زین العابدین نے اچھی تقریر کی۔

دن کے بقیہ اجتماعات میں معاصر مفکرین کے تخیّل و طریقۂ کار پر علیحدہ علیحدہ تقریریں ہوئیں۔ ان میں سید قطب (مصر) مولانا مودودی (پاکستان)، شیخ حسن البنا (مصر) مالک بن نبی (الجزائر) اور سعید نورسی (ترکی) زیر بحث آئے، آج کی تقریروں میں عابد اللہ غازی صاحب نے ہندوستان کی کوششوں کو جن میں مجاہدین تحریک دیوبند و علی گڈھ شامل تھا ذکر کیا اور ڈاکٹر ظفر اسحاق صاحب انصاری نے وہابی سنوسی تحریکات اور شاہ ولی اللہ صاحب کا تذکرہ کیا۔ عابد اللہ غازی صاحب مولانا حامد الانصاری کے صاحبزادہ ہیں اور امریکہ ہی میں کچھ عرصے سے مقیم ہیں۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، مولانا ظفر احمد انصاری کے صاحبزادہ ہیں۔ مولانا ظفر احمد پاکستان کے ایک اچھے قانون داں اور اسلامی ذہن رکھنے والے فاضل ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے رکن بھی ہیں۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق صاحب پٹرولیم یونیورسٹی ظہران میں تاریخ اسلامی کے پروفیسر ہیں آجکل مونٹریال میکگل (MONTEREAL —— M. GILL) میں ایک سال کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ظفر اسحاق صاحب ہمارے استاذ اور مولانا مدظلہ کے دوست مولانا محمد ناظم صاحب ندوی کے داماد بھی ہیں۔

امریکہ میں ہر تقریر کے بعد سوال و جواب کا ایک سلسلہ ضرور ہوتا ہے۔ اسمیں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ سوال کرنے والا تقریر کے موضوع تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس موضوع سے ہٹ کر بھی اپنی پسند کے ہر طرح کے سوالات کرنے لگتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں بعض وقت اصل موضوع بے اثر و بے نتیجہ ہو جاتا ہے اسی لئے مولانا مدظلہٗ اس سلسلہ کو عام طور پر خوشی سے قبول نہیں کرتے تھے۔ آج سوال و جواب کے ایک جلسہ کے لئے جس میں شیخ یوسف قرضاوی بھی تھے۔ مولانا مدظلہٗ کا نام بھی تھا لیکن اس کے بے وقت ہونے کی وجہ سے مولانا مدظلہٗ نے اس میں شرکت سے استغناء چاہا جس کو مان لیا گیا اور اس میں جانا نہیں ہوا۔

آج آڈیٹوریم ہی میں اسمٰعیل فاروقی کی تقریر کے دوران سید منظہر حسین صاحب، مولوی مزمّل حسین صدیقی، ان کے بھائی مولوی مدثر حسین صدیقی نیز ان کے والد محترم توسل حسین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی اپنے صاحب زادگان کے پاس آجکل آئے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ موٹر کے ذریعہ نیویارک سے بلومنگٹن آئے اس جلسہ کے دوسرے دن پہونچے۔ ان لوگوں سے خیریت و حالات معلوم کرنے کے بعد تبادلۂ خیال ہوتا رہا جس میں اسمٰعیل فاروقی کی تقریر بھی موضوع گفتگو بنی۔ مولوی مدثر حسین صدیقی بھی جامعہ اسلامیہ کے فارغ ہیں اور مولوی مزمل سے چھوٹے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ کے بعد وہ لندن آگئے تھے اور پھر امریکہ منتقل ہوگئے۔ اس طرح دونوں جگہ رہ کر انہوں نے قانون کی تعلیم حاصل کی اور اسی سال ٹمپل یونیورسٹی فلاڈلفیا سے ایل۔ ایل۔ ایم کی ڈگری حاصل کرلی اور اب لائسنس (LICENCE) ملنے پر پریکٹس کرنے کا ارادہ ہے۔ اچھے ذہین اور ذی استعداد نوجوان ہیں۔ دعوتی

و دینی کاموں میں بھی پورے نشاط کے ساتھ دلچسپی لیتے ہیں۔ ہم لوگوں سے ان کا پُرانا تعارف و تعلق ہے۔

اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا مسئلہ اور مصری موقف

شام کو اس مذاکرہ کی رپورٹ ملی جس میں شیخ یوسف القرضاوی اور مولانا مدظلہ، کی شرکت طے تھی اور مولانا مدظلہ نے اس سے غیر حاضر رہنے کی اجازت لے لی تھی۔ معلوم ہوا کہ اس میں امریکہ کے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں اہل کتاب کے ذبیحہ اور عورتوں کے پردہ کی بات آئی اور اس میں شیخ یوسف القرضاوی نے بہت توسع سے کام لیا اور امریکہ کے روشن خیال طبقہ کو اس سے کسی قدر سند ہاتھ آئی۔ انہوں نے یہ کہا کہ اہلِ کتاب کا لیا ہوا ہر گوشت جائز ہے۔ ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کی فکر کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور پردہ کے سلسلہ میں بھی انہوں نے روشن خیالی کا زیادہ ثبوت دیا۔ مولانا مدظلہ، کو جب یہ سب معلوم ہوا تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اس جلسہ میں نہیں تھے کیونکہ وہاں ایک کشمکش کی صورت پیدا ہو جاتی، بدمزگی ہوتی اور نتیجہ کچھ نہ نکلتا۔ یوں شیخ یوسف القرضاوی سے مولانا مدظلہ، کا اچھا تعلق ہے اور وہ ان کی قدر بھی کرتے ہیں۔ وہ ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی ۱۹۷۵ء میں شریک ہوئے تھے اور ان کی تقریر و خطابت نے ایک کثیر تعداد کو متاثر بھی کیا تھا۔ وہ اخوانی ذہن کے آدمی ہیں اور مصری ہیں۔ ناصر کے عہد میں سزا اور ایذا دُوسے بھی واسطہ رہا، ایک عرصہ سے وہ قطر یونیورسٹی میں شریعت ڈپارٹمنٹ کے صدر ہیں۔ متعدد اچھی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اہم ترین کتاب فقہ الزکاۃ ۲ ضخیم جلدوں میں ہے لیکن اکثر

عرب علماء اور خاص طور پر مصری علماء نے ان مسائل فقہیہ کے سلسلہ میں جن سے متمدن سوسائٹی کو اس زمانہ میں زیادہ سابقہ پڑ رہا ہے، حدود جواز میں خاصی وسعت اختیار کر لی ہے اور بعض بعض تو اس معاملہ میں غلو تک پہونچ گئے ہیں۔ یہ سلسلہ شیخ محمد عبدہٗ سے شروع ہوا تھا۔ اس وقت سے متعدد علماء مصر کا یہ مسلک بنا ہوا ہے۔ شیخ یوسف بہت اچھے عالم ہیں لیکن انہوں نے بھی اس میں وسعت اختیار کر لی۔ یہ ایسی وسعت ہے جسے امریکہ میں مقیم ہند و پاک کے مسلمانوں نے بھی پسند نہیں کیا۔ چنانچہ اس اجتماع کے بعد بڑا چرچا شروع ہو گیا۔ مولانا مدظلہ سے بھی نجی اور خاص مجلسوں میں سوالات ہوئے۔ مولانا نے احتیاط کے ساتھ جوابات دئے تاکہ عربوں اور ہند و پاک کے مسلمانوں کے درمیان نزاع نہ پیدا ہو جائے۔ مولانا مدظلہ، نے کہا کہ اس مسئلہ میں ہمارے ہند و پاک کے علماء اپنے پرانے موقف ہی پر قائم ہیں کہ اگر شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ اور چونکہ عیسائی لوگ ذبیحہ کا صحیح طریقہ اختیار نہیں کرتے اس لئے ان کے یہاں کا گوشت ناقابلِ اعتبار ہے۔ البتہ یہودیوں کے متعلق یہ معلوم ہے کہ ان کی شریعت کے مطابق صحیح ذبیحہ ہوتا ہے اس لئے وہ قابل قبول ہے، کیونکہ وہ اہل کتاب کے ذبیحہ میں شمار کیا جائے گا۔ لیکن ہم اپنی یہ رائے ہر ایک پر عائد نہیں کریں گے کیونکہ عرب علماء کے ایک طبقہ نے اس سے مختلف موقف اختیار کیا ہے اور وہ دلائل بھی دیتے ہیں۔ اس لئے عرب حضرات اپنے علماء کے کہنے پر عمل کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری ان کے علماء پر رہے گی۔ چونکہ تمام اجتماعات عرب، ہندوستانی، پاکستانی اور امریکی مسلمانوں کے مخلوط اجتماع ہوتے تھے اس لئے ایسی محتاط رائے

کی ضرورت تھی ورنہ لاطائل اور لاحاصل سلسلۂ بحث شروع ہوجاتا اور بات کا تصفیہ آسان نہ ہوتا۔ ایسا تصفیہ علیحدہ پرسکون ماحول میں بیٹھ کر علماء کے کرنے کا ہے اس کے لئے عوام کی عدالت کی ضرورت نہیں۔ آج عصر کے بعد غالباً عظم کا ایک ضمنی خطاب ہند و پاک کے مندوبین کے سامنے ہوا اور یہ طے ہوا کہ ایسا ہی ایک خطاب اگلے روز اسی وقت عربی میں عربوں کے لئے ہوگا۔

یکشنبہ ۲۹ مئی

آج دن کے پروگراموں میں اسلامی مفکرین و سربراہان تحریکات اسلامی[1] جیسے شیخ حسن البنا مصری، مالک بن نبی الجزائری، بدیع الزماں سعید نورسی ترکی پر تقریریں اور اس کے بعد مذاکرے ہوئے۔ مالک بن نبی پر الجزائری فاضل ڈاکٹر رشید بن عیسیٰ نے تقریر کی اور شیخ حسن پر مصری فاضل جمال بدوی نے تقریر کی۔ آج کے اجتماعات میں سے ایک اجتماع کا موضوع "اسلامی نشأۃ ثانیہ شمالی امریکہ" تھا جو ناظر الدین علی صاحب کی صدارت میں ہوا اور ایک اجتماع مسلمان خواتین اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کے موضوع پر ہوا جس کی مقررہ ایک خاتون فاضلہ تھیں۔

مولانا کی تقریر اور ترجمہ کا نظم

۷ بجے شام کو مولانا مدظلہ کی تقریر تھی جو گویا اس کانفرنس میں ان کی بنیادی تقریر تھی اس کا موضوع تھا "اسلامی دعوت کے کام کرنے والوں کے مابین تعلقات" مولانا مدظلہ نے اس موضوع میں عمومیت اختیار کی جس کی اجازت

[1] سربراہان تحریکات اسلامی کا مختصر تعارف کتاب کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

پہلے سے حاصل کر لی تھی کہ عنوان کی لفظی پابندی نہ کریں گے۔ تقریر اُردو میں ہوئی۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ پیش ہوا۔ ترجمہ کرنے والے ایک کشمیری فاضل سید محمد سعید کشمیری تھے، جو بلومنگٹن میں ہی رہتے ہیں۔ انہوں نے اچھا ترجمہ کیا کانفرنس کی تمام تقریروں کے ترجمہ کا اچھا انتظام تھا۔ تقریر کے دوران مترجم اشارے قلمبند کرتا رہتا ہے تقریر کے اختتام پر انہی اشاروں کی بنیاد پر وہ انگریزی میں ایک مربوط مضمون پیش کر دیتا ہے۔ کانفرنس کی بنیادی زبان انگریزی ہے لیکن تقریریں اُردو، عربی، انگریزی تینوں زبانوں میں ہو رہی ہیں۔ اردو، عربی تقریروں کا ترجمہ انگریزی میں کر دیا جاتا ہے۔

مولانا کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور اس کے غلبہ اور فروغ کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے درمیان خواہ وہ کسی ایک تنظیم سے تعلق رکھتے ہوں یا مختلف تنظیموں اور جماعتوں سے، محبت و یگانگت اور خلوص دگرمجوشی کسی خارجی یا مصنوعی طریقہ یا ضابطۂ اخلاق سے نہیں پیدا کی جاسکتی اس کے لئے عقیدہ کی وحدت اور مقصد کا عشق ضروری ہے جو ہر طرح کی انانیت و نفسانیت کو مغلوب کر دے۔ مولانا نے اس کے لئے عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کی تاریخ سے مثالیں پیش کیں۔ پھر بتایا کہ عقیدہ کی وحدت اور مقصد کا عشق کس طرح پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے کیا تدابیر مؤثر ہیں۔ تقریر میں عقلی و علمی استدلال کے ساتھ قلب کو متاثر کرنے والا عنصر بھی شامل تھا اس لئے تقریر بڑی توجہ اور دلچسپی سے سُنی گئی اور لوگوں نے نعرۂ تحسین کے ساتھ بار بار اس پر اپنے تأثر کا اظہار کیا۔[1]

[1] تقریر کا مکمل متن، کچھ اضافے اور ترمیم کے ساتھ دورۂ امریکہ کے خطبات کے مجموعہ میں شامل ہے جو "نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں" کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوہ، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

اس عام تقریر سے قبل، بعد عصر مولانا مدظلہٗ کی ایک ضمنی تقریر عربوں کے لئے بھی ہوئی کیونکہ کل سے آج تک ان کا پروگرام صرف اُردو کا ہی تھا۔ اس تقریر میں مولانا نے فرمایا کہ مناسب تو یہ تھا کہ یورپ و امریکہ کے نوجوان اپنی علمی ترقی اور نہ صرف علوم اسلامی بلکہ علوم انسانی کے مطالعہ کے لئے عرب و مسلم ممالک کا رُخ کرتے اور علمی پیاس بجھانے والوں کا دھارا مغرب سے مشرق کی طرف بہتا جیسا کسی زمانہ میں اسپین میں نظر آتا تھا، جب اندلسی عرب علمی و فکری قیادت کے منصب پر فائز تھے۔ لیکن ہمارے علمی و سیاسی زوال نے اور مغرب کی بیداری نے معاملہ برعکس کر دیا ہے۔ اور اب بہترین مسلم اور عرب نوجوان بڑی تعداد میں یورپ و امریکہ کی جامعات اور دانشگاہوں میں مطالعہ و تکمیل کے لئے آتے ہیں اور یہ مجمع اس کی شہادت دے رہا ہے، لیکن کم سے کم اتنا ضرور ہونا چاہیے کہ آپ ان علوم اور مغربی تہذیب و تمدن کا ناقدانہ مطالعہ کریں اس کی خامیوں سے واقف ہوں، اس میں اپنی شخصیت کو تحلیل نہ ہونے دیں اور جب اپنے ملک واپس جائیں تو وہاں کے نوجوانوں پر ان علوم و تہذیب کا جو رعب قائم ہو چکا ہے اور وہ جس احساس کمتری کے شکار ہیں اس کو دور کرنے کی کوشش کریں اور بتائیں کہ ہم اس کے دور کے تماشائی ہوا در ہم اس کے سمندر میں غوطہ لگا کر کے آئے ہیں۔ نیز وہ اپنی ان صلاحیتوں سے اپنے ملکوں کی خدمت و صحیح رہنمائی کریں۔

مختلف مقامات کے دورہ کا پروگرام اور آنکھ کے مسئلہ میں مشورہ

آج ایک نجی نشست میں جس میں ایم۔ ایس۔ اے کے نائب صدر ناظر الدین علی صاحب، پروگرام ڈائرکٹر بھائی انیس احمد صاحب اور عرفان احمد صاحب شریک تھے۔ مولانا کے لئے امریکہ کے مختلف علاقوں کا دعوتی دورہ کرنے کا پروگرام طے ہوا، یہ پروگرام تین ہفتوں پر مشتمل تھا۔ اول ہفتہ امریکہ کے شرقی منطقہ میں اور دوسرا ہفتہ کناڈا اور امریکہ کے مغربی منطقہ میں اور تیسرا ہفتہ امریکہ کے وسطی منطقہ میں طے ہوا، اور چونکہ مولانا مدظلہٗ کو اپنی آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں بھی مشورہ حاصل کرنا تھا، ضرورت ہوئی تو آپریشن بھی کرانا تھا اس لئے یہ طے ہوا کہ دورہ کے اختتام یعنی تیسرے ہفتہ کے بعد یہ طبّی پروگرام رکھا جائے تاکہ اسکے بعد تقریروں اور جلسوں میں شرکت کی زحمت نہ پیش آئے اور پرہیز و آرام کے بعد ہندوستان واپسی ہو سکے۔ بھائی انیس احمد صاحب نے جو کہ کانفرنس کی پروگرام کمیٹی کے چیرمین ہیں اور ایم۔ ایس۔ اے کے ایک بہت سنجیدہ اور باہمت کارکن ہیں، مولانا مدظلہٗ کے دورہ اور سفر میں سہولت مہیا ہونے سے پوری دلچسپی لی اور آنکھ کے مسئلہ میں یہ تجویز کیا کہ کانفرنس سے فارغ ہو کر مولانا مدظلہٗ اولاً بالٹی مور (BALTI-MORE) جائیں جو نیویارک سے دو سو میل جنوب مغرب میں ہے وہاں ایک اچھے مسلمان آئی سرجن ڈاکٹر شوکت یوسف خان ہیں ان سے آنکھ کا ابتدائی معائنہ کرایا جائے تاکہ وہ صحیح رائے دے سکیں کہ آپریشن کرانا مناسب ہوگا یا نہیں۔ ڈاکٹر کا انتخاب بھی ان کے مشورہ سے ہو۔ انیس احمد صاحب نے اسی لحاظ سے ڈاکٹر شوکت صاحب سے ٹیلی فون پر گفتگو کر کے پروگرام بھی طے کر لیا۔ اب اس کے مطابق دوشنبہ کے روز کانفرنس کے اختتام پر ایک روز کے لئے ایم۔ ایس۔ اے کے صدر دفاتر دیکھنے انڈیانا پولس (INDIANA POLIS) جانا ہے اور اسکے

بعد بالٹی مور۔

امریکہ میں مواصلات کی سہولت اور موٹروں کی کثرت اور قیمت

دوشنبہ ۳۰ مئی۔ آج کے پروگرام میں نماز فجر مولانا مدظلہٗ کو پڑھانی تھی اور اس کے بعد درس قرآن دینا تھا۔ اس لئے سویرے ہی نماز کے ہال میں پہونچنا تھا۔ نماز کا ہال ہماری قیام گاہ سے بہت دور نہ تھا لیکن راستہ سے ناواقفیت کی وجہ سے رہبر کی ضرورت تھی۔ اس سے قبل بھی آڈیٹوریم ہال اور کانفرنس کی جگہوں پر آنے جانے کے لئے کسی رہبر اور موٹر کا ذریعہ اختیار کیا جا رہا تھا اور یہ انتظام کانفرنس کی طرف سے نہ تھا کیونکہ یہاں مختلف عمارتوں کے فاصلے کچھ زیادہ نہ تھے لیکن چونکہ یہاں اکثر لوگ موٹریں رکھتے ہیں اس لئے یہ بات کچھ مشکل نہیں۔

یہاں امریکہ میں آبادیاں عموماً پھیلی ہوئی ہیں اس لئے علی العموم فاصلوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ مثلاً آدمی ڈاؤن ٹاؤن میں کام کرتا ہے اور مضافات کے کسی قصبہ یا گاؤں میں رہتا ہے۔ لہذا اس کو یہ درمیانی فاصلہ روزانہ کسی سواری سے طے کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ذاتی کار رکھنے سے بڑی سہولت ہو جاتی ہے موٹر کا حصول بھی ایک متوسط آمدنی والے شخص کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اگر وہ نئی موٹر نہیں خرید سکتا تو سیکنڈ ہینڈ خرید سکتا ہے جس کی قیمت نئی کے مقابلہ میں خاصی کم ہوتی ہے اور یہاں قسطوں پر چیزیں خریدنے کا عام رواج ہے جس کی بناء پر موٹر تو خیر لوگ مکانات تک بسہولت خرید لیتے ہیں لیکن بالاقساط مع سود کے ادا کرنا ہوتا ہے جس کی بنا پر اصل قیمت دوگنی بن جاتی ہے۔ امریکہ میں نئی موٹر چار یا پانچ ہزار

ڈالر میں اور سکنڈ ہینڈ ایک ہزار تک میں اور کبھی کبھی اس سے بھی کم میں مل جاتی ہے۔ سکنڈ ہینڈ موٹروں کے لئے باقاعدہ دوکانیں ہوتی ہیں۔ تقریباً ہر شہر میں یہ بورڈ لگا ہوا ملتا ہے کہ پرانی موٹر یہاں سے خریدی جا سکتی ہے۔ پٹرول بھی کم قیمت میں ملتا ہے یعنی تقریباً ۶۵ سنٹ کا ایک گیلن جو ہندوستان میں شاید ۱۵۔۱۶ روپے میں ملے گا۔ اس میں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ امریکہ میں ایک متوسط طبقہ کا آدمی ایک ہزار ڈالر کے ارد گرد ماہانہ تنخواہ پاتا ہے۔

ڈاکٹر ہشام الطالب نے جو کانفرنس کی طرف سے غیر ملکی مہمانوں کے منتظمین میں تھے۔ رات ہی میں یہ بات بتادی تھی کہ صبح قبل فجر وہ لینے کے لئے آئیں گے، چنانچہ وہ آکر لے گئے لیکن وہاں نماز کا وقت ہو گیا تھا اس لئے جماعت کھڑی ہو گئی۔ وہاں جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبداللہ ترکی پہونچ گئے تھے۔ انہی نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ ندوہ میں ان کے ایک ماہ قبل آمد کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی۔ لیکن درس قرآن ہونے جا رہا تھا اس لئے تفصیلی ملاقات کا موقع نہ تھا اس کے لئے دوسرا وقت طے ہوا۔ وہ بھی ہماری قیامگاہ کی عمارت میں مقیم تھے لیکن چونکہ وہ کانفرنس کا آخری دن تھا، مصروفیت خاصی تھی۔ ان کے پاس جانے کا وقت نہیں ملا اور پھر ملاقات نہیں ہو سکی۔

مولانا مدظلہ نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا" الخ،، کی تلاوت کرائی پھر اس کی تفسیر بیان کی۔ اس رکوع میں ایک مسلمان کی سیرت وصورت کی حسین ترین اور جامع ترین تصویر آگئی ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز اس سے کیا کہ اللہ تعالیٰ کے کثیر التعداد اسماء وصفات

میں سے جو سب جلیل و جمیل ہیں یہاں "الرحمٰن" کا انتخاب کیوں کیا گیا اور ان بندوں کو اس موقع پر "عباد الرحمٰن" کیوں کہا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مسلمانوں کے جن صفات و شمائل اور اخلاق و اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں اسم "الرحمٰن" کی تجلی اور صفت رحمت کا ظہور ہے۔ پھر انہوں نے تفصیل کے ساتھ ایک ایک آیت کی تشریح کی۔ تقریر توجہ اور ذوق کے ساتھ سُنی گئی۔ اس کے اختتام پر ایک فاضل رکن نے حاضرین کو انگریزی میں درس کا ترجمہ سنایا۔ پھر وہاں سے قیام گاہ واپسی ہوئی۔

نشاط صاحب کے رفقاء بیابانی صاحب و فصیح صاحب

نماز کے انتظامات کے ذمہ دار کانفرنس کی طرف سے قاضی بیابانی تھے۔ یہ حیدرآباد کے ایک صالح و دیندار مسلمان ہیں۔ شکاگو میں کئی سال سے مقیم ہیں۔ ایک مختصر سا پریس چلا رہے ہیں جس کا نام مدینہ پرنٹنگ پریس ہے۔ ان کے ساتھ اودھ کے ایک نوجوان فصیح صدیقی ہیں۔ لکھنؤ کے نواح اُجریاؤں کے رہنے والے ہیں۔ کچھ عرصہ دارالعلوم کے ابتدائی درجات میں پڑھا بھی ہے پھر پاکستان منتقل ہو گئے۔ کتابوں کے ڈیزائن بنانے میں ماہر ہیں۔ چنانچہ دونوں نے مل کر ڈیزائن اور پرنٹنگ کا ایک ادارہ قائم کر رکھا ہے جو ایم۔ ایس۔ اے اور رابطۂ عالم اسلامی کے نیویارک آفس کی چیزیں شائع کرتا ہے۔ یہ دونوں نوجوان شروع ہی سے مولانا مدظلہ سے خاصے مانوس ہوئے اور وقتاً فوقتاً ملتے رہے۔ کئی بار انہوں نے اپنی کار سے قیامگاہ تک پہونچایا۔ اس وقت بھی انہی کی کار پر قیام گاہ آنا ہوا۔ ان دونوں کے تعلقات بھائی نشاط صاحب سے بہت ہیں اور غالباً مولانا مدظلہ سے ان کے قریب ہونے کا باعث بھی نشاط صاحب ہوئے۔

کانفرنس کا اختتامی اجلاس اور کشمکش کا باعث موضوع

۸½ بجے کے بعد کانفرنس کے کئی اجتماعات تھے ان میں مہمانوں کی طرف سے تأثرات پیش کرنے کے لئے ایک اجتماع دس بجے تھا اور آخر میں دعا پر ۱۲ بجے کانفرنس کا اختتام تھا۔ ہم لوگ ۱۰½ بجے کے لگ بھگ ہال پہونچے وہیں یہ جلسہ ہو رہا تھا۔ اس جلسہ میں اردن کے یوسف العظم، الجزائر کے رشید عیسیٰ، قطر کے یوسف القرضاوی مصری، کویت کے عبدالحلیم محمد احمد حجازی سے استاذ محمد المبارک اور بعض دوسرے حضرات نے اظہار خیال کیا۔ یوسف القرضاوی نے بہت اچھی تقریر کی۔ یوسف العظم کی تقریر بھی متوازن تھی۔ البتہ رشید عیسیٰ نے اپنی تقریر میں سید قطب کی اہمیت بہت گھٹائی اور ان کو بالکل غیر اہم افراد کی فہرست میں شامل کیا اور مولانا مودودی کو مبالغہ کے ساتھ غیر معمولی درجہ دیا۔ ان کے اس گھٹانے بڑھانے نے جلسہ میں ایک اضطراب پیدا کر دیا۔ ریاض کے ایک صاحب نے صدر سے اجازت لے کر اس تقریر کا جواب دیا۔

مولانا کی سخت تقریر

تنقید و افراط و تفریط اور جرح و تعدیل کی یہ غیر ضروری فضا جو طلبا ر کی ایک انٹر ڈیوکیٹی یا ایکزامنیشن بورڈ سے زیادہ مشابہ تھی، مولانا مدظلہ کو بہت گراں گذری اور جب تک یہ سلسلہ جاری رہا ان کو سخت تنغص اور انقباض رہا۔ جب ان کو تقریر کا موقع ملا تو انہوں نے عربی میں اس پوری صورت حال پر

تنقید و تبصرہ کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اسلام کی خدمت کرنے والوں کے درمیان تقابل کرنے کے اس رویہ کو بہت غلط قرار دیا اور اس بات پر زور دیا کہ "وہ شخصیتیں جو ہمارے سامنے ہیں اور ہماری معاصر ہیں ان کے بارے میں مبالغہ آمیز عقیدت یا نامناسب تحقیر کا ایسا رویہ اختیار کرنا، یہ دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے بالکل نامناسب ہے۔ اسوقت جب کہ مسئلہ اسلام کے بچانے اور اس کو پھیلانے کا در پیش ہے، ہم شخصیتوں کی تقدیس یا تقابل میں مشغول ہیں اور یہ کہا کہ ان شخصیتوں سے آپ جن خیالات و افکار کی بنا پر ایسا تعلق قائم کر لیتے ہیں۔ انہوں نے بارہا اپنے افکار سے رجوع کر لیا ہے" مولانا مدظلہٗ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی سنایا کہ "من کان منکم مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ" (تم میں سے جس کو اقتدا کرنی ہو وہ ان کی اقتدا کرے جو ایمان کے ساتھ اس دنیا سے چلے گئے، اس لئے کہ جو شخص زندہ ہے اس کے متعلق یہ اطمینان نہیں کہ وہ کسوقت فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا یا اس سے محفوظ رہے گا)۔ مولانا مدظلہٗ نے کہا کہ "قرآن مجید اور سیرت رسول علیہ السلام کا مطالعہ سب سے زیادہ بے خطر اور قابل اعتماد ذریعہ ہے۔ ہم دعوت کا کام کرنے والوں کو امت کے متأخرین کی کتابوں سے اشتغال سے زیادہ قرآن مجید اور سیرت رسول علیہ السلام کے مطالعہ سے شغف ہونا چاہیئے۔ اس میں کسی خلفشار اور فتنہ کا اندیشہ نہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اتنا وسیع اجتماع کیا۔ اتنے دور دور سے لوگوں کو بلایا، اتنا صرف کیا، اور پھر اس کا یہ حاصل ہے کہ کون مفکر بڑا ہے اور کون چھوٹا اور کون اچھا اور کون

بُرا۔ ہم یہاں اس لئے جمع نہیں ہوئے ہیں کہ معاصر شخصیتوں کا جائزہ لیں، اور ان کے درجات کا تعین کریں یہ کوئی اگزامینیشن بورڈ نہیں جو فیل پاس کرے یا امتحان میں شرکت کرنے والوں کو ڈویژن دے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث اور سیرت رسول کو اصل معیار اور سرمایہ بنائیے اور اس سے تعلق بڑھائیے آپ کی عظیم ذمہ داریوں میں یہ کام دے گا۔ یہ امریکہ کا ملک جو اسلامی دعوت کا پیاسا ہے اس کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ موجودہ زعماء میں سے کون کس مقام کا ہے اس کو اس وقت ضرورت ہے کہ وہ یہاں سے نئی طاقت، ایمان کی حلاوت اور عمل کا جذبہ لے کر جائے اور اس کو اسلام کے اصل سرچشموں قرآن و حدیث، سیرت نبوی اور سیر صحابہؓ کے مطالعہ کا شوق ہو"۔

مولانا مدظلہٗ کی تقریر جوش و تأثر سے بھری ہوئی تھی۔ لوگ بھی دم بخود تھے۔ اس لئے کہ کانفرنس کے پروگراموں میں عام طور پر علمی جائزے اور تاریخی مطالعے پیش کئے جا رہے تھے۔ موثر اور پرجوش تقریروں کی کمی تھی۔ تنہا اس تقریر نے اس کمی کو دور کیا اور دلوں میں ایک نئی حرکت و حرارت پیدا ہوئی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ مبادا اس تقریر کا سخت ردعمل نہ ہو اور لوگ اتنی صاف گوئی سے کبیدہ خاطر نہ ہوں، لیکن چونکہ یہ تقریر خلوص اور اندرونی جذبہ سے کی گئی تھی اور اس میں ساری دعوت قرآن و سیرت کے مطالعہ کی دی گئی تھی جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اس لئے تقریر کا کوئی بُرا اثر نہیں پڑا اور اس کی تردید یا پچھلے موقف کے دفاع میں کچھ کہا نہیں گیا۔

مولانا مدظلہٗ کی تقریر کے ترجمہ کے لئے خورشید احمد صاحب ڈائس پر آئے

تھے۔ کیونکہ پروگرام یہ تھا کہ مولانا اردو میں تقریر کریں گے اور خورشید صاحب اس کا انگریزی میں ترجمہ کریں گے لیکن مولانا مدظلہ، نے اپنی تقریر کے موضوع کا اصل مخاطب عربوں کو سمجھا کیونکہ انہی کی تقریروں سے یہ مسئلہ ابھرا تھا، اس لئے مولانا مدظلہ، نے عربی میں تقریر کی جس کی وجہ سے ایم۔ ایس۔ اے کے جنرل سکریٹری محمود رشدان صاحب کو ترجمانی کرنی پڑی اگرچہ بلا سابقہ اندازہ کے ان پر یہ بوجھ پڑا لیکن انہوں نے بہت ہی سلاست اور عمدگی سے اس کا ترجمہ پیش کیا۔ اس سے ان کی علمی صلاحیت اور سلامت طبیعت کا اچھا نمونہ سامنے آیا۔

اس کے بعد آخری تقریر انگریزی میں ہوئی جو خورشید احمد صاحب کی تھی۔ انہوں نے کانفرنس کی تقریروں پر اپنا تبصرہ پیش کیا اور مولانا مدظلہ، کے خیال کو سراہا کہ واقعی اصل موضوع قرآن وحدیث وسیرت کو ہونا چاہیئے اور اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ کانفرنس اس موضوع کے پروگراموں سے بالکل خالی نہیں رہی اس کی طرف بھی توجہ رہی۔ دراصل اس سال کانفرنس کا موضوع اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی تحریکیں تھیں اس لئے یہ علمی جائزے اور تنقیدی وتاریخی مطالعے زیادہ آئے ورنہ اصل اہمیت انہی موضوعات کی ہے جن کی طرف مولانا نے توجہ دلائی اور شخصیتوں کے سلسلہ میں واقعۃً اعتدال کی ضرورت ہے۔ یہ موازنہ اور تقدیس وتنقیص مناسب نہیں۔ خورشید احمد صاحب کی تقریر کے بعد دعا ہوئی اور کانفرنس کا اختتام ہوا۔

ڈاکٹر عاصم صاحب کی طرف سے کیفٹریا میں دعوت

دوپہر کا کھانا اگرچہ کانفرنس ہی کی طرف سے تھا لیکن ہم لوگ اس میں نہ

جا سکے۔ کیونکہ ڈاکٹر عاصم حسین صاحب اپنے ساتھ یونین میموریل بلڈنگ ہی کے کیفیٹریا لے گئے۔ وہاں کھانا کھایا۔ ادائیگی ڈاکٹر عاصم صاحب نے کی اس طرح انہوں نے اپنی طرف سے دعوت کی ایک صورت نکال لی۔ امریکہ میں کیفیٹریا کے نظم وانتظام کا ایک مخصوص طرز ہے۔ وہ یہاں پہلی مرتبہ دیکھا۔ اندر داخل ہونے پر لائن میں شامل ہوئے اور سب سے پہلے کھانے کا ٹکٹ لیا جو ریلوے یا بس کے ٹکٹ کی طرح ہوتا ہے اور ایک ٹکٹ ایک فرد کی علامت ہوتا ہے۔ اسی کے پاس سامنے الماری پر ٹرے، کانٹوں، چمچوں اور کاغذی رومالوں کا ایک اسٹاک تھا۔ ٹکٹ کے مطابق ایک ایک ٹرے اور حسب ضرورت پلیٹیں، چمچے اور رومال لیکر آگے بڑھے۔ اب یہاں سے دور تک کھلی الماریوں کی لائن ہے جس میں مختلف طبقے ہیں اور ان میں مختلف کھانے اپنی مختلف نوعیتوں کے ساتھ رکھے ہیں جس میں سے چاہیئے اپنی پسند کا اٹھاتے جائیے اور اگر کئی ٹرے آپ نے لئے ہیں تو کئی کئی اٹھا لیجئے اور آگے بڑھتے جائیے۔ دہی، سلاد، روٹی، ترکاریاں، مچھلی، آلو مٹر، پڈنگ، کریم اور پھل غرضکہ اسی طرح کی مختلف چیزیں، اسی کے ساتھ مختلف قسم کے ٹھنڈے مشروب تھے۔ جب اس لائن سے نکلیے گا تو ایک کاؤنٹر ملے گا، وہاں کی کلرک کھانے کی اقسام دیکھ کر حسابی مشین کے ذریعہ ٹکٹ پہ نشان لگا دیتی ہے۔ اب سامنے کھانے کا ہال ہے جس میں متعدد میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ کسی جگہ بیٹھ جائیے اور کھانا تناول کیجئے۔ فارغ ہو کر ٹکٹ کے مطابق قیمت ادا کیجئے اور دوسرے راستہ سے کیفیٹریا سے واپس چلے جائیے۔ ان تمام مرحلوں میں خود اپنی خدمت آپ کرنا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر عاصم صاحب نے ڈیٹرائیٹ (DETROIT) آنے کے لئے بھی بہت اصرار کیا اور بظاہر امید بھی ہے کہ دورہ میں یہ شہر آئے گا۔ وہاں بھی مسلمانوں کی اچھی آبادی ہے۔ اندازہ ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس آبادی کا بڑا حصہ وہاں موٹروں کے کارخانوں میں کام کرنے والوں کا ہے اور اس میں عرب بڑی تعداد میں ہیں۔

انڈیانا پولس بذریعہ کار واپسی

ظہر کی نماز کے بعد حسب پروگرام انڈیانا پولس جانا طے ہوا۔ یہ طے ہوا کہ منذر قحف صاحب اپنی کار پر وہاں پہونچائیں گے۔ چنانچہ وہ تین بجے ہوٹل آگئے اور انہوں نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر ہم لوگوں کی روانگی درج کرائی۔ حساب بھی کیا اور انڈیانا پولس روانہ ہوئے۔ جہاں عصر کے وقت پہونچنا ہوا۔ ایر پورٹ سے متصل کوالٹی ان ہوٹل (QUALITY INN HOTEL) میں ٹھہرایا۔ وہاں اندازہ ہوا کہ بیرون امریکہ کے جملہ مہمان بھی اسی ہوٹل میں ٹھہرائے گئے ہیں۔

ہوٹل پہونچ کر نماز عصر ادا کی۔ چائے منگوا کر پی اور ہوٹل کے کمرہ ہی میں رہے۔ مغرب کے قریب انیس احمد صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے نیچے ہال میں آجائیے، دیگر لوگ بھی ہیں۔ نماز کے بعد کھانے کے لئے چلنا ہوگا۔ نیچے آنے پر تمام بیرونی مہمان موجود ملے۔ ماشاء اللہ اچھی تعداد تھی۔ ان میں پاکستان سے آئے ہوئے جمعیۃ الطلباء کے صدر عبد الملک صاحب بھی تھے۔ وہ کانفرنس میں تاخیر سے پہنچے تھے اس لئے اب نظر آئے۔ ان سے پاکستان میں جمہوریت کی کشمکش اور جدوجہد کی تفصیلات معلوم ہوئیں ــــ اچھے معقول نوجوان ہیں، سندھ کے باشندے ہیں مطالعہ بھی اچھا ہے۔

ایم۔ ایس۔ اے کی طرف سے دعوت

نماز کے بعد قریب ہی ڈائننگ ہال میں کھانے کے لئے جانا ہوا لیکن انیس احمد صاحب نے مولانا مدظلہ، کے ذوق کا اندازہ کر کے کہہ دیا تھا کہ اگر آپ یہاں کا کھانا گوارا نہ کریں تو صرف مجلس میں شریک رہیے گا کھانا میرے مکان پر تناول کیجیے گا۔ وہ انڈیانا پولس میں ہی اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہیں۔ انہوں نے کھانے کا کچھ اہتمام بھی کیا تھا۔ چنانچہ مولانا مدظلہ، اور ہم نے اس پر عمل کیا۔ صرف وقت گذاری اور باتوں پر اکتفا کرتے رہے ہمارے ارد گرد استاد محمد المبارک، استاد محمود ابو السعود ریاض کے عبد اللہ الصلیفیح اور کئی جاننے والے حضرات بیٹھے تھے۔ ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو رہی۔ موضوع بحث یہ بھی تھا کہ کھانے کا مغربی طریقہ اور ہوٹل کا فاسقانہ ماحول تکلیف دہ حد تک نامناسب ہے۔ کیا ایم۔ ایس۔ اے والے اس کی متبادل صورت کا نظم نہیں کر سکتے تھے؟

میزوں پر پہونچنے کے آدھے گھنٹہ کے بعد تو صرف یہ معلوم کیا گیا کہ آپ کیا کیا کھانا پسند کرینگے۔ اور کھانوں کی فہرستیں حوالے کی گئیں۔ لوگوں نے مچھلی اور آلو علی العموم اختیار کیا۔ اب اس کی آمد کے انتظار میں وقت گذاری کرتے رہے۔ خاصی دیر میں کھانا آنا شروع ہوا۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ایک ایک چیز آتی تھی۔ یہ طریقہ تمام مغربی دعوتوں میں اختیار کیا جاتا ہے تاکہ شرکاء کو آپس میں ملاقات وگفتگو کا پورا موقع ملے۔ اس میں وقت کی خاصی مقدار بے دردی سے صرف ہوتی ہے، وقت

عموماً دو سے تین گھنٹے تک کا صرف ہوتا ہے۔

ہوٹل کے ماحول کا یہ حال تھا کہ سروس کے لئے سب لڑکیاں جن کے لباس میں توجہ مبذول کرانے کی رعایت رکھی گئی تھی۔ یہ امریکہ کے تمام طعام خانوں کا گویا متعین دستور ہے۔ قریب ہی ہال کے دوسرے حصہ میں ہلکی روشنی میں سازندے ساز چھیڑے ہوئے تھے جس کی ہلکی آواز کھانے کے ماحول کو بزم طرب میں تبدیل کر رہی تھی۔

بہرحال جس قدر ناگزیر تھا اس قدر ہم لوگ ناگواری کے ساتھ بیٹھے پھر بلا کھانا کھائے اٹھے اور انیس احمد صاحب کے مکان کو روانہ ہوئے۔ ساتھ میں خورشید احمد صاحب اور پاکستان کے عبدالملک صاحب بھی تھے۔ انیس صاحب کے مکان پر ہندوستانی طرز کا اور یگانگت و بے تکلفی کے ماحول میں دعوتی کھانا کھایا۔ ایک خوشی محسوس ہوئی۔ دیر رات میں ہوٹل واپس آئے۔

امریکہ میں ہوٹل میں قیام کا نرخ

رات ہوٹل میں گذاری۔ ہوٹل پرسکون اور کمرے آرام دہ ہیں۔ ہر کمرہ میں عموماً دو بڈ ہوتے ہیں لیکن کمرہ کا کرایہ ایک شخص کی رہائش کی حالت میں یومیہ بیس ڈالر، دو شخصوں پر ۲۵ ڈالر، تین شخصوں پر ۲۹ ڈالر اور چار اشخاص پر ۳۳ ڈالر ہے۔ یہ کرایہ نسبتاً کم ہے، ورنہ دوسرے ہوٹلوں میں اس سے کچھ زیادہ ہوتا ہے مثلاً فلاڈلفیا کے ہالی ڈے ان ہوٹل (HOLLYDAY INN HOTEL) میں بعد میں ٹھہرنا ہوا۔ تو وہاں اسی طرح کے ایک کمرہ کے لئے ایک شخص کی صورت میں ۳۰ ڈالر اور دو شخصوں کی صورت میں ۳۷ ڈالر یومیہ کرایہ تھا۔ دن میں ۱۲ بجے چیکنگ آؤٹ ہوتا

ہے۔ اس کے بعد سے اگلے دن کا حساب شروع ہو جاتا ہے۔ بلومنگٹن میں ہوٹل سے ہم لوگوں کا نکلنا دو بجے ہوا تھا اس لئے مزید چارج وصول کر لیا گیا۔

امریکہ کے دوران قیام میں کئی شہروں میں ہوٹل میں قیام کرنا ہوا۔ سب ہوٹلوں کے کمروں اور سہولتوں میں تقریباً ایک سطح پائی۔ ہر کمرہ میں ٹیلی ویژن سیٹ ٹیلی فون اور دیگر ضرورت و راحت کا لحاظ پایا جاتا تھا۔ مغربی تہذیب میں جواب مشرق وسطیٰ کے مسلمان ملکوں میں بھی عام ہو چکی ہے۔ ہوٹلوں میں ٹھہرنے اور ٹھہرانے کو مکان پر ٹھہرانے پر ترجیح دیتے ہیں، نقطۂ نظر یہ ہوتا ہے کہ میزبان اور مہمان دونوں کو آزادی، بے تکلفی اور آرام اسی میں ہے نیز مکانات بھی عام طور پر صرف اپنے مکینوں کی ضرورت سے زیادہ وسعت نہیں رکھتے، اس طریقہ رہائش و مہمان نوازی میں آزادی اور جسمانی راحت تو واقعی خوب ہوتی ہے لیکن محبت و ایثار و خاطرداری کے اس کے اس طرز کی گنجائش نہیں ہوتی جو ہمارے مشرقی نظام میں گھروں پر مہمان کو ٹھہرانے میں پایا جاتا رہا ہے۔

ایم۔ ایس۔ اے کا صدر دفتر

قیام کے لئے اس ہوٹل کا انتخاب اس لئے بھی کیا گیا تھا کہ ایم۔ ایس۔ اے مرکز کا دفتر اس سے قریب ہی واقع ہے۔ آج اس کو دیکھنا بھی ہے۔ چنانچہ ۱۰ بجے دن میں انیس صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ ہم آ رہے ہیں۔ اب ایم۔ ایس۔ اے کے دفتر چلنے کے لئے ہم لوگ تیار ہوئے اور ان کے ساتھ دفتر گئے۔ یہ دفتر اب عارضی ہے کیونکہ ایم۔ ایس۔ اے نے یہاں سے ۲۰۔ ۲۵ میل دور پر ایک وسیع قطعۂ اراضی خرید لیا ہے، جس میں مرکز کی تعمیر بھی شروع کر دی ہے وہ مرکز کی تمام ضروریات کو پورا کر سکے گا اور اس کے ساتھ کچھ

زمین کاشت میں بھی لائی جاسکتی ہے۔ یہ عارضی دفتر اب تک اصل دفتر تھا اور اب بھی ایم۔ ایس۔ اے کے متعدد شعبے اور دفاتر اسی میں ہیں۔ صرف سکریٹری کا آفس مستقل دفتر کی عمارت میں منتقل ہوا ہے۔

یہ عارضی دفتر ایک مختصر سی عمارت میں ہے لیکن اس کو اندر سے ضرورت کے مطابق اچھا منظم کیا گیا ہے۔ دفتر کی ضرورت کا سب سامان اور انتظام قرینہ سے ہے، وہاں پہونچ کر ایک کمرہ میں جہاں چند اہل علم کی نشست ہو رہی تھی اور ایک فکری تنظیم پر وہ غور کر رہے تھے، جا کر بیٹھنا ہوا۔ یہ نشست کئی گھنٹے چلتی رہی۔ اسی دوران ظہر کی نماز کا وقت آگیا اس کے بعد پھر نشست جاری رہی۔

اس دفتر سے ۳ بجے کے قریب اٹھنا ہوا۔ یہاں سے اصل مرکز دیکھنے گئے اچھی خاصی زمین ہے۔ یہ اتفاق سے ایم۔ ایس۔ اے کو کفایت سے مل گئی ہے اب اس کی قیمت کہیں زیادہ ہے۔ ایم۔ ایس نے اس کے تعارف کے لئے ایک جلسہ کیا تھا جس میں پڑوس کے لوگوں کو بلایا اور اس بہانہ ایم۔ ایس۔ اے اور اسلام کا تعارف بھی ہوا، لیکن ریڈیو پر اس کی رپورٹ شرارت آمیز رہی اور وہ اس طرح کہ ایم۔ ایس۔ اے کے کارپردازوں کو حنفی مسلمانوں کے مذہب کے حوالہ سے سمجھایا گیا حالانکہ حنفی مسلمانوں[1] کے نام کی جماعت امریکہ میں ایک مبغوض جماعت ہے کیونکہ عام امریکی کی نظر میں وہ سیاسی مقاصد کے طریقہ کار پر کاربند ہے اس سلسلہ میں ان کے نزدیک اغوا اور قتل کا مقدمہ بھی چل رہا ہے۔ . . . . ریڈیو کے اس تعارف پر ایم۔ ایس۔ اے کے ذمہ داروں نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کا تعارف ایک دہشت پسند جماعت کے حوالہ سے کرنا کون سی معقول بات ہے۔ لوگوں نے بتایا

[1] حنفی جماعت کے بارے میں کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

کہ ایم۔ ایس۔ اے کا یہ مرکز پڑوس میں اسی لئے کچھ خوشی کی نظر سے نہیں دیکھا جاسکا۔

مرکز میں جماعت کے سکریٹری ڈاکٹر محمود رشدان سے ملاقات ہوئی۔ یہاں اٹلی کے اسلامی مرکز کے نمائندہ بھی ملے وہ اٹلی آنے کی دعوت دینے لگے۔ بعض دیگر ملکوں کے اشخاص سے ملاقات ہوئی۔ یمن کے محمد عبدہ ناشر سے بھی ملاقات ہوئی۔

مرکز سے واپسی پر انیس احمد صاحب کے مکان پر جانا ہوا اور وہاں دوپہر کا کھانا کھایا۔ یہاں سے ہوٹل واپسی ہوئی۔ شروع میں تو خیال تھا کہ پروگرام کے مطابق اسی روز بالٹی مور روانہ ہونا ہے لیکن دن بھر کے طویل پروگرام کی وجہ سے . . . اب یہ طے ہوا کہ رات اسی ہوٹل میں گزاری جائے اور دوسرے دن صبح بالٹی مور کا سفر ہو۔

ڈاکٹر یوسف العظم سے ملاقات اور بالٹی مور روانگی
چہارشنبہ یکم جون۔

صبح چائے اور ناشتہ سے فارغ ہو کر بالٹی مور روانگی تھی۔ انیس احمد صاحب آئے اور انہوں نے بتایا کہ وہ ایرپورٹ ذرا پہلے جائیں گے۔ کیونکہ ٹکٹ حاصل کرنا اور بک کرانا ہے۔ یہاں ڈاکٹر محمود رشدان آئیں گے اور ڈاکٹر یوسف العظم نیچے منتظر ہیں۔ رشدان صاحب ان کو اور ہم لوگوں کو ایرپورٹ لے جائیں گے۔ ہم ایک ضرورت سے نیچے آئے تو یوسف العظم کو بیٹھا پایا۔ ان سے ایم۔ ایس۔ اے کے آخری جلسہ کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی۔ یوں کئی سال قبل عمان میں ملاقات ہو چکی تھی اور اچھا تعارف تھا۔ انہوں نے سید قطب شہیدؒ پر ایک ضخیم کتاب تصنیف کی ہے۔ مولانا مدظلہ سے

اس کے لئے مقدمہ بھی لکھوایا تھا۔ اثنائے کلام میں ایم۔ایس۔اے کے آخری جلسہ کا ذکر آیا۔ ان کو یہ شبہ تھا کہ مولانا مدظلہ نے اپنی تنقیدی و جوابی تقریر میں ان پر تنقید کی۔ ہم نے صفائی دی اور کہا کہ اصلاً رشید عیسیٰ کی تقریر پیش نظر تھی (رشید عیسیٰ نے جلسہ میں جو تقریر کی تھی اس میں سید قطب کو بہت گرایا تھا اور مولانا مودودی کو غلو کے ساتھ بڑھایا تھا جس کے جواب میں یوسف العظم نے اپنے افسوس کا اظہار کیا تھا اور سید قطب کی طرف سے دفاع کیا تھا۔ مولانا مدظلہ کی تقریر ان دونوں کے بعد ہوئی تھی) عظم صاحب ہماری بات سے کچھ مطمئن ہوئے۔ وہ مولانا مدظلہ سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ اردن کے بڑے فضلاء میں ہیں اور بہت اچھے مقرر اور اہل قلم ہیں۔ اردن پارلیمنٹ کے رکن بھی ہیں۔ یوسف العظم کا ساتھ ایرپورٹ تک رہا اور وہاں وہ دوسری طرف روانہ ہوئے اور ہم لوگ بالٹی مور روانہ ہوئے۔ بالٹی مور کا فاصلہ یہاں سے ۷ سو میل کے لگ بھگ تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ میں طے ہوا ــ پروگرام یہ تھا کہ بالٹی مور میں یہ دن گزار کر اگلے روز صبح بذریعہ ٹرین نیویارک جائیں گے۔ مولانا مدظلہ کی خواہش تھی کہ امریکہ میں ریل کا سفر بھی ہو جائے تاکہ اس ذریعہ سفر کو بھی دیکھ اور جان سکیں۔

ڈاکٹر شوکت یوسف خاں اور ساجد حسین صاحب

بالٹی مور میں ڈاکٹر شوکت یوسف خان سے ٹیلی فون پر پہلے ہی بات ہو گئی تھی وہ آئی اسپیشلسٹ ہیں۔ مولانا مدظلہ کو ان سے رائے لینا تھی کہ آنکھ کا آپریشن کرانا مناسب ہے یا نہیں کیونکہ مولانا مدظلہ کو کٹریکٹ (CATARACT) (موتیا بند) اور ہائی مائی اوپیا (HIGH MYOPIA) (دور کی نظر کی خرابی) دونوں مرض ہیں۔

اس کی وجہ سے شاید آپریشن میں کوئی پیچیدگی ہو۔ بالٹی مور ایرپورٹ پر خود ڈاکٹر صاحب تو نہ آسکے البتہ انہوں نے اپنے ایک دوست ساجد حسین صاحب ولد ماجد حسین صاحب کو بھیجا۔ وہ بالٹی مور میں کاروبار کرتے ہیں۔ پاکستان کے ہیں۔ ان کے والد ماجد حسین صاحب فتحپور (ہنسوہ) کے رہنے والے تھے ان سے مولانا مدظلہ کا تعارف لاٹلپور کے زمانۂ قیام میں ہو چکا تھا۔ اس لئے ساجد صاحب تعلق و محبت کے ساتھ ملنے آئے اور اپنی کار سے اپنے مکان لے گئے۔ چائے اور پھر دوپہر کا کھانا انہیں کے یہاں کھایا۔ کھانے کے وقت ڈاکٹر شوکت بھی پہونچ گئے اور کھانے میں شریک رہے۔ ان سے آنکھ اور اس کے آپریشن کا تذکرہ رہا پھر انہوں نے اپنے مکان پر چلنے کو مشورہ دیا۔

بالٹی مور شہر اور ڈاکٹر صاحب کی آئی کلینک میں

وہ آنکھ کا تفصیلی معائنہ کرنے کے لئے پہلے اپنے کلینک لے گئے۔ پھر اپنے مکان لے گئے۔ ان کا کلینک شہر کے اندر یعنی ڈاؤن ٹاؤن میں ہے۔ شہر بڑا اور ترقی یافتہ ہے۔ امریکہ کے بڑے شہروں میں اس کا نمبر ساتواں ہے سیس کوئن ہانا دریا (SUSQUEHANNA RIVER) پر واقع ہے جو اس کو سمندر سے ملاتا ہے۔ چنانچہ وہ امریکہ کی ایک بندرگاہ بھی ہے۔ مشرق اور یورپ سے آنے والے اسٹیمر یہاں پہونچتے ہیں۔ بندرگاہ (SEA PORT) ہونے کے باعث شہر درآمد برآمد کا ایک مرکز بھی ہے۔ ۹ لاکھ سے زیادہ آبادی ہے۔ یہاں کی یونیورسٹی کا میڈیکل کالج عالمی شہرت رکھتا ہے۔ عالمی شہرت رکھنے والے میڈیکل کالج امریکہ میں بہت ہیں۔

امریکہ میں علاج چشم و ماہرین چشم

ڈاکٹر شوکت نے بتایا کہ امریکہ میں ۲۰۰ (دو سو) آنکھ کے اسپتال ہوں گے جن میں دس عالمی شہرت کے مالک ہیں۔ انہوں نے آنکھ کے معاملہ میں دو چوٹی کے ڈاکٹر بتائے۔ ایک ڈاکٹر مامنی (Dr. MAMANY) بالٹی مور میں اور دوسرا ڈاکٹر شے (Dr. SCHEIE) فلاڈلفیا میں۔ اول الذکر یہودی ہے اور ثانی الذکر عیسائی اور مذہبیت پسند۔ لہذا ان کی رائے آپریشن کے لئے اسی ثانی الذکر کی ہوئی۔ انہوں نے اپنے کلینک میں مولانا مدظلہ، کی آنکھ کا فنی معائنہ کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر شے سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا اور آنکھ دیکھنے کے لئے وقت طے کرنا چاہا۔ ڈاکٹر شے نے کسی قریبی وقت کے دینے سے معذرت کی۔ مولانا مدظلہ، طویل مدت تک امریکہ ٹھہرنے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے قریبی وقت کے حصول کے لئے کوشش کے خواہشمند ہوئے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر شے کے ایک شاگرد ڈاکٹر اعوان ہیں جو قریب کسی شہر میں پریکٹس کرتے ہیں۔ وہ اگر کوشش کریں تو شاید ڈاکٹر شے کو توجہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور بعد میں اس سے کامیابی ہوئی۔ مقررہ تاریخ سے کئی روز پہلے کی تاریخ مقرر ہو گئی

امریکی آبادی کے درمیانی فاصلے

ڈاکٹر شوکت بڑے مصروف ڈاکٹر ہیں اس لئے ان کی کلینک میں ان کے فارغ ہونے کا ہم لوگوں کو بہت انتظار کرنا پڑا۔ بالآخر عصر کے قریب وہ اپنے

مکان پر آئے جو کہ شہر سے باہر دیہات میں ہے۔ غالباً شہر سے تیس میل کا فاصلہ ہوگا۔ فاصلہ دریافت کرنے پر کہنے لگے ۲۰ منٹ کے فاصلہ پر ہے۔ کہنے لگے امریکہ میں شہر و مضافات شہر کے فاصلے میلوں کے بجائے منٹوں میں بتائے جاتے ہیں کیونکہ ہر برسر کار آدمی کے پاس کار ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے میلوں کی اہمیت باقی نہیں رہی اب صرف وہ وقت پیش نظر رکھا جاتا ہے جو بذریعہ کار ان فاصلوں میں صرف ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں کے لوگ بے تکلف دور دراز پھیلے ہوئے مکانات میں رہائش اختیار کر لیتے ہیں اور بآسانی دفتر اور مکان کے درمیان آمد و رفت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اس خیال کی تصدیق پورے امریکہ کے سفر میں ہوئی اور ہر جگہ طویل فاصلوں سے سابقہ رہا۔ تیس میل دور جلسہ ہے اور بیس میل دور کھانا ہے پھر بیس میل واپس آنا ہے۔ یہ راستہ کا کھیل دیکھا۔ چنانچہ مولانا مدظلہ، نے ایک موقع پر فرمایا کہ یہاں شاید کوئی جگہ بیس میل سے کم دور نہیں ہوتی جب سنو یہی بیس میل، ۳۰ میل۔ لیکن سڑکوں کے عمدہ انتظام اور کاروں کی سہولت کی وجہ سے یہ فاصلے بار نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر جاوید شفیع صاحب کے مکان پر قیام

عصر کے وقت ان کے چند دوست اور دعوتی کام کے ان کے ساتھی اکٹھا ہوئے اور اسلامی امور پر گفتگو اور سوال و جواب کی مجلس رہی۔ ڈاکٹر صاحب کے دوستوں میں ایک صاحب ڈاکٹر جاوید شفیع ہیں جو قلبی امراض کے ماہر ہیں۔ ڈاکٹر شوکت صاحب کی طرح وہ بھی پنجابی ہیں اور دینی کوششوں میں شریک ہیں۔ بالٹی مور کی اسلامی

انجمن کے صدر اور ڈاکٹر شوکت صاحب سکریٹری ہیں۔ طے یہ ہوا کہ ان کے مکان میں قیام کی جگہ زیادہ وسیع ہے اس لئے رات انہی کے یہاں گذاری جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر شوکت صاحب کے یہاں سے فرصت پاکر ان کے یہاں جانا ہوا، ڈاکٹر شوکت صاحب کا مکان بھی اچھی پرفضا جگہ پر تھا لیکن ڈاکٹر جاوید صاحب کا مکان تو نہایت ہی پرفضا جگہ پر ہے ہر طرف سبزہ زار اور شاداب، نشیب و فراز پھیلے ہوئے ہیں۔ دراصل یہ پورا علاقہ امریکہ کے شاداب ترین خطوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ میری لینڈ اسٹیٹ (MARY LAND STATE) ہے جس کا بڑا شہر یہ بالٹی مور ہے۔

پنجشنبہ، ۲ جون

ڈاکٹر جاوید کے یہاں رات گذاری۔ ان کے مکان کی نچلی منزل جو بیسمنٹ (BASE MENT) "تہہ خانہ" کی بھی حیثیت رکھتی تھی، ایک بیڈروم اور ایک ڈرائنگ روم پر مشتمل ہے۔ بیڈروم اور ڈرائنگ روم دونوں سلیقہ کے . . . . . . اور مناسب تھے، اسی کے سامنے باہری رُخ پر موٹر خانہ ہے۔ صبح کو اوپر کی منزل پر جاکر چائے اور ناشتہ کیا۔ یہ مکان کی پہلی اور دراصل رہائشی منزل تھی وہ ضروری فرنیچروں سے آراستہ تھی۔ جائے طعام کے سامنے کی کھڑکی وسیع سبزہ زاروں کی طرف کھلتی تھی جن کو دیکھ کر طبیعت کو فرحت حاصل ہوتی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ علاقہ پہلے آباد نہ تھا اب یہاں بھی آبادی خاصی ہوگئی ہے۔ اور یہ بالٹی مور کا ایک مضافاتی قریہ ہوگیا ہے۔ اس میں پڑھے لکھے خوش حال لوگوں کی آبادی ہے۔

امریکہ میں ریل کے ذریعہ پہلا سفر

کچھ دیر میں ڈاکٹر شوکت صاحب اپنی کار لے کر آئے اور ہم لوگوں کو ریلوے

اسٹیشن لے گئے۔ ٹرین کا وقت قریب تھا۔ جلدی جلدی ضروری امور انجام دیے اور پلیٹ فارم پر پہونچے۔ اسی وقت ریل آئی مولانا مدظلہ اور ہم اس میں سوار ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہم دونوں کے لئے ایرکنڈیشنڈ فرسٹ کلاس کے ٹکٹ لے لئے تھے۔ ریل کی سواری عمداً اختیار کی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ہندوستان میں زیادہ تر اسی کے عادی اور مانوس ہیں۔ اس پر سفر زیادہ خوشگوار معلوم ہوتا ہے دوسرے اس لئے کہ یہاں کی ریل کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے کہ ہمارے یہاں سے کیا فرق ہے۔ پلیٹ فارم پر ایسے اشارے لگے ہوئے ہیں جن سے یہ تعین ہوجاتا ہے کہ کون کمپارٹمنٹ کس جگہ ٹھہرے گا تاکہ مسافر کو اپنی ضرورت کا کمپارٹمنٹ تلاش کرنے میں زحمت نہ ہو۔ وہ ریل آنے سے قبل اس جگہ پہونچ جائے اور اپنے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوسکے۔ کمپارٹمنٹ کے دروازہ پر ریلوے کی طرف سے اٹنڈنٹ (ATT-ENDANT) "معاون" کھڑا ملا۔ اس نے سامان کو اندر کرنے میں مدد کی، اور مناسب جگہ کی طرف رہنمائی بھی کی اور ٹرین روانہ ہوگئی۔ راستہ میں ہر اسٹیشن کی آمد سے قبل ریلوے معاون اعلان کرتا تھا کہ اب فلاں اسٹیشن آرہا ہے تاکہ اس اسٹیشن پر اترنے والے تیار ہوجائیں اور اسٹیشن آنے پر ان کے اترنے میں تاخیر نہ ہو۔ اس کی وجہ سے ٹرین کو کسی اسٹیشن پر زیادہ ٹھہرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ڈبے اندر سے صوفوں سے آراستہ تھے جو گھومنے والے اور نرم اور آرام دہ تھے۔ چھت ہوائی جہاز کے چھت کی طرح تھی۔ ہر ڈبہ سے دوسرے ڈبہ میں جانے کے لئے راستہ (CORRIDOR) تھا، اسی سے ملا ہوا باہر جانے آنے کا راستہ تھا۔ ڈبہ کا اندرونی دروازہ آٹومیٹک طریقہ سے بند ہوجاتا۔ پیر کی ٹھوکر سے دروازے کے

نیچے کے حصہ میں راستے سے کھل جاتا، اور ایک منٹ میں خود بند ہو جاتا۔ ریل کے ایک حصہ میں کیفیٹیریا بھی تھا۔ لوگ کوریڈر کے درمیان سے گذر کر حسب ضرورت سامان خرید لیتے اور اپنی جگہ پر لاکر استعمال کرتے۔ ڈبوں سے باہر کی طرف دیکھنے کے لئے بڑے سائز کے شیشے لگے تھے جو جڑے ہوئے تھے۔ کھلتے بند ہوتے نہیں تھے ٹرین اندازاً ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلی کیونکہ اس نے نیویارک جو کہ یہاں سے دو سو میل کے لگ بھگ ہوگا ۱۲ بجے پہونچایا۔ راستے میں کئی مقامات ملے جن میں خاص طور پر فلاڈلفیا وسیع اور بڑا شہر معلوم ہوا۔ جیسے جیسے نیویارک قریب آتا گیا یہ فکر ہوئی کہ اسٹیشن آنے سے قبل معلوم ہو جائے۔ احتیاطاً کنڈکٹر سے کہا کہ نیویارک آنے سے قبل بتا دیجئے گا۔

نیویارک کا ریلوے اسٹیشن

امریکہ میں ریلوے بھی پرائیویٹ سکٹر میں داخل ہے متعدد ریلوے ادارے ہیں جن کو متعدد کمپنیاں چلاتی ہیں۔ ہم نے جس ریلوے سے سفر کیا اس کا نام امٹریک... (AMTRACK) تھا۔ کرایہ اچھا خاصا ہوتا ہے ——— ہماری یہ ٹرین نیویارک اسٹیشن سے قبل ایک سرنگ سے گذری جو کہ نیوجرسی (NEW JERSY) کے علاقہ کو نیویارک سے ملاتی ہے۔ درمیان میں ہڈسن (HUDSON RIVER) نامی دریا ہے۔ نیویارک کا یہ اسٹیشن میڈیسن اسکوائر سنٹر ——— (MADISON SQUARE CENTER) ——— کی عمارت میں ہے اور پنسلوانیا اسٹیشن (PINSYLVANIA STATION) کہلاتا ہے۔ زیر زمین بہت وسیع اور

آباد اسٹیشن ہے۔ پلیٹ فارم کی منزل سے اوپر والی منزل تہہ خانہ ہی کی منزل ہے۔ یہاں مسافروں کے بیٹھنے کی معقول جگہیں بنی ہوئی ہیں اور ضرورت کی چیزوں کی دوکانیں نیز ریلوں کی آمد و رفت اور پلیٹ فارموں کے متعلق اعلان کے لئے کاؤنٹر بنے ہوئے ہیں۔ یہیں ایک بڑے شوکیس میں محمد علی کلے کا ایک مجسمہ لگا ہوا دیکھا، وہ اپنے سر کی حرکت کے ساتھ اس طرح تقریر کر رہا تھا جیسے کہ زندہ آدمی بول رہا ہو۔ باقاعدہ اس کا منہ الفاظ کے نکلنے کے ساتھ حرکت کرتا تھا۔ لوگ بھی اکٹھا تھے۔ اور بعض لوگ تو شوکیس کے اندر گھس کر اس کا منہ چھو کر دیکھنے لگے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ کسی کمپنی نے اشتہار کے طور پر لگایا ہے۔ یہاں اشتہار کے لئے طرح طرح کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ہم جب ایک دوسرے موقع پر اس اسٹیشن سے گذرے تو یہ مجسمہ نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ شاید صرف دو ایک روز ہی کا تماشہ تھا۔

نیویارک کا یہ اسٹیشن بڑا آباد اور بھرا ہوا اسٹیشن ہے جیسا کہ ہمارے ہندوستان کے بعض بڑے اسٹیشن ہوتے ہیں۔ اس اسٹیشن کے ایک پہلو میں (انڈر گراؤنڈ) زمین دوز ریلوے کا بھی راستہ ہے۔ اس کے اندر جانے سے انڈر گراؤنڈ ریلوے کے پلیٹ فارم ملتے ہیں۔ اس اسٹیشن کو پنسلوانیا اسٹیشن کہتے ہیں کیونکہ یہاں سے اسی رخ کی طرف گاڑیاں جاتی ہیں اور اس کی عمارت میڈیسن اسکوائر کہلاتی ہے اس کی ضروری تفصیل انشاء اللہ دوسرے موقع پر آئے گی۔

اسٹیشن ہی پر ڈاکٹر مطیع صدیقی اور سید ساجد حسین صاحب ملے۔ وہ لینے آئے تھے۔ ان کے ساتھ باہر آنا ہوا۔ قریب ہی مطیع صاحب کی کار موجود تھی اس میں سوار ہوئے۔ کیونکہ یہ طے ہوا تھا کہ دو ایک روز مطیع صاحب کے یہاں گذار کر ساجد

صاحب کے یہاں آئیں گے اور پھر امریکہ کے دعوتی دورے کا پروگرام شروع ہوگا جو تین ہفتہ پر پھیلا ہوا ہے۔

نیویارک اور اس کے قرب و جوار میں

شہر کے مرکزی حصے یعنی جزیرہ مین ہاٹن (MANHATTAN) میں ہماری یہ پہلی آمد تھی۔ اس سے قبل صرف شہر نیویارک کے غیر مرکزی حصہ میں اترے تھے۔ اصل نیویارک میں جانا نہیں ہوا تھا۔ اصل نیویارک یعنی جزیرہ مین ہاٹن میں نیویارک کی تمام فلک بوس عمارتیں اور اس کے اصل بازار اور دفاتر ہیں۔ اور نیویارک کی عظمت اور اہمیت کا مظہر یہی خطہ ہے البتہ آبادی اور انتظامی تقسیم کے اعتبار سے یہ عظیم نیویارک، کے پانچ حلقوں میں سے صرف ایک حلقہ ہے۔ نیویارک شہر کو جو اپنے پھیلاؤ اور آبادی کے لحاظ سے دراصل متعدد شہروں کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے کئی حلقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہر حلقے کو بارو (BOROUGH) کہتے ہیں۔ اور یہ بارو اپنے انتظامات میں مستقل حیثیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی مجالس اور ان کے صدور مجالس اپنے اپنے بارو میں مستقل اختیارات کے مالک ہوتے ہیں۔ اور ان سب کے مجموعے کی مرکزی مجلس کارپوریشن (CORPORITION) کہی جاتی ہے اس کا میئر (MAYOR) ہوتا ہے جو پورے سٹی (شہر) پر اختیارات رکھتا ہے۔ اس کے بہت وسیع اختیارات ہوتے ہیں۔ نیویارک کے پانچ بارو حسب ذیل ہیں:۔

مین ہاٹن (MAN HATTAN) کوئینز (QUEENS) برونکس

(BRONX) برونکس (BROOKLYN) بروکلین اور اسٹیٹن آئی لینڈ (STATEN ISLAND) ان میں سے کوئینس اور بروکلین ایک ہی بڑے جزیرے لانگ آئی لینڈ کے مغربی جنوبی حصوں پر آباد ہیں۔ لیکن بقیہ میں سے ہر ایک بارو ایک مستقل جزیرہ پر آباد ہے۔ اس طرح یہ نیویارک سٹی چار جزیروں کا مجموعہ ہے جو آپس میں پلوں اور سرنگوں سے ملے ہوئے ہیں۔ اس وقت نیویارک کی آبادی ۸۰ لاکھ ہے۔ جن کی بارو کے اعتبار سے تفصیل حسب ذیل ہے :۔

مین ہاٹن یہ صدر شہر اور اصلی نیویارک ہے اور مستقل جزیرہ ہے۔ نیویارک کی تمام مشہور اور بلند عمارتیں اسی میں ہیں۔ آبادی ۱/۲ ۱۵ لاکھ، برونکس ۱/۲ ۱۴ لاکھ، کوئینس تقریباً ۲۰ لاکھ، بروکلین ۲۶ لاکھ اور اسٹیٹن آئی لینڈ تقریباً ۳ لاکھ ہے۔ نیویارک جس صوبہ میں ہے وہ ملک کا نمبر ۲ کا بڑا صوبہ ہے۔ اس کی آبادی ۲ کروڑ سے کچھ کم ہے۔ اس کی نصف کے قریب تنہا نیویارک شہر میں رہتی ہے۔ صوبہ کو بھی نیویارک ہی کا نام دیتے ہیں۔

اسٹیشن سے باہر آنے پر نیویارک کی فلک بوس عمارتوں کے نیچے سے گذرتے ہوئے ڈاکٹر احمد مطیع صدیقی کے مکان کو روانہ ہوئے۔ مین ہاٹن سے لانگ آئی لینڈ بذریعہ ٹنل (TUNEL) سرنگ جانا تھا۔ یہ سرنگ سمندر کی پٹی کے اندر جو ایسٹ دریا (EAST RIVER) سے بنی ہے اسے گذرتی ہے اور دو سرنگوں کا مجموعہ ہے۔ ایک جانے کے لئے اور ایک آنے کے لئے۔ ہر سرنگ دو ٹریک (راستوں) پر مشتمل ہے تاکہ موٹروں کی دو رو گذر سکیں۔ سرنگ کے اندر کوئی موٹر جو رو اختیار کرلے تو اس کو آخر تک اسی رو پر چلنا ہوتا ہے۔ تاکہ دوسری رو پر آنے والی

گاڑی سے ٹکر نہ ہو۔ سرنگ صاف ستھری اور بجلی سے خوب روشن ہے۔ وقت چونکہ دوپہر کا تھا جو کہ لوگوں کے آفسوں اور کارخانوں کا وقت ہے اس لئے سرنگ میں بہت کم آمد و رفت تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ صبح و شام اس میں شدید رش ہوتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم لوگ لانگ آئی لینڈ میں نکل آئے۔ یہ علاقہ کوئینس کہلاتا ہے۔ لانگ آئی لینڈ بڑا جزیرہ ہے۔ اس میں نیویارک سٹی کچھ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بعد کا بقیہ جزیرہ سٹی سے باہر ہے۔ ڈاکٹر صدیقی باہری حصہ میں رہتے ہیں۔ ان کے علاقہ کو ووڈمیر (WOOD MERE) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ سٹی کی سرحد سے تین چار میل کے فاصلے پر ہے۔ اسی کے قریب بروکلین ہے، اسی کے قریب کوئینس کی سرحد میں نیویارک کا انٹرنیشنل ایرپورٹ کینیڈی ایرپورٹ (KENNEDY AIRPORT) ہے جہاں امریکہ پہونچنے پر ہم لوگوں کا اترنا ہوا تھا اور پھر لگا گوڑیا ایرپورٹ (LAGUARDIA AIRPORT) جو کہ کوئینس ہی کی دوسری طرف اسی لانگ آئی لینڈ میں ہے۔ انڈیانا پولس روانگی ہوئی تھی۔ کینیڈی ایرپورٹ پر ہوائی آمد و رفت کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ یہاں ہر منٹ پر ایک پرواز کا اوسط ہے۔

امریکہ کے اہم خطے اور دورہ کا پروگرام

ڈاکٹر صاحب کے مکان پر ایک روز آرام کرنا ہے۔ اگلے روز سے ایک ہفتہ کے لئے امریکہ کے مشرقی منطقہ کا دعوتی دورہ شروع کرنا ہے جس کے ضمن میں نیویارک اور اس کے مضافات میں شروع کے کئی روز گذریں گے۔ اسی درمیان میں اصل

نیویارک یعنی مین ہاٹن کی سیر بھی کر لی جائے گی۔ اصل نیویارک کے متعلق تھوڑی بہت تفصیل بھی اسی موقع پر بیان کی جائے گی۔ فی الحال امریکہ کے ان علاقوں کے متعلق کچھ وضاحت کر دینا مناسب ہے جن کا بیس۲۰ روزہ دورہ ہونا ہے۔

یوں تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کا ملک ۵۱ صوبوں پر مشتمل ہے، لیکن اس کے اہم صوبے جن میں امریکہ کے اہم اور خصوصی شہرت رکھنے والے شہر واقع ہیں تقریباً دس بارہ صوبے ہیں۔ اس دورہ میں ان میں سے اکثر سے گذرنا ہوگا۔ شمال مشرقی علاقے میں ماساچوسیٹس (MASSACHUSETTS) ہے جس کے اہم شہر بوسٹن (BOSTON) کیمبرج (CAMBRIDGE) ہیں۔ یہ امریکہ کا وہ حصہ ہے جہاں یورپی انسانوں کے قدم سب سے قبل پڑے اور ان کا وہ قافلہ جو یورپی ظلم سے فرار اختیار کر کے امریکہ پہونچا تھا آباد ہوا۔ یادگار کے طور پر ان کی وہ تاریخی کشتی جس پر وہ یہاں پہونچے تھے یہاں اب بھی محفوظ رکھی گئی ہے۔ یہاں کے مختلف مقامات کے ناموں اور یہاں کی بعض آبادیوں کی ثقافت کی انگریزی نسبت اب بھی ظاہر ہوتی ہے۔ کیمبرج کی ہارورڈ یونیورسٹی (HARVARD — UNIVERSITY) عالمی شہرت رکھتی ہے۔ اسی کے قریب بجانب جنوب مغرب نیویارک اسٹیٹ ہے۔ جس کی سب سے بڑی اہمیت اس کا نیویارک شہر ہے جس میں مین ہاٹن کا متمدن اور دولت مند جزیرہ ہے۔ نیز اسی اسٹیٹ کے شمالی مغربی حصہ میں جو کہ کناڈا سے ملتی ہے مشہور عالم نیاگرا آبشار (NIAGARA FALLS) ہے جس کا ایک رخ کناڈا (CANADA) کے شہر ٹورنٹو (TORONTO) میں ہے دوسرا امریکی سرحد کے اندر بفالو (BUFFALO) میں۔

نیویارک اسٹیٹ سے جنوب میں شہر نیویارک سے بالکل متصل نیو جرسی اسٹیٹ ہے جس کا شمالی حصہ جرسی سٹی (JERSY CITY) کہلاتا ہے اور وہ شہر نیویارک سے اسقدر قریب ہے کہ گویا نیویارک ہی کا ایک جز ہے۔

نیو جرسی اسٹیٹ سے جنوب مغرب میں پنسلوانیا اسٹیٹ ہے جس کا مشہور شہر فلاڈلفیا ہے جو امریکہ کے چند بڑی آبادی رکھنے والے شہروں میں سے ایک ہے۔ امریکہ کے مشہور آزادی کا اعلان اسی شہر سے ہوا۔ آزادی کا گھنٹہ بطور یادگار کے یہاں قائم ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر اس اسٹیٹ کو امریکہ کی کلیدی ریاست کا نام دیا جاتا ہے۔ واشنگٹن سے قبل یہی صدر مقام تھا۔

پنسلوانیا اسٹیٹ سے متصلاً جنوب مغرب میں ریاست مری لینڈ (MARY—LAND) ہے جو بہت شاداب اور خوبصورت علاقہ ہے۔ اس کا مشہور شہر بالٹی مور ہے جو امریکہ کے تجارتی و کاروباری شہروں میں ممتاز مقام رکھتا ہے اور امریکہ کی ایک مشہور بندرگاہ ہے۔ مری لینڈ سے متصل ہی ورجینیا اسٹیٹ (VIRGINIA — STATE) ہے جس کی سرحد پر واشنگٹن ڈی سی واقع ہے۔ یہ امریکہ کا دارالسلطنت ہے۔ اس کے نام کے ساتھ ڈی سی ڈسٹرکٹ آف کولمبیا (DISTRICT OF COLUMBIA) کا مخفف ہے۔ یہ شہر اپنا مستقل علاقہ رکھتا ہے کسی اسٹیٹ کا جز نہیں ہے۔ اس کے نام کے ساتھ ڈی سی کے حروف واشنگٹن اسٹیٹ سے فرق . . . . کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جو کہ امریکہ کے مغربی ساحل پر کیلیفورنیا (CALIFORNIA) کے شمال میں واقع ہے۔

امریکہ کی یہ مشرقی ریاستیں ہیں جن پر دعوتی دورہ کا پہلا ہفتہ گذرنا تھا۔

انہی ریاستوں کے مغرب میں وسطی امریکہ کی تین ریاستوں میشیگن (MICHIGAN) الینوائے (ILLINOIS) اور انڈیانا (INDIANA) بھی دورہ کے علاقہ میں شامل ہیں۔ ان میں سے انڈیانا امریکہ کے پہلے ہفتہ کے پروگرام میں گذری ہے۔ اور میشیگن اور الینوائے تیسرے ہفتہ کے پروگرام میں شامل رکھی گئی ہے میشیگن کی ریاست موٹر سازی کا مرکز ہے۔ اور یہاں دنیا کے مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے مزدوروں کی خاصی بڑی تعداد ہے۔ اس کا سب سے بڑا شہر اور صنعتی مرکز شہر ڈیٹرائٹ (DETROIT) ہے جس کی بڑی آبادی کارخانوں کے مزدوروں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک ترقی یافتہ اور بڑا شہر ہے۔ الینوائے کی ریاست لینڈ آف لنکن (LAND OF LINCOLN) کہلاتی ہے اور اس کا سب سے بڑا شہر شیکاگو ہے جو پورے امریکہ میں نمبر ۲ کا شہر ہے۔ اور کئی خصوصیات میں نیویارک شہر سے آنکھ ملاتا ہے اور بعض باتوں میں نیویارک سے بھی فائق ہے۔

دورہ کا دوسرا ہفتہ کناڈا کے دو صوبوں کوبیک (QUEBEC) اور اونٹاریو (ONTARIO) نیز امریکہ کے مغربی علاقہ کے دو صوبے کیلی فورنیا اور ریاست اوٹا (UTAH STATE) میں جانا ہے۔ کوبیک کا بڑا شہر مونٹریال (MONTREAL) ہے جس کے چند میل کے فاصلہ پر ملک کا دارالسلطنت اوٹوا (OTTAWA) واقع ہے اور اونٹاریو کا بڑا شہر ٹورنٹو ہے۔ مونٹریال اور ٹورنٹو پورے ملک میں سب سے بڑے شہر ہیں اور آبادی میں تقریباً مساوی ہیں۔ ثانی الذکر میں فرانس (FRANCE) کی چھاپ ہے اور وہاں ملک سے علیحدگی کی تحریک بھی چل رہی ہے۔ اوّل الذکر برطانوی چھاپ رکھتا ہے اور وہی پورے

ملک کا رنگ ہے۔ امریکہ کے مغربی علاقہ میں کیلی فورنیا پورے امریکہ میں اپنے موسم اور زمینی زرخیزی کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا موسم ہندوستان کے موسم سے قریب تر ہے۔ اس لئے اس صوبے میں ہندوپاک کے لوگ بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ یہ امریکہ کے بڑے صوبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں آزادی اور بے راہ روی زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہیں شہر ہالی ووڈ (HOLLY WOOD) ہے جو فلمی صنعت کا سب سے بڑا اور بین الاقوامی مرکز ہے۔ اس صوبہ کے مشہور شہر سان فرانسسکو (SAN FRANCISCO) اور لاس اینجلس (LOS-ANGELES) ہیں۔ اوّل الذکر آبادی میں چھوٹا لیکن خوبصورت اور ثانی الذکر آبادی میں امریکہ کا نمبر ۲ یا نمبر ۳ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دونوں ساحل سمندر پر واقع ہیں۔

کیلی فورنیا سے مشرق میں ریاست اوٹا (UTAH) ہے جو آبادی کے لحاظ سے چھوٹی اور کم شاداب ریاست ہے۔ لیکن وہاں نمک کی جھیلیں ہیں اور بڑی تعداد میں نمک نکالا جاتا ہے اس کا مشہور اور بڑا شہر سالٹ لیک سٹی (SALT LAKE CITY) ہے۔

اس طرح پر امریکہ کی گیارہ ریاستیں اور کناڈا کی دو ریاستیں دورہ کا علاقہ بنیں جن کے اہم اور مشہور شہروں میں جانے کا پروگرام بنا۔ اور چونکہ محدود وقت میں ان سب میں سے گذرنا اور دیکھنا تھا اس لئے حسب گنجائش کسی میں ایک روز اور کسی میں دو روز اور کسی میں اس سے بھی کم یا اس سے کچھ زیادہ وقت گذارنے کا پروگرام طے ہوا۔ آج جمعرات کا دن ڈاکٹر مطیع صاحب کے یہاں گذارنا تھا اور اگلا دن جمعہ متحدہ اقوام کے لئے طے ہوا۔

ڈاکٹر مطیع صدیقی کے مکان "ندوہ" میں

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان کے مکان لانگ آئی لینڈ میں دوپہر کے وقت آئے۔ ڈاکٹر صاحب سے بچپنے سے ہی پڑوسیوں بلکہ عزیزوں جیسا رابطہ رہا ہے۔ اس لئے ان کا گھر بالکل اپنا گھر معلوم ہوا اور انہوں نے بھی بڑے شوق و ذوق سے ٹھہرایا۔ مکان کا ایک بالائی کمرہ ہم لوگوں کے لئے خالی کر دیا جو اچھے فرش اور دو نرم بستروں سے آراستہ تھا۔ کمرہ کی ایک طرف کی کھڑکی باہر سڑک پر اور ایک طرف کی کھڑکی مکان کے سرسبز لان پر کھلتی تھی۔ وہاں پہونچکر سب سے پہلے ہم لوگوں کو ڈاکٹر صاحب کے والد اور ہمارے مشفق استاد جناب محمد سمیع صدیقی یاد آئے جن کو امریکہ اپنے صاحبزادے کی دعوت پر ہم لوگوں سے پہلے ہی پہونچنا تھا لیکن سفر کے معاملات کی انجام دہی میں تاخیر کی وجہ سے اب تک نہیں پہونچ سکے تھے۔ ہم لوگوں کا بہت جی چاہتا تھا کہ اس موقع پر وہ بھی ہوتے۔ ان کی محبتوں اور ذوق علمی کے باعث یہ قیام اور بھی زیادہ دلچسپ اور پر لطف بن جاتا۔ معلوم ہوا کہ انشاء اللہ جلد ہی ان کی آمد متوقع ہے۔ ہمارے ماسٹر صاحب اور ان کے تمام صاحبزدگان کو ندوہ سے بڑا تعلق ہے۔ چونکہ ان سب کا سارا نشو و نما وہیں رہ کر ہوا ہے۔ اس لئے وہ سب اس سے وطن کی طرح محبت کرتے ہیں اور جہاں بھی رہیں اس کو یاد کرتے ہیں۔ اور اسی لئے جب ڈاکٹر مطیع صاحب نے یہ مکان خریدا تو اس کا نام "ندوہ" رکھا اور پوسٹ آفس میں بھی اندراج کرایا اور اپنے پتہ کا اس کو جز بنایا۔ چنانچہ ان کے لیٹر پیڈ پر ان کے پتہ میں

یہ نام شامل ہے۔ اس طرح ہم لوگ نیویارک میں ہونے کے باوجود "ندوہ" میں ہیں۔
بھلا اس کا کون یقین کرے گا؟ مگر امریکہ کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں، امریکہ میں
ندوہ کیا ہندوستان اور دنیا کے دیگر ملکوں کے کئی شہر اپنے اصل ناموں کے ساتھ
پائے جاتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ وہاں بھی اسی طرح نام رکھے گئے ہوں جو بعد
میں اصل بن گئے۔ مثلاً خود نیویارک اسٹیٹ میں ہندوستان کا دارالسلطنت دہلی
(DELHI) پایا جاتا ہے اور ٹورنٹو کے پاس صوبہ اونٹاریو (ONTARIO)
میں یوپی کا دارالسلطنت ہمارا لکھنؤ پایا جاتا ہے۔ اور اسی طرح شیکاگو کے
صوبہ میں مصر کا دارالسلطنت قاہرہ پایا جاتا ہے۔ انہی میں یہ اضافہ کیا گیا ہے
کہ نیویارک اسٹیٹ کے ووڈمیر ٹاؤن (WOODMERE TOWN) میں ہمارا
ندوہ (NADWA) بھی ہے۔

شام کو مطیع صاحب نے اپنے کئی دوستوں کو بھی بلایا۔ ہمارے دوسرے میزبان
اور دوست سید ساجد حسین صاحب بھی آگئے۔ اچھی اور پر لطف شام گذری اور
تھوڑی دیر کے لئے ہم لوگ بھولے رہے کہ ندوہ میں نہیں ہیں امریکہ میں ہیں۔
کھانا ساتھ کھایا گیا جو مطیع صاحب کی اہلیہ نے بہت تعلق خاطر سے پکایا تھا وہ
محترمی نیاز احمد صدیقی صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ نیاز صاحب پروفیسر رشید احمد
صدیقی مرحوم کے بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ خود ایک اچھے فاضل ہیں۔ محمد حسن کالج
جونپور کے سابق پرنسپل ہونے کے علاوہ ہمارے ندوہ میں انگریزی کے استاد
رہ چکے ہیں۔ لہٰذا ان کی صاحبزادی ہم لوگوں کو صرف مطیع صاحب کے تعلق سے ہی
نہیں بلکہ اپنے والد کے تعلق سے بھی جانتی ہیں۔ مطیع صاحب کے بچے بھی اپنائیت

کے ساتھ ملتے اور برابر خدمت کے لئے تیار رہتے تھے۔

دورہ کا پہلا مرحلہ شہر نیویارک اور بعض قریبی شہر

جمعہ ۳ جون ۱۹۷۷ء

یہ طے ہوا کہ جمعہ سے کچھ قبل ہم لوگ رابطہ عالم اسلامی کے دفتر متحدہ اقوام
جائیں گے۔ وہاں کچھ وقت رابطہ کے کاموں کو دیکھنے اور اس کے ذمہ داروں
سے ملنے میں گذرے گا۔ پھر نماز کے لئے متحدہ اقوام کے اس کمرہ میں جائیں گے،
جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ جمعہ کی نمازوں کا بندوبست اور امامت و خطبہ رابطہ
کے امور اسلامی کے شعبہ کے ذمہ ہے۔ اس شعبہ کے سربراہ ہمارے ندوی فاضل
مزمل حسین صدیقی ہیں۔ انہوں نے ندوہ سے عالمیت کے بعد جامعہ اسلامیہ
مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی اور اب رابطہ عالم اسلامی کے دفتر برائے متحدہ
اقوام کے شعبہ امور اسلامی کے سربراہ ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہارورڈ یونیورسٹی
کیمبرج سے پی۔ ایچ۔ ڈی بھی کر رہے ہیں۔ وہ ہم لوگوں سے ندوہ کے رشتہ
کے علاوہ کچھ مزید شخصی تعلق بھی رکھتے رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسرت کے
ساتھ یہ پروگرام بنایا کہ متحدہ اقوام میں جمعہ کا خطبہ و نماز مولانا مدظلہٗ انجام
دیں اور جمعہ کے خطبہ ہی کو اس تقریر کا قائم مقام بنائیں جو سامعین کے سامنے،
جو کہ زیادہ تر مختلف ملکوں کے نیز متحدہ اقوام کے امور سے تعلق رکھنے والے ہیں،
اسلامی فکر و جذبہ کو ابھارنے کی غرض سے کرنا تھا۔

رابطہ کا نیویارک دفتر

۱۲ بجے ہم لوگ رابطہ کے دفتر روانہ ہوئے۔ یہ مین ہاٹن میں متحدہ اقوام کی عمارتوں سے قریب ہی ایک عمارت میں تیسری منزل پر ہے۔ اس کے دو اہم شعبے ہیں۔ ایک برائے امور سیاسی جس کے سربراہ ایک فلسطینی فاضل سید داؤد اسعد ہیں۔ ان کے رفقاء میں لکھنؤ کے سید مظہر حسین صاحب برادر سید اطہر حسین صاحب آئی۔اے۔ایس لکھنؤ نیز دیگر فضلاء شامل ہیں۔

مظہر حسین صاحب سے بلومنگٹن ہی میں ملاقات ہو چکی ہے تعلق سے ملے تھے اور نیویارک آمد کے موقع پر متحدہ اقوام کو دیکھنے میں رہبری کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

رابطہ کا دفتر متحدہ اقوام کی عمارتوں سے قریب ایک عمارت کی تیسری منزل میں ہے۔ یہ عمارت اسٹریٹ ۴۴ پر ہے۔ رابطہ کے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی پہلے استقبالی عملہ کا کاونٹر ملا، یہاں کئی آدمی مختلف کاموں پر مامور تھے اور ایک ٹیلی ویژن سیٹ ہر وقت یہ دکھا رہا تھا کہ دروازہ پر کون شخص آیا ہے۔ اس کو دیکھ کر اندر آنے والے کے لئے دروازہ کھولا جاتا تھا۔ ٹیلی ویژن کا اس طرح کا استعمال امریکہ میں کئی جگہ نظر آیا۔ گروسری (GROCERY) "کھانے پینے کی اشیاء کی دوکان" کی متعدد دوکانوں پر بھی ٹیلی ویژن سیٹ دیکھنے میں آئے جو دوکان کے مختلف حصوں کو برابر ٹیلی ویژن کے پردے پر دکھاتے رہتے ہیں۔ اس طرح پر نگرانی برابر جاری رہتی ہے کہ کون آدمی کس

چیز کو دیکھ رہا ہے اور کیا اٹھا رہا ہے۔ اس میں مزید ترقی بوسٹن میں ایک بیس منزلہ عمارت میں نظر آئی کہ عمارت کے ہر کمرہ میں جو بظاہر سو دو سو کی تعداد میں ہوں گے ٹیلی ویژن کا ایک چینل (CHANAL) یہ دکھانے کے لئے وقف تھا کہ عمارت کے صدر دروازہ پر کون آیا ہے اور کون اندر آرہا ہے۔ چنانچہ جس آنے والے کو آدمی چاہے اپنے کمرہ میں بیٹھے بیٹھے ٹیلی ویژن کا وہ چینل کھول کر دیکھ سکتا ہے اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ شخص کے فرق کے ساتھ آنے کی اجازت دے سکتا ہے۔

رابطہ کے فلیٹ میں سیاسی اور اسلامی امور کے علیحدہ علیحدہ دفاتر ہیں اور دیگر ضروریات کے لائق جگہیں ہیں۔ جہاں ہم لوگ تھوڑی دیر رہے۔ دفتر کے عملہ سے ملاقاتیں رہیں۔ اس کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر احمد صقر سے ملاقات نہیں ہوسکی معلوم ہوا کہ وہ شیکاگو میں ہیں۔ اس موقع پر اپنے نہ ہونے کی معذرت کہلائی ہے۔ ڈاکٹر احمد صقر جب طالب علم تھے تو ان کا بنیادی تعلق ایم۔ایس۔اے سے تھا بلکہ وہ اس کے مؤسسین میں ہیں، اب وہ رابطہ کے نیویارک آفس کے ڈائرکٹر ہیں اور ایم، ایس، اے کے موجودہ انتظامیہ سے ان کے اختلافات ہیں، ایم۔ایس۔اے کی انتظامیہ کو بھی ان سے شکایت ہے۔

رابطہ اور ایم۔ایس۔اے کا مابین تعلق

رابطہ کا دفتر پہلے صرف متحدہ اقوام کے دائرہ میں رہتے ہوئے کام کرتا تھا لیکن اب اس نے پورے امریکہ کو اپنے کام کا میدان بنالیا ہے۔ اس کی وجہ سے ایک ہی میدان میں دو کام کرنے والی ایجنسیاں ہوگئیں اور کشمکش اور

ٹکراؤ پیدا ہونے لگا۔ مزید یہ ہوا کہ رابطہ کے امریکی امور کے بجٹ کا جو حصہ امریکہ کے عام امور پر صرف ہونے لگا ہے وہ ایم۔ ایس۔ اے کو دی جانے والی امداد میں سے کٹنے لگا اور رابطہ کی طرف سے ان کی امداد کم ہو گئی۔ چنانچہ وہ شاکی تھے کہ سال رواں میں رابطہ نے صرف ۱۰ ہزار ڈالر کی رقم ان کے لئے منظور کی ہے جو ان کے ۶ لاکھ کے بجٹ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ رابطہ نے اپنے نئے طریقۂ کار کو مزید پھیلانا شروع کر دیا ہے، چنانچہ مئی کے مہینہ میں امریکہ کی تمام انجمنوں کا ایک جلسہ نیو جرسی میں بلایا تھا جس میں سو سے زیادہ انجمنیں شریک ہوئیں[1] اور اس طرح پر رابطہ نے ان تمام انجمنوں کو اپنے وجود کو مضبوط بنانے اور رابطہ سے تعلق قائم کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ یہ بات بھی ایم۔ ایس۔ اے کو پسند نہیں آئی۔ مولانا مدظلہ نے دونوں فریقوں نے اپنے اپنے احساسات اور نقطہائے نظر بتلائے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کا رابطہ سے بنیادی رکنیت کا تعلق ہے اور وہ اسوقت ایم۔ ایس۔ اے کے مہمان بھی ہیں اس لئے وہ ایک کی شکایت دوسرے سے رفع کر سکیں گے یا مناسب حل تلاش کر سکیں گے لیکن مسئلہ اس سے زیادہ گہرا اور دشوار معلوم ہوا کہ وہ آسانی سے ختم کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کا اچھا حل پیدا فرمائے اور مسلمانوں کی کوششوں میں اتحاد پیدا کرے۔

متحدہ اقوام اور اس کے دفاتر

نماز جمعہ سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل ہم لوگ اقوام متحدہ کیمپس (CAMPUS) (احاطہ) کو روانہ ہوئے۔ کیمپس کے گیٹ پر سنتری موجود تھا جو پاس دیکھ کر یا

[1] اس جلسہ کے نتیجہ میں امریکی انجمنوں کے ایک فیڈریشن کی تشکیل ہو گئی ہے [illegible]

اطمینان کر کے اندر جانے دیتا تھا۔ کیمپس بالکل لب ساحل ہے اور دو عمارتوں پر مشتمل ہے۔ ایک تو دو منزلہ خاص ڈیزائن کی عمارت ہے اور ایک اسکائی اسکریپر (SKY SCRAPER) "فلک بوس" عام امریکی طرز کی عمارت ہے۔ عمارت کے سامنے تمام ملکوں کے جھنڈوں کی ایک طویل قطار تھی۔ یہ جھنڈے اپنی کثرت اور ایک صف میں ہونے کے باعث ایک حسن پیش کر رہے تھے۔ ان کے پس منظر میں متحدہ اقوام کی عمارت واقعی متحدہ اقوام کی معلوم ہوتی ہے۔ بلند عمارت کی پہلی منزل میں ایک عظیم الشان پنڈولم لٹکا ہوا تھا جو آہستہ آہستہ حرکت کرتا رہتا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ اس کی حرکت زمین کی حرکت کا پتہ دیتی ہے اور یہ اس کی سائنٹفک علامت ہے۔ نیچے کی کئی منزلوں میں متحدہ اقوام کے خصوصی دفاتر، مختلف مجالس کے ہال ہیں۔ ان میں سیکورٹی کونسل (SECURITY COUNCIL) ٹرسٹی شپ کونسل (TRUSTEESHIP COUNCIL) اور جنرل اسمبلی (GENERAL ASSEMBLY) کے ہال ہم لوگوں نے دیکھے۔ ہمارے علاوہ دوسرے لوگ بھی مختلف جتھوں کی شکل میں آتے اور دیکھتے تھے۔ ان کے ساتھ گائڈ ہوتے تھے جو ہال میں مشاہدین کو کرسیوں پہ بٹھا کر تفصیلات بتاتے تھے۔ سامنے سب سے نیچے اسٹیج تھا جس کے وسط میں صدر کی کرسی، اس کے دائیں جانب سکریٹری جنرل اور بائیں جانب نائب صدر کی کرسی تھی۔ ان کے سامنے ذرا ایک زینہ اتر کر مقرر کا اسٹیج تھا اور اس کے آگے مزید نیچے اتر کر ایک میز اور کرسیاں کام کرنے والے عملہ کی ہیں۔ اس کے سامنے کرسیوں کی زینہ دار رو ہیں جن پر ارکان بیٹھتے ہیں۔ ان کے بعد بلند ہوتے ہوئے زینہ دار لانٹوں میں پریس والوں

کی کرسیاں اور ان کے پیچھے مشاہدین کی نشستیں تھیں۔ ہر نشست پر ہیڈ فون کا انتظام ہے۔ تاکہ آدمی تسلیم شدہ زبانوں میں سے اپنی پسند کی کسی زبان میں تقریر سن سکے۔ دائیں بائیں دیواروں کے اندر شیشے کے پیچھے دو منزلہ کیبن بنے ہوئے تھے۔ پہلی منزل پریس فوٹو گرافروں کے لئے اور دوسری منزل ٹیلی ویژن والوں کے لئے ہے۔ ہال میں کرسیوں کی رو اس طرح زینہ دار ہے کہ اسٹیج کی منزل اور مشاہدین کی آخری رو کے درمیان عمارت کی پوری ایک منزل بدل جاتی ہے۔ چنانچہ مشاہدین کے لئے ہال کا راستہ اوپری منزل سے ہے جب کہ منتظمین و ارکان کے لئے نچلی منزل سے ہے۔

رابطہ کی طرف سے اعزازی ظہرانہ

یہاں سے فارغ ہو کر متحدہ اقوام کے کیفیٹریا (طعام خانہ) جانا ہوا۔ یہاں رابطہ کی طرف سے ہم لوگوں کے لئے لنچ کا انتظام تھا۔ اس لنچ میں ہم لوگوں کے علاوہ رابطہ کے مختلف شعبوں کے ارکان جو تقریباً ۸ ۔ ۹ کی تعداد میں تھے، نیز مزمل حسین صدیقی کے والد صاحب جو کہ اس موقع پر ساتھ تھے، شریک تھے۔ یہ کیفیٹریا "مین ہاٹن" کے مشرقی ساحل پر بالکل لب جو واقع ہے اور متحدہ اقوام کی صدر عمارت کی پہلی منزل کا جزو ہے۔ سامنے کھڑکیوں سے کیفیٹریا کی خدمتگار متحدہ اقوام کی جرسی میں ملبوس (متحدہ اقوام کا نشان اور بلّے لگائے) نظم کر رہی تھیں، انہوں نے پہلے کھانے کی فہرست پیش کی اور انتخاب چاہا۔ ظاہر ہے کہ حرام گوشت و چربی کے خطرے سے بچنے کے لئے آلو اور مچھلی ہی مناسب حل تھا جس کو مکھن میں تیار کیا گیا ہوا اور یہ صرف یہاں ہی نہیں بلکہ پورے امریکہ میں ہر کیفیٹریا اور ہوٹل میں
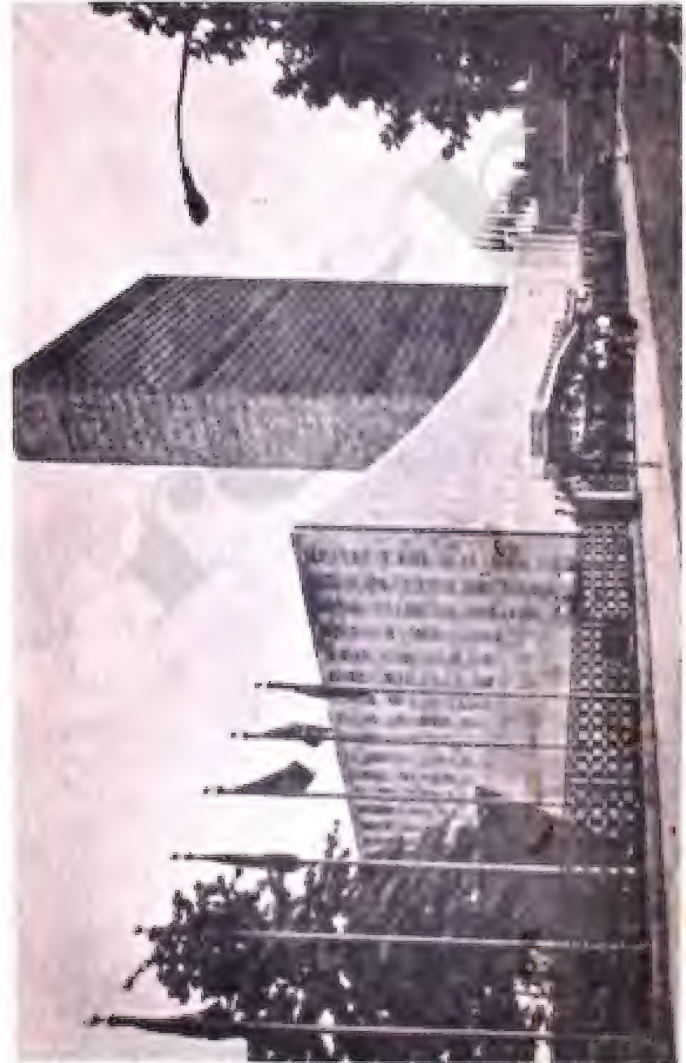
مناسب حل سمجھا جاتا ہے۔

مزمل حسین صدیقی اور دیگر حضرات کے استقبالی کلمات

کھانے کے بعد رابطہ کی طرف سے سید داؤد اسعد نے استقبال و شکریہ کے کلمات کہے۔ پھر دوسرے ارکان وفد رابطہ نے بھی باری باری خطاب کیا۔ مزمل حسین صدیقی نے بھی ایک مختصر تقریر کی۔ جس کی خاص بات یہ تھی کہ انہوں نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ اس کا بھی اظہار کیا کہ انہوں نے ندوہ کے دوران طالب علمی میں عربی زبان و ادب میں مجھ سے بالخصوص فائدہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے اس واقعہ کو لائق تذکرہ سمجھا اور خود سے اعتراف کیا۔ میرے لئے باعث مسرت ہے کہ آج وہ ایک بین الاقوامی مقام پر اہم ذمہ داری کے لئے مامور ہیں اور انہوں نے عربی، انگریزی دونوں میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے نیز اہل علم کی اچھی ترجمانی کرنے میں اعتبار قائم کر لیا ہے۔

جمعہ کی نماز اور مولانا کا خطبہ

اس چھوٹے سے اجتماع کے بعد ہم لوگ نماز جمعہ کے لئے نماز ہال میں آئے یہاں مختلف ملکوں کے لوگ جن کا متحدہ اقوام میں نمائندگی یا انتظامی وابستگی کا تعلق ہے، موجود تھے۔ پہلے مزمل حسین صدیقی نے مولانا مدظلہ، کا حاضرین سے تعارف کرایا پھر اذان ہوئی اور مولانا مدظلہ، نے جمعہ کا خطبہ دیا۔

ان کے خطبہ کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک ایسے زمانے میں جب اسلام ایک کم سن بچے کی طرح مدینہ کی سرزمین پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکا تھا اور ذرا چلنے لگا تھا مسلمان

ہر قسم کی شوکت و سلطنت اور خوشحالی و اطمینان کی زندگی سے محروم کمزوری کس مپرسی اور خوف و ہراس کی زندگی گذار رہے تھے قرآن مجید نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا تھا "وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" (تم پست اور غمگین نہ ہو۔ تم ہی سب سے سربلند ہو اگر تم ایمان کی صفت رکھتے ہو) اور مسلمان بھی اس وقت اپنے اندر ایسی جرأت و ہمت پاتے تھے کہ روم و ایران کی سلطنتوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے تو آج جب کہ دنیا کے سیاسی نقشہ میں آزاد مسلمان ملکوں کی اتنی بڑی تعداد اور صرف اقوام متحدہ میں ان کے .... ملکوں کی نمائندگی ہے اور میں نے اس کی بلند عمارت پر ان کے جھنڈوں کو اڑتے ہوئے دیکھا ہے، ہمارا موقف کیا ہونا چاہیئے اور کیا ہے؟ کیا ہم اس تمدن کو کھوکھلا اس طمطراق کو؟ ... رنگوں کی ریزہ کاری اور ان ترقی یافتہ قوموں کو ایمان اور اسلام کی رہنمائی کا محتاج سمجھتے ہیں یا نہیں؟ یا ہم خود اس حقیقی ایمان کی حقیقی کیفیات و اثرات سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ مولانا نے اس خطبہ کے ذریعہ سامعین کے اندر نئی ایمانی روح، نیا اعتماد و حوصلہ اور موجودہ تہذیب سے عدم مرعوبیت پیدا کرنے کی کوشش کی اور اسلام کے ماضی و حال کا موازنہ کیا کہ جب مسلمانوں کے پاس دنیاوی شوکت و عظمت کا کوئی سامان نہ تھا تو ان کی نظر بلند اور سر اونچا تھا اور جب انکے پاس جاہ و حشم کی کمی نہ رہی تو وہ پست ہمت اور افسردہ طبیعت نظر آتے ہیں اور یہ فرق ایمان کی حقیقت و صورت اور اس کی کمی و زیادتی کا ہے۔

خطبہ کو شرعی طریقہ سے پورا کرکے مولانا مدظلہ، ہی نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد مزمل حسین صدیقی نے ہی خطبہ کا انگریزی میں ترجمہ پیش کیا۔ جو انہوں نے دوران

خطبہ خود اپنے لئے ہوئے اشاروں کی بنیاد پر تیار کیا تھا وہ پیش کرتے وقت مربوط، واضح اور برجستہ تھا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ پھر رابطہ کے دفتر واپس گئے۔ کچھ دیر وہاں رہے اور اس کے بعد سید ساجد حسین صاحب کے مکان روانہ ہو گئے۔

سیّد ساجد حسین صاحب کے مکان پر

ساجد صاحب کا مکان اگرچہ لانگ آئی لینڈ کے کوینس حلقہ میں ہے لیکن وہ صدر نیویارک یعنی مین ہاٹن سے قریب ہے اس لئے ہم لوگوں کے لئے اب وہی مستقر زیادہ بہتر تھا۔ رات کو سید مظہر حسین صاحب کے یہاں دعوت تھی اس میں وہ اکثر افراد مدعو تھے جو دوپہر کو رابطہ کے لنچ میں تھے۔ اچھی نشست رہی اور کھانا بھی اپنے ہندوستانی بلکہ اودھ کے مذاق کا تھا۔ مظہر صاحب عزیزانہ نوعیت کے تعلق سے پیش آئے۔ اس میں ان کی اہلیہ صاحبہ نے بھی ان کی ہم طبیعت ہونے کا ثبوت دیا۔

ساجد صاحب کے مکان پر واپسی پر معلوم ہوا کہ حاجی متین احمد صاحب جو کہ ڈھاکہ کے ایک بڑے تاجر اور دہلی کے بزرگ تاجر خان بہادر حاجی رشید احمد (الٰہی بخش کمپنی کے مالک) کے صاحبزادہ ہیں اور ہم لوگوں کے شیخ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری کے خصوصی خدام میں سے ہیں۔ حضرت رائے پوریؒ اپنے قیام لاہور کے آخری ایام میں انہی کی کوٹھی ایمپرس روڈ (EMPRESS ROAD) میں قیام فرماتے تھے، خال معظم سے ملنے صبح آرہے ہیں۔ ان کی کئی صاحبزادیاں

امریکہ میں اپنے شوہروں کے ساتھ ہیں۔ ان ہی کے پاس حاجی صاحب کچھ مدت سے مقیم ہیں۔

ساجد صاحب علم دوست اور دینی جد و جہد کے شوقین نوجوان ہیں۔ ان کے مکان پر اسلامی کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ دیکھا اور ان کی دعوتی مصروفیات معلوم کر کے مسرت ہوئی۔ ان کا مکان کرایہ کا ہے اور عمارت کی صرف نچلی منزل اور اس کے بیس منٹ (تہہ خانہ) پر مشتمل ہے۔ وہ معذرت کرنے لگے کہ مکان زیادہ آرام دہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ عام امریکی معیار سے اعلیٰ نہ ہو لیکن اچھی رہائش گاہ ہے اور فرش فروش اور دیگر ضروریات سے آراستہ ہے۔ ٹیلی ویژن سیٹ ہر امریکی رہائش گاہ کا لازمی جز ہوتا ہے۔ یہاں ایک مزید بات یہ دیکھی کہ اس کو متحرک کرنے، چینل بدلنے، آواز میں بلندی و پستی پیدا کرنے کے لیے ٹیلی ویژن سیٹ کو چھونے کی ضرورت نہیں صرف جیبی سائز کے ایک آلہ میں لگے ہوئے سوئچ اپنی پسند کی جگہ بیٹھے استعمال کرنے سے ٹیلی ویژن سیٹ سب اشارے قبول کرتا اور عمل کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ریڈیائی لہروں و کہربائی شعاعوں سے اسی طرح کی ضرورت کے متعدد کام لئے جانے لگے ہیں۔ مثلاً سوار کو سڑک سے موٹر خانہ لیجاتے ہوئے الکٹرانک ذریعہ سے پاس نکلتا ہے اور راستہ کی رکاوٹ ہٹ جاتی ہے۔ کہربائی شعاع کا یہ عمل پندرہ سال قبل ہم نے مغربی جرمنی میں بھی دیکھا تھا اور دلچسپ معلوم ہوا تھا۔

جرسی سٹی کا پروگرام اور جرسی مسلم سینٹر

یوم شنبہ ۴ جون سنہ ۱۹۷۷ء

صبح سویرے حاجی متین احمد صاحب پہنچ گئے ان کو لگارڈیا ایرپورٹ سے

جو کہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ سید ساجد حسین صاحب جا کر لے آئے۔ آج کے پروگرام میں نیو جرسی جانا اور جرسی سٹی کے اسلامی سینٹر میں تقریر شامل ہے۔ چنانچہ ظہر کی نماز جرسی سٹی میں ادا کرنا تھی۔ صبح صبح محمد خورشید صاحب بھی آگئے۔ نیویارک پہونچنے پر انہی نے ہم لوگوں کا استقبال کیا تھا اور آدھی رات ہو جانے کے باوجود ہم لوگوں کی تاخیر سے پہونچنے والی فلائٹ کا انتظار کیا اور اپنے مکان پر لاکر آرام سے پہونچایا تھا۔ لہٰذا ان سے مل کر انس و خوشی لازمی ہے وہ ہیں بھی بہت اچھے جذبہ کے مسلمان۔ چنانچہ وہ بھی پہلی ملاقات ہی سے بہت تعلق محسوس کرنے لگے۔ اور دوبارہ نیویارک آمد کے موقع پر اپنے مکان پر قیام کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن اس کا موقع نہ تھا۔ خورشید صاحب دیر تک بیٹھے اور مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ ۱۲ بجے ہم لوگ جرسی سٹی روانہ ہوئے، ہم لوگوں کو مین ہاٹن داخل ہو کر اسکے عرض کو پھر اس کے مغربی جانب واقع دریائے ہڈسن کو پار کر کے جرسی سٹی میں داخل ہونا تھا، اسکے لئے پہلے ہم لوگ صدر نیویارک کی سڑکوں سے گذرے، پھر سرنگ کے اندر سے ہو کر دوسری پار نکلے۔

جرسی سٹی اسلامک سینٹر ایک گرجا کی عمارت میں قائم ہے۔ اس گرجا کو مسلمانوں نے خرید لیا ہے اور اس کو مسجد اور اس کے متعلقات میں تبدیل کر لیا ہے۔ اس میں بہت شاندار ہال ہیں اور ضرورت کے بہت سے کمرے۔ ہال کی بالائی منزل میں نماز کی صفیں بنی ہوئی تھیں اور ہال کی زیریں منزل میں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہاں جلسے اور اجتماعات ہوتے ہیں۔

الحاج عبدالرقیب امریکی اور تبلیغی کوششوں کی افادیت

یہاں الحاج عبدالرقیب صاحب سے ملاقات ہوئی، یہ تبلیغی جماعت کے امیر اور

بہت صالح مسلمان ہیں۔ آپ امریکی ہیں اور اردو نہیں جانتے۔ ان کا ایک چھوٹا لڑکا بھی وہاں موجود تھا وہ گورے رنگ کا تھا۔ باپ بیٹے دونوں اسلامی لباس میں ملبوس تھے۔ بچہ تو سفید کرتے پائجامے کے ہندوستانی لباس میں ملبوس تھا، اسکے والد عربی کرتے اور عمامے میں تھے۔ معلوم ہوا کہ امریکی نومسلم اسلامی عادات و آداب اختیار کرنے میں زیادہ متشدد ہیں۔ ان کا اسلام پر اعتماد و اطمینان زیادہ پختہ ہے۔ ان کے جو نمونے امریکہ میں وقتاً فوقتاً نظر آئے وہ قابل قدر، و قابلِ رشک ہیں۔ اس سلسلہ میں تبلیغی جماعت کی کوششوں کا بڑا حصہ ہے۔ ان کی جد و جہد سے وابستہ ہونے والے ایمان اور دینی رنگ میں زیادہ پختہ ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ دین اسلام اختیار کرنے کے بعد ان تمام باتوں کی قربانی پورے اطمینان و اعتماد کیساتھ دیتے ہیں جن کے ترک پر نسلی مسلمان عام طور پر تیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنے لڑکوں کو امریکی اسکولوں سے نکال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا تعلیمی نقصان گوارا ہے لیکن ان اسکولوں میں ان کا دین ہم خراب نہیں کر سکتے۔ فلاڈلفیا میں امیر جماعت ایک گورے امریکی ہیں، ان سے ہماری ملاقات ایک روز بلا سابقہ تعارف کے ہوئی تو ہم ان کو پشاوری مسلمان یا مولوی سمجھے ہم اردو میں مخاطب ہوئے تو انہوں نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں جواب دیا بعد میں ہم نے دریافت کیا کہ وہ امریکی ہیں تو اردو کیسے سیکھی۔ کہنے لگے کہ ہم تبلیغی جماعت میں پاکستان کئی بار گئے ہیں اور کچھ مدت تک وہاں رہے بھی ہیں۔ ان کا نام ولی محمد ہے۔ انہوں نے فلاڈلفیا میں ذبیحہ گوشت کی دوکان کھول رکھی ہے۔

شیخ سلیمان دنیا اور شہر کے عرب باشندے

جرسی مسلم سینٹر کے امام صاحب ایک پرانے مصری عالم ڈاکٹر شیخ سلیمان دنیا

ہیں، یہ بہت نیک طبیعت اور پُرانے طرز کے عالم ہیں۔ پہلے یہ واشنگٹن کے اسلامی سینٹر میں امام اور ڈائرکٹر تھے۔ وہاں کی آزاد روش کا ساتھ نہ دے سکے چنانچہ وہاں سے ریٹائرڈ کر دئیے گئے۔ اس وقت سے رابطہ نے ان کو جرسی سٹی کے اسلامک سینٹر میں امام مقرر کر دیا ہے۔ یہاں اپنے صحیح دینی خیالات کے ساتھ برسرِ عمل ہیں۔ بہت محبّت کے ساتھ پیش آئے اور حاضرین کے سامنے محبّت اور قدر کے الفاظ کے ساتھ مولانا مدظلہٗ کا تعارف کرایا۔ جرسی سٹی میں مصری عربوں کی اچھی آبادی ہے اور اس اسلامک سینٹر کے کاموں سے دلچسپی لینے میں وہ نسبتًا نمایاں ہیں۔ اگرچہ یہاں ان کی جو آبادی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اسلامی معاملات سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد مایوس کن حد تک کم ہے۔ افسوس یہ ہے کہ کم و بیش پورے امریکہ میں ہر جگہ مسلمانوں کی دینی دلچسپی کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ حالانکہ اسلامی دنیا سے اسقدر دور اور اسلامی زندگی سے اسقدر بعید ماحول میں دینی رجحانات اور صالح سیرت کی حفاظت و بقا کے لئے بہت زیادہ کوششوں اور دلچسپیوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔

جرسی سٹی میں مولانا کی تقریر

جرسی سٹی کوئی بڑا شہر نہیں ہے وہ اگر نیو جرسی اسٹیٹ کا جزء نہ ہوتا اور اس کے اور نیویارک کے درمیان دریائے ہڈسن سرحد نہ بناتا تو شاید وہ نیویارک سٹی کا ہی ایک جزء ہوتا جیسے کہ برونکس اور بروکلین ہیں۔ جرسی سٹی کی آبادی ڈھائی لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اس کا بڑا حصہ نیویارک سٹی میں کام کرنے والے

افراد کا ہے جو دن میں مین ہاٹن کے دفتروں میں کام کرتے ہیں، اور شام کو یہاں رہائش رکھتے ہیں۔ جرسی سٹی پہونچ کر ہم لوگوں نے نماز ظہر ادا کی پھر مولانا مدظلہٗ نے حاضرین کو عربی میں خطاب کیا۔ حاضرین میں عربوں کی تعداد شاید زیادہ تھی اس لئے عربی کو ترجیح دی گئی۔

اس تقریر میں مولانا کا زور اس پر تھا کہ اسلام محض چند عقائد و اعمال کی خشک فہرست کا نام نہیں ہے جس کا مان لینا ہر حال میں کافی ہے۔ وہ اپنے ماننے والے کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیتا ہے اس کا مذاقِ طبیعت، اس کی پسند و ناپسند کے معیار اور اس کی کامیابی و ناکامی، ردّ و قبول کے پیمانے اور اس کے سوچنے کا طریقہ بدل جاتا ہے۔ اس پر ایک نیا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اسی کو قرآن مجید نے اپنے جامع و بلیغ الفاظ میں "صبغة الله" کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ مولانا نے قرآن و حدیث و سیرت سے اس کی کئی مثالیں دیں اور کہا کہ جب صورت حال یہ ہے تو پھر اسلام کو ایک مخصوص ماحول، سازگار فضا اور عملی نمونوں کی ضرورت ہے اگر محض کتابی مطالعہ پر اکتفا کیا گیا اور قواعد و ضوابط میں محدود رہا گیا تو اس کا خطرہ ہے کہ ہر ملک میں ایک نیا اسلام وجود میں آجائے گا جو اصل اسلام اور عہدِ نبوی اور دورِ صحابہؓ کے اسلام سے بالکل مختلف ہوگا۔ یہ خطرہ ایسی جگہ اور زیادہ شدت کے ساتھ محسوس ہوتا ہے جہاں اسلام نیا نیا پھیلنے لگا ہو اور وہ جگہ مرکزِ اسلام سے ہزاروں میل دور اور ایک غیر اسلامی تہذیب کے زیر اثر ہو۔ مولانا نے اپنی اس تقریر میں، صحبت، اسلامی مرکزوں سے رابطہ قائم کرنے اور بہتر دینی ماحول میں کچھ وقت گذارنے کی ضرورت پر زور دیا۔ تقریر کے بعد مزمل حسین صدیقی

نے غیر عربی دانوں کے لئے انگریزی میں تقریر کا ترجمہ پیش کیا۔ جلسہ سے فراغت پر وہاں کے عربوں نے کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے کچھ انتظام کر رکھا تھا، لیکن ہم لوگوں نے معذرت کی۔ کیونکہ پہلے سے مزمل حسین صدیقی کے مکان پر آج دوپہر کا کھانا طے تھا۔ کیونکہ یہاں سے ان کا مکان قریب ہے۔ ہم لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ جرسی سٹی ہی میں ہوگا۔ اگر اس محلہ میں نہیں تو کسی قریبی محلہ میں ہوگا، دس بارہ منٹ بعد وہاں پہونچ جائیں گے لیکن جب کار نے چلنا شروع کیا تو شہر سے مضافات اور مضافات سے اگلے قصبات گذرنے لگے، معلوم ہوا کہ جرسی سٹی سے بھی تیس میل دور بلوم فیلڈ (BLOOMFIELD) قصبہ میں ہے اور یہ دوری امریکی اصول سے دوری نہیں ہے کیونکہ سب کار استعمال کرتے ہیں اور فاصلہ کی پیمائش وقت سے کرتے ہیں یعنی تیس میل جو کہ کار سے ۳۵-۴۰ منٹ میں طے ہوتے ہیں گویا ہندوستانی حساب سے دو ڈھائی میل ہوئے جو رکشے سے آدھ گھنٹے میں طے ہوں گے۔ لیکن یہ امریکی منطق ہر وقت کام نہیں دے سکتی۔ ہم کو بہر حال ان کے مکان پہونچتے ۳ بج گئے۔ اس طرح وقت توقع سے زیادہ صرف ہوا۔

بلوم فیلڈ میں مزمل صدیقی کے مکان پر

مزمل حسین صدیقی کے مکان پر پہونچنے سے قبل بلوم فیلڈ کے بازار اور ڈاؤن ٹاؤن سے گذرنا ہوا۔ صاف ستھرا اور شائستہ قصبہ ہے۔ عمارتیں زیادہ بلند نہیں ہیں۔ ڈاؤن ٹاؤن (صدر) کو چھوڑ کر پوری آبادی بنگلوں پر مشتمل ہے جو ایک منزل سے تین منزلوں تک ہیں۔ یہ امریکی قاعدے پر لکڑی کے فرش و

دیوار پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اندر کا سارا فرش . . . . حتی کہ زینے تک قالین سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ ہر بنگلے کی پشت پر گھاس کا اچھا لان ہوتا ہے۔ سارے امریکی شہروں اور آبادیوں کا کم وبیش یہی طرز ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ میں اسّی فی صد مکانات اسی طرح کے بنگلے ہیں۔ جو ہر شہر کے ڈاؤن ٹاؤن کو چھوڑ کر سارے علاقوں میں مختلف مجموعوں کی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مزمل حسین صاحب کا مکان اچھا سلیقہ کا مکان ہے۔ آجکل ان کے والد بھی آئے ہوئے ہیں، نیز کناڈا سے ان کے پھوپھی زاد بھائی بھی آئے ہیں۔ کھانے میں وہ لوگ بھی شریک رہے۔ کھانے کے بعد عصر تک وہیں قیام رہا۔ عصر کے بعد مکان کی پشت پر لان پر چائے ہوئی اور رابطہ کے نیویارک دفتر کے صحافی رکن شمیم حیدر صاحب نے جو اصلاً ہندوستانی ہیں اور یہاں دعوت میں موجود تھے، مولانا مدظلہ سے ایک انٹرویو لیا جس میں اپنے امریکی دورہ کے تاثرات یہاں اسلام سے تعلق رکھنے والے مسائل نیز یہاں رابطہ کے کاموں کی اہمیت کے سلسلہ میں سوالات کئے۔ مولانا مدظلہ نے مناسب جوابات دئے۔ یہ انٹرویو امریکہ اور سعودی عرب کے مختلف انگریزی و عربی اخبارات میں شائع ہوا ہے۔

ساجد حسین صاحب کے مکان پر واپسی اور تقریر

مغرب سے قبل یہاں سے ساجد صاحب کے مکان واقع کوینس کو روانگی ہوئی۔ وہاں انہوں نے بعد مغرب دوستوں کا ایک اجتماع بلا رکھا تھا۔ واپسی میں بھری بائی کی بھری ہوئی سڑکوں اور بازاروں سے گذرنا ہے جس کی وجہ سے راستہ خاصی تاخیر

میں طے ہوتا ہے۔ بہرحال مین ہاٹن کے پورے عرض کو قطع کر کے دریا کو دوسرے پار کوینس میں عشاء کے قریب پہونچنا ہو سکا۔ ساجد صاحب کے مکان پر حاضرین سے کمرہ پورا بھر گیا تھا۔ ان کے سامنے مولانا مدظلہ نے ایک مختصر تقریر کی جس میں اپنی ترقی اور انفرادی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ پھر سوالات کے جوابات دئے۔ عشاء کی نماز پر جلسہ ختم ہوا۔

صدر نیویارک مین ہاٹن

یکشنبہ ۵ جون ۷۷ء

آج کے پروگرام میں بعد ظہر کولمبیا یونیورسٹی میں نیویارک ٹیچرز ٹریننگ سنٹر ہال (TEACHERS TRAINING CENTRE HALL) میں مولانا مدظلہ کی تقریر ہے اور قبل ظہر دن میں مین ہاٹن کے اہم مقامات اور اس کی فلک بوس عمارتوں کی سیر کا ارادہ ہے۔ چنانچہ ۱۰ بجے دن میں روانگی ہوئی۔ لانگ آئی لینڈ کو مین ہاٹن سے کئی راستے ملاتے ہیں۔ درمیان میں سرنگ ہے جو کوینس کے جنوبی حصے میں نکلتی ہے اور شمال رُخ پر ایک بلند آہنی پل ہے جو خاصا قدیم معلوم ہوتا ہے، لیکن وسیع بلند اور اچھا مضبوط ہے۔ اس پر سے انڈر گراونڈ ٹرین کی اور ہیڈ لائنیں بھی گذرتی ہیں اور اوپر کی منزل سے کئی ٹریک لائن کی سڑک گذرتی ہے جس پر ہر وقت سخت رش رہتا ہے۔ پل کے اوپر سے نیویارک شہر کا منظر بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ سامنے بالکل لب جو متحدہ اقوام کی بلند قامت عمارت نظر آتی ہے اس کے پیچھے بیشمار بلند عمارتوں کی صفیں نظر آتی ہیں۔ ان صفوں میں ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ (EMPIRE STATE BUILDING) کریسلر

بلڈنگ (CHRYSLER BULIDING) پانام بلڈنگ (FANAM BUILDING) راکفلر بلڈنگ (ROCKEFELLER BUILDING) اور دیگر عمارتیں اور جنوبی پس منظر میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر (WORLD TRADE CENTER) کی ڈو مینار نما بلڈنگیں مع کئی بلند و بالا عمارتوں کے ہیں۔ چنانچہ وسط جزیرہ سے جنوب تک مختلف بلندیوں کی اونچی اونچی عمارتوں کا ایک وسیع باغ یا جنگل نظر آتا ہے۔ یہ ہے وہ نیویارک جو امریکہ کی شہرۂ آفاق "عظمت" کی علامت یا بنیاد ہے۔ یہاں کہا جاتا ہے کہ دنیا کی جس قدر دولت کے مرکز ہیں، کسی دوسری جگہ نہیں۔ یہاں کے بازاروں میں دنیا کے کسی حصہ کے مال و اسباب ملنے کے جتنے امکانات ہیں کسی دوسری ایک جگہ پر نہیں پائے جاتے۔ یہودیوں نے اسی خطۂ شہر پر اپنا اثر زیادہ بٹھا رکھا ہے۔ یہاں بیٹھے بیٹھے وہ دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پورے امریکہ کی یہودی آبادی کا تقریباً نصف اسی شہر اور اسکے مضافات میں آباد ہے۔

مین ہاٹن کا جزیرہ ایک چند مربع میل کا مستطیل جزیرہ ہے جو شمال سے جنوب تک دراز ہے۔ اس کا عرض ایک میل کے اندر ہے اور طول کئی میل کا ہے۔ سخت سنگلاخ اور چٹانی زمین رکھتا ہے اسی لئے اس میں بلند و بھاری عمارتوں کی تعمیر کی بڑی صلاحیت ہے۔ یہ دراصل ایک سمندری ٹاپو ہے جس کو ۱۶۲۶ء میں ریڈ انڈین باشندوں سے ڈچ ویسٹ انڈیا کمپنی (DUTCH WEST INDIA COMPANY) نے صرف ۲۴ ڈالر کے معاوضہ میں خریدا تھا۔ یہ اس قدر کم قیمت زمین آج دنیا کا سب سے متمول خطۂ زمین ہے۔ یہ چھوٹا جزیرہ اپنی مالی و تمدنی حیثیت کی بنیاد پر تہذیب مغربی کے ہار کا ہیرا بنا ہوا ہے۔ یہ اپنے تمام سمتوں سے پانی سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے مشرق میں ایسٹ ریور (EAST RIVER) اور اس کے بعد اس سے خاصا طویل

لانگ آئی لینڈ کا جزیرہ ہے۔ اس لانگ آئی لینڈ کے جنوبی کنارے پر مین ہاٹن کے بالکل سامنے ایسٹ ریور کے دوسری طرف نیویارک شہر ہی کے دو خطے بروکلین اور کوینس واقع ہیں۔ مین ہاٹن کے شمالی رُخ پہ ہارلم دریا (HARLEM RIVER) اور اس کے دوسرے کنارے اسی نیویارک شہر کا ایک خطہ برونکس واقع ہے۔ مین ہاٹن کے جنوبی رُخ پر سمندر کے اندر ایک چھوٹا جزیرہ اسٹیٹن آئی لینڈ ہے، یہ سب علاقے مل کر شہر نیویارک کا مجموعہ بنتے ہیں، ان میں سے ہر علاقہ مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کو انتظامی اصطلاح میں بارو کہا جاتا ہے ان میں سے صدر شہر مین ہاٹن بارو ہے جو کہ نیویارک کا ڈاؤن ٹاؤن بھی ہے یہ سب بارو مین ہاٹن بارو سے پلوں اور سرنگوں کے ذریعہ ملے ہوئے ہیں، مین ہاٹن جزیرہ کے مغربی جانب دریا ہڈسن اور اس کے بعد مستقل دوسری اسٹیٹ نیوجرسی اسٹیٹ اور اس کا بڑا شہر جرسی سٹی ہے، مین ہاٹن کے جنوبی جانب بحر اوقیانوس (ATLANTIC) ہے، اسی رُخ سے مین ہاٹن کی تمام طویل سڑکیں شروع ہو کر شمالی کنارے تک جاتی ہیں، ان کو اوینیو کہا جاتا ہے اور ان کی تعداد صرف ۱۲ ہے۔ یہ سڑکیں ناموں کے بجائے نمبروں سے موسوم ہیں۔ ان کے نمبر مین ہاٹن کے مشرقی کنارے سے شروع ہو کر مغربی کنارے تک جاتے ہیں۔ ان اوینیو نامی سڑکوں پر سے جزیرہ کے عرض میں جو سڑکیں مشرق سے مغرب تک گئی ہیں وہ اسٹریٹ کہلاتی ہیں ان کی تعداد سو سے زیادہ ہے، یہ بھی عموماً نمبروں سے موسوم ہیں، ان کے نمبر مین ہاٹن کے جنوبی کنارے سے شروع ہوتے ہیں، اوینیو سڑکوں میں سے اوینیو ۵ جزیرہ کے طول میں تقریباً وسط سے گذرتی ہے اس لئے ہر اسٹریٹ کو اوینیو ۵ کے شرق میں مشرقی اور ۵ کے غرب میں مغربی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اوینیو نمبر ایک مین ہاٹن کے مشرقی کنارے بالکل ایسٹ ریور کے سامنے واقع ہیں، اسی سڑک کے اس جزو کو جو اسٹریٹ نمبر ۴۲ سے، نمبر ۴۹ تک واقع ہے۔ یونائیٹڈ نیشن پلازا کہتے ہیں، اسی حصہ میں متحدہ اقوام کی عمارتیں ہیں اور یہ خطہ بین الاقوامی علاقہ کہا جاتا ہے، مین ہاٹن کے جنوبی خطہ کی اسٹریٹیں نمبروں کے بجائے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں جیسے کہ وال اسٹریٹ جو کہ بنکوں اور مالی واقتصادی اہمیت رکھنے والے مرکزوں کی کثرت میں ممتاز ہے اور پہلی اسٹریٹ ہے۔

مین ہاٹن اپنی آبادی کے لحاظ سے تقریباً تین نمایاں حصوں پر مشتمل ہے، ایک حصہ جزیرہ کا جنوبی جزو ہے جس کی آبادی پرانا شہر کہی جاتی ہے، براہ راست ساحل سمندر ہونے کے باعث یہ حصہ مین ہاٹن کا جہاز رانی اور بینکنگ کی خصوصیت میں بڑھا ہوا اور اہمیت کا حامل رہا ہے، یہاں کی متعدد فلک بوس عمارتیں بھی بلندی اور اہمیت میں امتیاز رکھتی ہیں جیسے ورلڈ ٹریڈ سنٹر ـــ (WORLD TRADE CENTER)۔ شہر کے اس جنوبی خطہ کو اس کے مغربی جانب واقع نیوجرسی کے ساحل سے ایک سرنگ ملاتی ہے یہ ہالینڈ ٹنل کہلاتی ہے اور اس کے مشرقی کنارے کو اس کے مشرقی جانب واقع بروکلین بارو سے ایک ٹنل اور تین پل ملاتے ہیں،

جزیرہ مین ہاٹن کا دوسرا حصہ اس کا وسطی جزو ہے، یہ بہت سی بلند اور فلک بوس عمارتوں سے مملو ہے اور اس کو قلب شہر کی حیثیت حاصل ہے اسمیں اقوام متحدہ (U.N.O.)، یونائیٹڈ نیشن پلازا (UNITED NATION PLAZA) ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ (EMPIRE STATE BUILDING) چیس مین ہاٹن (CHASE MANHATTAN) یو۔ این۔ ٹاور (U.N.TOWER) کرسلر (CHRYSLER) وولورتھ (WOOLWORTH) پانام بلڈنگ

۱۴ مین ہٹن جزیرہ کا وسطی حصہ تصویر میں بلند ترین عمارت ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ نمایاں ہے

راکفلر سینٹر، پن پلازا بلڈنگ (PENN PLAZA BUILDING) اپنی کوہ پیما بلندیوں کے ساتھ واقع ہیں، اور یہیں ۴۲ اسٹریٹ ہے جس کے مغربی حصے میں تھیٹروں اور سینماؤں کا پورا محلہ کا محلہ ہے جہاں شدنی اور ناشدنی سب روا رکھی جاتی ہیں اسی حصہ شہر میں نیویارک لائبریری ہے۔ اور شہر کے دونوں بڑے ریلوے اسٹیشن سینٹرل اسٹیشن اور میڈیسن اسکوائر میں پنسلوانیا اسٹیشن واقع ہیں، اس حصہ شہر کے مغربی کنارے کو لنکن ٹنل نیوجرسی سے ملاتی ہے، جو دریائے ہڈسن سے گذرتی ہے اور مشرقی کنارے کو ایک ٹنل اور ایک پل کوینس بارو سے ملاتا ہے دونوں راستے مشرقی دریا سے گذرتے ہیں ٹنل کو کوینس مڈٹاؤن ٹنل اور پل کو کوینس بارو برج کہتے ہیں۔

مین ہاٹن کے شمالی جز میں نیویارک کا وسیع پارک سنٹرل پارک اور ہارلم محلہ واقع ہے ہارلم میں کالوں کی آبادی زیادہ ہے اور وہاں کے بازاروں اور محلوں میں پس ماندگی کے اثرات نظر آتے ہیں ہارلم سے ہی ملے ہوئے علاقے میں کولمبیا یونیورسٹی ہے، شہر کے اس شمالی حصہ کے مغربی کنارے کو جارج واشنگٹن برج نیوجرسی سے اور مشرقی کنارے کو ٹری بارو برج دریا پار کے کئی علاقوں سے ملاتا ہے۔

ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ

ہم لوگ سب سے پہلے ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ پر پہنچے ٹکٹ لئے اور اس لفٹ[1] پر سوار

---

[1] لفٹ کے لئے امریکہ میں صرف ایلیویٹر (ELEVATOR) کا لفظ مستعمل ہے۔

ہوئے جو ۸۰ ویں منزل تک نان اسٹاپ (NON STOP) تھی۔ ۸۰ ویں منزل
پر دوسری لفٹ کے ذریعہ ۲۲ منزلہ بقیہ بلندی طے کرنا تھی۔ لفٹ نے ایک منٹ سے کم میں
۸۰ ویں منزل طے کی۔ اس کی سُرعت سے اعصاب پر ہلکا اثر محسوس ہوا۔ سب سے
اوپر چاروں طرف ریلنگ لگی ہوئی تھی جس کے درمیان کھلی ہوئی جگہ ہے۔ اس
میں نکل کر چاروں جانب شہر نیویارک کا مشاہدہ دلچسپ معلوم ہوا۔ ہم لوگوں
کو موسم صاف ملا۔ ورنہ سُنا ہے کہ بعض مرتبہ بادل یا کہر نیچے یا سامنے کے منظر کو
چھپا دیتے ہیں۔ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ دنیا کے سات عجائبات میں شمار کی جاتی
ہے اور اب تک دنیا کی سب سے بلند بلڈنگ رہی تھی لیکن اب اس کو شیکاگو کے سیرس
ٹاور (SEARS TOWER) نے اور ٹورنٹو کناڈا کے بلند ترین سی۔ این۔ ٹاور
(C.N. TOWER) نے چیلنج کر دیا ہے اور اس کی بلندی کو نمبر ۲ یا نمبر ۳ کی قرار دے دیا
ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ بلڈنگ جس انداز اور جس طرز پر بنائی گئی ہے اس میں وہ
اپنے امتیاز کو اب بھی برقرار رکھے ہوئے ہے یہ ایک سو دو منزل اور ۱۲۵۰ فٹ
بلند ہے۔ اس کی ۱۰۲ ویں منزل تک ہر آدمی پہونچ سکتا ہے۔ وہاں آبزرویٹری
(OBSERVATORY) "دوربینیں" لگی ہوئی ہیں۔ ۸۰ ویں منزل پر بھی دوربینوں
کا انتظام ہے جو سینٹ ڈالنے پر ایک مقررہ وقت تک کام دینے لگتی ہیں۔ جو
چاہے اس کے ذریعے سامنے دور دور تک کے مناظر دیکھ سکتا ہے۔ اس بلندی
تک ۱۸۶۰ سیڑھیاں ہیں لیکن ایلی ویٹر یعنی لفٹ ایک منٹ میں ۹۰۰ سے
۱۲۰۰ فٹ کی سُرعت سے لوگوں کو اوپر پہونچاتا ہے۔ ۸۰ ویں منزل تک
ایک ہی لفٹ بلا توقف جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا لفٹ لینا ہوتا ہے۔

۱۰۲ ویں منزل کی بلندی سے ۴۰ میل کی دوری پر چلنے والے جہاز سمندر میں چلتے
ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں اور صاف موسم میں ۸۰ میل تک نظر جا سکتی ہے۔ عمارت
میں ۶۵۰۰ کھڑکیاں ہیں جو ہر ماہ دو بار باہری طرف سے صاف کی جاتی ہیں۔ اس
۱۰۲ ویں منزل سے اوپر ایک بلند کلس ہے جو اس منزل سے ۲۲۲ فٹ بلند ہے اور
ٹیلی ویزن نشریات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ دنیا کا یہ سب سے بلند مینار ہے۔ اس
مینار کو شامل کر کے ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی بلندی ۱۴۷۲ فٹ ہو جاتی ہے۔

پان امریکن ایرویز بلڈنگ

ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کے شمالی رُخ پر قریب ہی پان امریکن کی بلڈنگ ہے جو
تجارتی دفاتر کی دنیا میں بہت بڑی عمارت ہے اور ۵۹ منزلہ بلند ہے۔ اس کی
ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ۵۹ ویں منزل کو ہیلی پیڈ (ہیلی کاپٹر کے پورٹ)
کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ وسط شہر سے مسافر ہوائی سفر اختیار
کر سکتے ہیں۔ یہ زمین سے ۸۰۸ فٹ بلند ہے اور دنیا کی نجی بلند ترین آفس
بلڈنگ شمار ہوتی ہے اور خوبصورت شکل کی تعمیر کی گئی ہے۔ ابھی چند ماہ قبل ایک
ہیلی کاپٹر یہاں اترتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو گیا تھا جس میں کئی آدمی مرے۔
جب سے فی الحال یہاں سے پرواز موقوف کر دی گئی ہے۔

یو این او بلڈنگ جو ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ سے مشرقی رُخ پر ساحل
پر واقع ہے اور راکفلر کا عطیہ ہے۔ اس کی زمین نیویارک سٹی کی طرف سے دی
گئی ہے اور یہ اپنی پرشکوہ بلندی کے نیچے متحدہ اقوام کے مجالس اور دفاتر پر

مشتمل ہے۔ اس کی جنرل اسمبلی ہال میں ۲۶۶۲ نمائندگان، ۵۰۰ مشاہدین و صحافیوں اور ۸۰۰ پبلک کے لئے اسیٹیں ہیں۔

ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور اسٹیچو آف لیبرٹی و دیگر مشہور مقامات

مین ہاٹن کے جنوبی خطہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر (WORLD TRADE CENTER) کے دو مینار نما عمارت اس علاقہ کی بلند ترین عمارتیں ہیں۔ یہ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ سے زیادہ منزلیں رکھتی ہے۔ اس کی سطح زمین سے بلندی ۱۳۵۰ فٹ ہے۔ یہ متعدد بین الاقوامی دفاتر، پرائیویٹ ایجنسیوں پر مشتمل ہے۔ اس جنوبی خطہ میں وال اسٹریٹ، بنکوں اور مالی مرکزوں کی کثرت و اہمیت کی مالک ہے اور ساری دنیا میں اس کو اسی پہلو سے انفرادیت و مرکزیت حاصل ہے۔ یہاں کی اہم عمارتوں میں بیٹری کلب (BATTERY CLUB) چیس مین ہاٹن بنک (CHASE MANHATTAN BANK)، بیٹری پارک پلازا (BATTERY PARK PLAZA) نیویارک پلازا (NEW YORK-PLAZA) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جنوبی خطہ کے قریب سمندر میں اسٹیٹن آئی لینڈ اور اسٹیچو آف لیبرٹی کا جزیرہ ہے۔ لیبرٹی کا جزیرہ چھوٹا اور ستارہ نما ہے اس کے وسط میں ایک ۱۵۲ فٹ بلند چبوترا ہے اس کے اوپر عورت کی شکل میں آزادی کا مجسمہ ہے۔ یہ مجسمہ فرانس نے ۱۸۸۶ء میں امریکہ کو ہدیہ کیا تھا۔ اس کا چبوترا امریکن میوزیم میں ہے۔ ترک وطن کر کے امریکہ آنے والوں کا لایا ہوا سامان اس میوزیم میں نمائش کے لئے رکھا ہے۔ بروکلین کو اسٹیٹن آئی لینڈ سے جو پل ملاتا ہے وہ ویرازونا برج (VERRAZANO BRIDGE) کہلاتا ہے، جو کہ اسٹیٹن آئی لینڈ کی دریافت کرنے

والے کے نام پر موسوم ہے۔ یہ پل ۴۲۶۰ فٹ کا طویل ترین اور بہت وزن دار پل ہے اور صرف دو ستونوں پر فولادی رسوں کے بل پر قائم ہے۔ جزیرہ مین ہاٹن میں میڈیسن اسکوائر سنٹر (MADISON SQUARE CENTER) یہاں کا سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن ہے۔ فلاڈلفیا اور واشنگٹن سے آنے والی ٹرینیں اس پر آتی ہیں اور اس رُخ پر ادھر ہی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو بھی نیویارک کے لیے اسی اسٹیشن سے سوار ہونا اور اترنا ہوا۔

میڈیسن اسکوائر سنٹر کی عمارت مختلف تفریحی، عوامی پروگراموں کے لئے ایک اچھا وسیع آڈیٹوریم رکھتی ہے۔ یہاں روزانہ کچھ نہ کچھ پروگرام ہوتا رہتا ہے۔ محمد علی کلے اور دیگر ماہرین فن بھی عوام کے سامنے آتے ہیں اور اپنا کمال پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک کئی منزلہ عمارت ہے۔

ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی ۸۶ ویں منزل پر تحفوں کی ایک دوکان بھی ہے جہاں سے مشاہدین بطور یادگار مختلف چیزیں خریدتے ہیں۔ ہم لوگوں نے بھی کچھ پنسلیں اور بعض اسی سے ملتی جلتی چیزیں خریدیں جن پر ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کا نام لکھا ہوا تھا۔

مشرقی دریا سے ہارلم کے علاقہ میں منتقل ہونے پر یانکی اسٹیڈیم (YANKEE-STADIUM) ملتا ہے۔ یہ جدید قسم کا اور مشہور ہے اس کے اندر سات ہزار کاروں کی پارکنگ کی جگہ ہے۔ مشرقی دریا کے وسطی منطقہ میں ایک چھوٹا جزیرہ روزویلٹ آئی لینڈ (ROOSEVELT ISLAND) ہے۔ اس کو مین ہاٹن سے تار بجلی سے چلنے والی ڈولی کے ذریعہ آمد و رفت کے لئے ملایا گیا ہے۔ اسی جزیرہ کے اوپر سے طویل پل گذرا ہے جو مین ہاٹن کو کوینس سے ملاتا ہے اور ۱۱۸۲ فٹ طویل ہے۔ اور کوینس بارو برج کہلاتا ہے۔ کوینس اور مین ہاٹن کے درمیان کا زیادہ ٹریفک اسی

پل پر سے گذرتا ہے۔ ہم لوگوں کا آنا جانا بھی عموماً اسی پر سے ہوتا تھا۔

کولمبیا یونیورسٹی میں مولانا کی تقریر

واپسی میں نیویارک کے دوسرے خصوصی مقامات و عمارتیں دیکھتے ہوئے قیام گاہ پہونچے اور کھانا کھا کر مین ہاٹن کے شمال مغربی خطہ میں واقع کولمبیا یونیورسٹی روانہ ہوئے۔ وہاں ٹیچرس ہال میں مولانا مدظلہٗ کی تقریر ہوئی مجمع خاصا اکٹھا ہوگیا تھا۔ حاضرین میں ہند و پاک کے طلبا اور اہل علم کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی۔ یہاں مولانا مدظلہٗ نے اردو میں تقریر فرمائی جس کا ترجمہ بعد میں انگریزی میں کیا گیا تقریر میں مولانا مدظلہٗ نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ نیویارک کے اس یاجوجی شہر اور امریکہ کی اس پُر فریب و پُر تلبیس تہذیب کے مرکز میں رہتے ہوئے اور حصول علم و حصول معاش کے ذرائع اختیار کرتے ہوئے اپنے دین و ایمان کی حفاظت اور دینی و روحانی ترقی کس طرح کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے نیت کی تصحیح اور رضائے الٰہی کی طلب پر زور دیا اور کہا کہ یہی یہاں کی شاہ کلید اور کیمیا کی چٹکی ہے جو ہر کوشش و مشغولیت کو عبادت میں تبدیل کر سکتی ہے۔ انہوں نے اس موقع پر سورۂ کہف کے آخری رکوع "قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الخ" کو خاص طور پر سامنے رکھا اور اس کو یہاں کے حالات و تہذیب پر منطبق کیا۔

مولانا مدظلہٗ کی تقریر کے بعد خورشید احمد صاحب کی تقریر تھی جو کہ بعد نماز عصر ہونا تھی وہ مولانا مدظلہٗ کی تقریر کے دوران ہی ہال میں آگئے تھے۔ نماز عصر ہال کے باہر گیلریوں میں ادا کی گئی۔ پھر ہم لوگ مکان واپس آگئے۔

بوسٹن کا پروگرام اور مدثر حسین صدیقی

اگلے روز نیویارک سے نکل کر امریکہ کے دوسرے مقامات کے دورے کے لئے روانہ ہونا تھا۔ نیویارک اور نیو جرسی کے بعد کی اب پہلی منزل بوسٹن (BOSTON) و کیمبرج ہے جو ماساچسٹ اسٹیٹ (MASSACHUSETTS STATE) میں واقع ہے، بوسٹن میں مزمل حسین صدیقی کے چھوٹے بھائی مدثر حسین صدیقی کا قیام بھی ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کیلئے وہاں وہی رہبر اور میزبان ہوں گے۔ مدثر حسین صدیقی نے پانچ سال کی محنت سے فلاڈلفیا کی ٹمپل یونیورسٹی (TEMPLE UNIVERSITY) سے ایل۔ایل ایم کی ڈگری سال گذشتہ حاصل کی ہے۔ اب قانون کے میدان میں کام کرنے کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ فی الحال اپنا دفتر بوسٹن میں قائم کیا ہے۔ یہاں چونکہ کیمبرج میں مزمل حسین صدیقی ریسرچ کے لئے کئی سال سے تھے اس لئے قربت کے خیال سے انہوں نے یہ جگہ اختیار کی تھی۔ مدثر حسین نے یوں تو قانون کے میدان کو پیشہ ورانہ طریقہ سے اختیار کیا ہے لیکن وہ دینی اور دعوتی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں اور مذہبی معاملات میں امریکی مسلمانوں کی دینی رہنمائی و مدد کرتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر رضاکارانہ اور دعوتی طور پر عقد نکاح کی انجام دہی اور غسل و تجہیز کے سلسلہ میں مذہبی رہنمائی کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ قانون اور فکر اسلامی کے سیمناروں میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ دینی دعوتی کاموں میں نشیط ہیں اور بہت اچھے جذبہ کے مالک ہیں۔ ہم لوگوں سے عزیزانہ سا تعلق رکھتے ہیں۔

امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے بعض تکلیف دہ حالات

انہوں نے امریکی مسلمانوں کے بعض تکلیف دہ حالات سے بھی واقف کرایا، جو

ان کے مذہبی تعاون و کوششوں کے دوران ان کے تجربہ میں آئے۔ انہوں نے ایک واقعہ یہ بتایا کہ ایک لبنانی مسلمان جن کی اہلیہ امریکی نژاد تھیں اور وہ حج بھی کر چکے تھے۔ امریکہ میں بسے ہوئے تھے وہیں انتقال ہوا۔ مدثر حسین صاحب ان سے واقف تھے، وہ اور ان کے گھر والے ان سے واقف تھے۔ چنانچہ انکے انتقال پر ان کو بھی مطلع کیا گیا۔ یہ جب وہاں پہونچے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کو اعلیٰ سوٹ میں ملبوس "ٹائی" کے ساتھ عیسائی طریقے سے شیشے کے بکس میں رکھا گیا ہے۔ اہل تعلق عیسائی طریقہ کے مطابق بوسے دے کر رخصتی مراسم ادا کر رہے ہیں۔ انہوں نے پہونچ کر سخت نکیر کی۔ بیٹے کو علٰحدہ بلا کر کہا کہ اگر اسلامی طریقہ سے غسل کا اہتمام نہیں کیا جاتا تو میں فوراً واپس جاتا ہوں۔ چنانچہ سب کو ہٹایا گیا اور پھر مدثر حسین صاحب نے اسلامی طریقہ سے غسل و کفن کا اہتمام کیا۔ میت کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی تھی جس کو اتارنے کے لئے ان کی اہلیہ اور لڑکے راضی نہ تھے۔ بڑی دشواری کے بعد بیٹے کو اس کے اتارنے پر راضی کیا گیا تب تدفین ہوئی۔

اسی طرح ایک مصری عالم کا (جنھوں نے اسلام پر انگریزی میں ایک اچھی کتاب بھی لکھی ہے) واقعہ سنایا کہ ان کے انتقال پر ان کی اہلیہ نے قریب کے عیسائی قبرستان میں تدفین کرا دی کہ یہ قریب ہے وہاں جانے آنے میں آسانی ہوگی۔ مسلم قبرستان دور ہے اس میں دشواری ہوگی۔ اسی طرح کے کئی واقعات انہوں نے بتائے۔ جس سے یہ پتہ چلا کہ امریکہ میں مقیم جو عرب یا ہند و پاک کے مسلمان بالکل عیسائی ماحول میں زندگی گذار رہے ہیں ان کا مذہبی مستقبل خطرات سے بھرا ہوا ہے۔ مولانا مدظلہ نے مدثر حسین صاحب کے دینی جذبہ اور کوششوں

کی بہت بہت افزائی کی اور داد دی۔ مزمل حسین صدیقی کی علمی استعداد بھی اچھی ہے اور وہ اس کو دین وعلم کی خدمت کے لئے مناسب طریقہ سے استعمال کرتے ہیں۔

بوسٹن روانگی اور کریڈٹ کارڈ

۱۶ جون دوشنبہ

مزمل حسین صدیقی کی معیت اور رہنمائی میں ایسٹرن ہوائی کمپنی کے ذریعہ لگارڈیا ایرپورٹ سے ہم لوگ بوسٹن روانہ ہوئے۔ نیویارک سے بوسٹن تقریباً ایک گھنٹہ کا ہوائی سفر ہے۔ دونوں شہروں کے مابین یہ سروس شٹل سروس (SHUTTLE SERVICE) کہلاتی ہے۔ جہاز کے اندر ہی ٹکٹ مل جاتا ہے اور ہر گھنٹہ اس کی پرواز ہوتی ہے۔ ہر گھنٹہ ایک جہاز کافی ہوتا ہے لیکن مسافر بڑھ جائیں تو بلا تکلف دوسرا جہاز بھی مہیا کر دیا جاتا ہے۔ جہاز کے اندر پہونچ کر مزمل حسین صاحب نے مولانا مدظلہ کے لئے اور ہمارے لئے ٹکٹ خریدے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں نقد رقم دینے کی ضرورت نہیں سمجھی صرف اپنا بینک کریڈٹ کارڈ دکھا کر اس کا نمبر اور اپنا نام نوٹ کرا دیا اور ٹکٹ لے لئے۔ کمپنی والے متعلقہ بینک سے یہ رقم خواہ مزمل حسین صاحب کے اکاؤنٹ میں ہو یا نہ ہو، حاصل کر لیں گے اور بینک ان کو بل بھیج دے گا۔ کریڈٹ کارڈ کا یہ سسٹم امریکہ میں بہت عام ہے۔ اس کو امریکہ کا نیشنل بینک اور متعدد کمپنیاں چلاتی ہیں۔ نیشنل بینک کا حلقہ زیادہ وسیع ہے۔ اس کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ مختلف نوع

کی اشیاء کی خرید میں ہر وقت ادائیگی سے آدمی بچ جاتا ہے۔ مختلف تجارتی اداروں نے بھی اپنی شاخوں سے مال خریدنے کے لئے اپنے علٰحدہ علٰحدہ کارڈ جاری کر رکھے ہیں۔ جن سے صرف انہی اداروں کی دوکانوں سے مال کارڈ دکھا کر قرض خریدا جا سکتا ہے۔ یہ ادارے اپنے کارڈوں کو بہت سہولت سے لوگوں کو دے دیتے ہیں بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ لوگ اس کو حاصل کریں اس میں ان کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کا مال عام حالات میں جتنا خریدتے، اس سے زیادہ اس صورت میں خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ انسان کی نفسیات ہے کہ قرض سے مال خریدنے کا موقع ہو تو خریدنے میں زیادہ جری ہوتا ہے۔

کریڈٹ کارڈ میں کمپیوٹر سے مدد اور کمپیوٹر میں ترقی

جہاں تک ان کارڈوں سے خریدے ہوئے مال کی قیمت وصول کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے امریکہ میں ایک کمپیوٹر نظام سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں ہر شخص جو کہیں ملازم ہو یا زندگی کے کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو اس کی معاملاتی زندگی کی تفصیل کا ریکارڈ کمپیوٹر کے ذریعہ محفوظ ہوتا رہتا ہے کہ وہ کس کیرکٹر کا ہے قرض کتنا لیتا ہے اور اس کی ادائیگی میں کس قدر چست ہے اس ریکارڈ کی مدد سے بینکوں اور اداروں کو کسی نئے شخص پر اعتماد کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی موقع پر اعتماد کے خلاف ثابت ہو تو کمپیوٹر کے ذریعہ پورے ملک میں اس کے معاملہ کی خرابی ریکارڈ ہو جاتی ہے اور وہ پورے ملک میں ناقابل اعتماد اور مشکوک حیثیت کا قرار پا جاتا ہے جس

کی وجہ سے اس کی زندگی پورے ملک میں معاملاتی لحاظ سے ناقابلِ اعتبار زندگی بن جاتی ہے۔ چنانچہ جب کسی شخص کا کسی کاروباری ادارہ سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ ادارہ کمپیوٹر سے فوراً معلوم کر لیتا ہے کہ یہ شخص کس اعتبار کا آدمی ہے۔

تمام باشندوں کے متعلق کمپیوٹر ریکارڈ کا یہ طریقہ ملک کے چور اور ڈاکوؤں کے پکڑنے میں بھی مفید ہوتا ہے کیونکہ کسی ایسے واقعہ میں فوراً ریکارڈ دیکھ کر ان اشخاص کا اندازہ کرنے میں مدد حاصل کی جاتی ہے جو ایسے واقعات کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

کمپیوٹر کے استعمال میں امریکہ نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ زندگی کے بیشتر پیچیدہ اور وقت طلب حسابات کمپیوٹر ہی سے طے کئے جاتے ہیں۔ دفتر دفتر اس کی مشینیں عام ہیں۔ کمپیوٹر کی کارکردگی کو سمجھنے کے لئے یہ مثال شاید مفید و کافی ہو کہ اگر کسی کو اپنی پنشن سمجھنی اور معلوم کرنی ہو تو اس کے لئے عام طریقے سے حساب کرنے والے کو کئی روز کی محنت کے بعد ۵۰ صفحہ کی طویل رپورٹ تیار کرنا ہوگی جب کہ اس کے کمپیوٹر سے یہ جواب چند سکنڈ میں آجائے گا۔ معلومات کے حساب کا کام کمپیوٹر اسی دائرہ میں کرتا ہے جس دائرہ میں معلومات اسکے اندر پہلے سے ذخیرہ کر دی گئی ہوں اسکے بغیر اسکو کچھ بتانے میں معذوری ہوگی۔ چنانچہ لوگ مختلف علمی معلومات کے سلسلہ میں کمپیوٹر تیار کرنے لگے ہیں۔ لائبریریوں کے انتظامی اور علمی شعبے دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کریڈٹ کارڈ اور سود

بہرحال کریڈٹ کارڈ جاری کرنے والے اداروں کو بڑی حد تک اطمینان ہوتا

ہے کہ ان کی ادا کی ہوئی رقم ڈوبے گی نہیں اور اگر ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو یا در بھی اچھا ہے سود کے ساتھ واپس آئے گی۔ اکثر حالات میں ایسی کریڈٹ رقم خاصا سود لاتی ہے۔ کیونکہ ان کے متعینہ وقت میں ادا کرنے میں کریڈٹ پر مال خریدنے والے عموماً کچھ نہ کچھ سستی اور مجبوری کا شکار رہتے ہیں اور اس طرح کریڈٹ پر کارڈ مہیا کرنے والوں کی آمدنی بنتی ہے۔ امریکہ میں حصولِ سود کی یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ وہاں تو ایسی بے شمار صورتیں ہیں جن سے رقم کے لین دین کو آمدنی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اس طرح امریکہ میں زندگی کے بے شمار وسائل راحت آسان اقساط پر مہیا کرنے کا رواج ہے۔ جس کے معنی اصل قیمت سے کہیں زیادہ وصول کرنے کے ہوتے ہیں اور لوگ ملک میں رائج معیارِ زندگی قائم رکھنے کے لئے مختلف وسائل زندگی حاصل کرنے پر مجبور بھی ہو جاتے ہیں اور بہت سی اشیا کو یکمشت نہ خرید سکنے کی وجہ سے قسطوں کا سہارا لیتے ہیں۔ مکانات بھی بآسانی اقساط پر مل جاتے ہیں۔ بالاقساط مالک مکان نہیں لیتا بلکہ ملک کے بعض مالی ادارے واسطہ بنتے ہیں۔ ان کا مالک مکان کو یکمشت قیمت ادا کرنے کا اور خریدار سے بالاقساط قیمت وصول کرنے کا معاملہ ہوتا ہے۔ اس مذکورہ بالا طریقے سے وہاں بہت سے ہندوستانی، پاکستانی اور عرب مکانات کے مالک بن گئے اور بہت سے محتاط دیندار مسلمان ضرورت محسوس کرتے ہیں لیکن جائز، ناجائز کے لحاظ کی وجہ سے اس سے بچتے ہیں۔

کسی ادارہ سے بالاقساط مال خریدنے یا قرض اشیاء خریدنے کی خاطر کریڈٹ کارڈ بنوانے کے لئے آدمی کو صرف یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ آمدنی کا کوئی ذریعہ رکھتا ہے اور یہ کہ وہ قرض لینے کے بعد دیر سویر ادا کرنے کی

صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے اپنی ملازمت یا کاروبار کا ثبوت فراہم کرنا ہوتا ہے۔

مدثر حسین کی قیام گاہ پر قیام
امریکہ کی ٹکنالوجی میں ترقی اور ٹیلیفون

بوسٹن ہم لوگ دوپہر سے خاصا پہلے پہنچے۔ وہاں ایرپورٹ پر مدثر حسین صدیقی آگئے تھے وہ اپنی کار پر بٹھا کر اپنی قیام گاہ لائے۔ ان کی یہ قیام گاہ شہر کے ایک حصے میں ایک بیس منزلہ عمارت کے ایک فلیٹ میں ہے۔ فلیٹ میں ایک بیڈ روم ایک کچن ایک ٹوائلٹ اور ایک کامن روم ہے جس کا ایک پہلو ڈائننگ روم کے طور پر اور بقیہ حصہ ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا ہے کامن روم کی ایک دیوار پر عمارت کے باہر دروازے سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ایک سوئچ بورڈ ہے جو عمارت کے باہری دروازہ اندرونی ٹیلی فون کے ذریعہ مربوط ہے اور ایک دوسرے سے کام لیتا اور پہونچا دیتا ہے۔ مزید یہ کہ باہری دروازہ پر ٹیلی ویژن بھی فٹ ہے جو غیر محسوس طریقہ سے دروازہ کی صورتحال کا عکس بھیجتا ہے جس کو ٹیلی ویژن سیٹ والا ایک مستقل چینل پر جب چاہے دیکھ سکتا ہے۔ رابطہ کا یہ نظام صرف اس عمارت میں نہیں بلکہ اکثر بڑی عمارتوں میں عام ہے۔ مدثر صاحب نے ٹیلیفونی نظام کی تفصیل بتائیں کہ کیسے اس کو اس قدر مفید اور سہل ذریعہ اتصال بنا دیا گیا ہے کہ زندگی بہت آسان ہو گئی ہے۔ ملک کے کسی بھی حصہ سے کسی بھی دوسرے حصہ تک مکالمہ پہونچانے میں ذرا بھی دشواری نہیں۔ سارا نظام کمپیوٹرائزڈ ہے

اور ہر ایک کے لئے عام ہے۔ امریکہ میں مشین اور خودکار سسٹم سے کام لینے کا بہتر سے بہتر نظم کیا گیا ہے۔ پورا تمدن مشینی بنا دیا گیا ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی میں امریکہ اور روس دونوں نے بہت ترقی کی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ روس صرف بڑی صنعتوں اور حکومتی کاموں میں اس ترقی کا سہارا لیتا ہے اور امریکہ عام زندگی میں بھی ان ترقیات کو لے آیا ہے چنانچہ ملک کی آبادی کا بڑا حصہ ہر طرح کی ترقی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس طرح یہاں ترقی اور خوشحالی عوامی بن چکی ہے۔

ٹیلی فون کے لئے ایک ایسی مشین بھی آتی ہے کہ آدمی قیام گاہ سے باہر جاتے ہوئے وہ فٹ کر دے تو جب بھی اس کی غیر موجودگی میں کسی کا ٹیلی فون آئے گا، وہ مشین اس کو ریکارڈ کرے گی اور آدمی کو واپسی پر سنا دے گی۔

بوسٹن شہر کی اہمیت

بوسٹن مشرقی امریکہ کا ایک ساحلی شہر ہے جس کی آبادی ½ ۶ لاکھ ہے۔ اس کے ایک پہلو میں ایک آبنائے ہے۔ جس کے دوسری جانب ایک قدرے چھوٹا شہر آباد ہے جو کیمبرج (CAMBRIDGE) کہلاتا ہے اس طرح بوسٹن اور کیمبرج ایک جڑواں شہر ہیں۔ کیمبرج کی آبادی ایک لاکھ ہے۔ یہ دونوں شہر تقریباً بیس یونیورسٹیاں رکھتے ہیں جن کے طلباء اور ملازمین کی تعداد دونوں شہروں کی پوری آبادی کے نصف سے بھی زیادہ ہے۔ ان یونیورسٹیوں میں متعدد حیثیت سے کیمبرج کی ہارورڈ یونیورسٹی (HARVARD UNIVERSITY) زیادہ اہم اور مشہور یونیورسٹی ہے۔ اس کا مذہبی کالج مزید اہمیتوں کا مالک ہے۔ مشرقی علوم

اور زبانوں پر مشتمل کتابیں اس یونیورسٹی میں جسقدر ہیں کسی دوسری امریکی یونیورسٹی
میں نہیں ہیں اس لئے مشرقی ممالک سے طلباء یہاں بڑی تعداد میں آتے ہیں اور یہاں
ریسرچ کا کام انجام دیتے ہیں۔ مزمل حسین صدیقی اسی کالج سے مذاہب کے تقابلی مطالعے
پر پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ اب ان کو کام مکمل کرنے کے لئے صرف پانچ، چھ ماہ کی
ضرورت باقی رہ گئی ہے۔ اس کے لئے وہ چھ ماہ کی رخصت لے کر یہاں وقت گذارنے
کا ارادہ رکھتے ہیں[1]۔

بوسٹن شہر میں کئی آزادی کے ہیرو پیدا ہوئے۔ ان ہی کے تعلق سے اس شہر
کو گہوارۂ آزادی (THE CRADLE OF LIBERTY) کہا جاتا
ہے۔ آرٹ، فن تعلیم، مذہبی تقابل اور سائنسی تحقیقات میں اسکو بین الاقوامی
شہرت حاصل ہے۔

ایک حیدرآبادی ڈاکٹر کے مکان پر

مدثر حسین نے اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر اجازت چاہی کہ وہ دوپہر کے
کھانے کے لئے ذبیحہ گوشت کی فکر میں شہر جائیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ دوپہر کے
کھانے کا انتظام شہر سے بیس میل دور ایک قصبہ میں مقیم ایک حیدرآبادی ڈاکٹر
کے مکان پر ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے دینی جدوجہد میں شرکت کا تعلق ہے۔ انکی اہلیہ
اطالین نژاد امریکی ہیں اور مسلمان ہو گئی ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک دوست (ترکی
خاتون) کے ساتھ مل کر کھانا تیار کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ گوشت اور ضروری سامان
مدثر حسین فراہم کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ گھنٹے دو گھنٹے کے لئے اس کام کے لئے مکان

[1] چنانچہ چند ماہ صرف کر کے انہوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی۔

سے باہر رہے اور ہم لوگوں نے اس وقت کو ان کی قیام گاہ پر ہی گذارا۔ کھانے
کے وقت کے قریب مذکورہ بالا حیدرآبادی ڈاکٹر صاحب کے مکان کو روانگی ہوئی۔
ڈاکٹر صاحب کسی کیس کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے اور کہہ گئے تھے کہ ان کی واپسی
جلد ہی نہ ہو سکے گی اس لئے انتظار نہ کیا جائے۔ چنانچہ ان کے گھر والوں نے اور
ہم لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کے بغیر کھانا کھایا۔ کھانے میں مشرقی اور مغربی دونوں اصناف
کا امتزاج تھا مشرقی نوع کا کھانا حیدرآبادی طرز کا تھا جس میں ترکی ڈش بھی
شامل تھی جس کو دراصل ایک ترکی خاتون نے تیار کیا تھا جو اس خاندان سے
قریبی ربط رکھتی ہیں۔ مدثر و مزمل صاحبان سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں خواتین
بڑے دینی جذبہ کی ہیں اور اس حلقہ میں دینی کوششوں میں اپنی صلاحیت کے
مطابق بڑا تعاون کرتی ہیں۔ یہ لوگ اس خطہ میں ایک مسجد اور علمی مرکز کے قیام
کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے لئے مناسب زمین بھی حاصل کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا مکان

ڈاکٹر صاحب کا مکان خاصہ سرسبز اور خوشنما علاقہ میں واقع ہے اور اندر
سے بھی سلیقہ کا ہے ——— اس مکان میں انہوں نے ایسا
میکانکی انتظام کر رکھا ہے کہ اگر کوئی چور کسی وقت گھر میں گھس آئے اور سامان
لے کر جانا چاہے تو فوراً گھنٹی بجنے لگتی ہے جس کی آواز قریبی پولیس تھانے میں
ٹیلی فونی رابطے سے خود بخود پہونچتی ہے اور چور فوراً پکڑا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ایک
خاص وزن کا لحاظ کیا گیا ہے جس کے بوجھ کا اثر دروازہ کے راستے پر پڑنے سے

گھنٹی بجنے کا سسٹم ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ مکان اگرچہ اصل شہر سے فاصلے پر واقع بستی میں ہے لیکن راستہ اور موسم دونوں خوشگوار ہونیکے باعث آنے میں بھی فاصلہ محسوس نہیں ہوا اسی طرح واپسی میں بھی فاصلہ طبیعت کے لیے بوجھ نہیں بنا۔ اب عصر تک مدثر صاحب کی قیام گاہ پر ہی رہنا تھا۔

ڈاکٹر مجاہد الصواف سے ملاقات

بعد عصر ہارورڈ یونیورسٹی کیمبرج کے ڈیوی نٹی کالج (DIVINITY — COLLEGE) کے ایک ہال میں مولانا مدظلہ کی تقریر رکھی گئی تھی جس کے لئے عصر کے وقت وہاں پہونچنا تھا۔ چنانچہ عصر سے قبل ہم لوگ روانہ ہوئے۔ خیال تھا کہ شیخ محمد محمود الصواف کے صاحبزادہ ڈاکٹر مجاہد الصواف سے جو کہ کچھ مدت سے ایک ریسیرچ کی غرض سے آئے ہوئے کیمبرج میں مقیم ہیں ملاقات بھی کرلی جائے۔ ان کی اہلیہ بچہ کی ولادت کے سلسلہ میں اسپتال میں داخل ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے ڈاکٹر مجاہد بے حد مصروف اور پریشان ہیں، خود ملاقات کے لئے آنے سے معذور تھے۔

اطلاع کے مطابق وہ اپنے فلیٹ میں ملے، اپنے دو سالہ بچے کو سنبھالنے میں مصروف تھے جو کہ ماں کو یاد کرکے کچھ کچھ دیر بعد روتا تھا۔ بہت اخلاق سے ملے اور ملاقات کے لئے نہ آسکنے کی معذرت کرتے رہے۔ ڈاکٹر مجاہد اپنے والد ہی کی طرح اسلامی جذبہ اور دینی غیرت کے مالک ہیں۔ جامعۃ الملک عبدالعزیز مکہ مکرمہ میں استاذ ہیں۔

ہارورڈ یونیورسٹی میں مولانا کی تقریر

ہارورڈ یونیورسٹی ایک مشہور اور موقر یونیورسٹی ہے۔ اس کے کتب خانہ میں ایک کروڑ کتابیں ہیں اور اسلامیات پر بہت اچھا اور قیمتی ذخیرہ ہے۔ بعد عصر ہم لوگ اس کے ڈیونٹی ہال میں پہونچے۔ مدثر حسین نے جلسہ کو کنڈکٹ کرتے ہوئے مولانا مدظلہٗ کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد مولانا مدظلہٗ نے تقریر کی۔

جلسہ کا افتتاح ایک امریکی نژاد بلالی مسلمان نے سورۃ "والتین" کی قرأت سے کیا۔ مولانا مدظلہ نے انہی آیات کو امریکہ پر منطبق کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ بھی احسن تقویم اور اسفل سافلین دونوں کا جامع ہے وہ طبعی و قدرتی علمی و صنعتی حیثیت سے احسن تقویم کا مظہر ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ دنیاوی ترقی میں بام عروج پر ہے۔ لیکن اخلاقی و روحانی حیثیت سے وہ اسفل سافلین میں ہے۔ انہوں نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ کی یہ بڑی بدقسمتی تھی کہ مذہب اس کے حصہ میں عیسائیت آیا جو اس کی بے چین اور متجسس طبیعت کی رہنمائی اور اس میں ضبط و اعتدال پیدا کرنے سے قاصر بلکہ علم و ترقی کے لئے سد راہ تھی، وہ انسان کو پیدائشی گناہ گار ثابت کرتی ہے جس کی نجات کفارہ اور فدیہ کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس طرح وہ انسان میں بے اعتمادی و مایوسی پیدا کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے بقیہ عیسائی دنیا کی طرح امریکہ نے بھی اپنے کو مذہب سے آزاد کرلیا اور اپنی جدوجہد کا میدان خالص مادی ترقی کو قرار دیا۔ ایک ایسے ملک کے لئے اسلام موزوں ترین مذہب تھا۔ وہ دین و دنیا کا جامع ہے۔ لیکن اس ملک کی بدقسمتی

اور مسلمانوں کی کوتاہی کہ وہ اس دولت سے محروم رہا اور ہے۔ مولانا نے اس مضمون کو بہت تفصیل سے بیان کیا اور مسلمان نوجوانوں اور مشرقی فضلاء کو جو اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں اور جن کی ایک بڑی تعداد اس موقع پر موجود تھی۔ ان کی ذمہ داری یاد دلائی اور بتایا کہ وہ کس طرح یہاں اس سبق کو یاد دلا سکتے ہیں اور واپس جا کر اپنے ممالک کی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔ تقریر کا ترجمہ مزمل حسین صدیقی نے انگریزی میں کیا۔

جلسہ میں مجمع زیادہ نہ تھا۔ عام طور سے امریکہ کے جلسوں میں اتنی زیادہ حاضری نہیں ہوتی جتنی ہمارے مشرقی ممالک میں ہو جایا کرتی ہے۔ صرف وہ لوگ شریک ہوتے ہیں جن کو جلسہ کے اوقات میں اپنی ملازمتوں اور کاموں سے فرصت ہوتی ہے جو کہ یہاں دشواری سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ حاضرین زیادہ تر عرب، ہندوستانی اور پاکستانی تھے۔ ان میں ہمارے لکھنؤ کے ایک پرانے پڑوسی کے بیٹے ناصر الدین ملے۔ یہ ہم سے شاید چار پانچ سال چھوٹے ہوں گے۔ امریکہ میں تعلیم کے سلسلہ میں کئی سال سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کے والد سیف الدین صاحب تقسیم ہند سے قبل ہمارے محمد علی لین امین آباد کے مکان سے متصل مکان میں رہا کرتے تھے اور ریلوے میں ٹی۔ ٹی۔ ای تھے۔ بڑے وضعدار اور محبت و تعلق کے پڑوسی تھے۔ ان کے گھر میں ہم لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی۔ ناصر الدین سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ ایک دوسرے کے حالات دریافت کئے اور بچپن کی یادیں تازہ ہو گئیں۔

مدثر حسین صاحب کا مولانا ناظم صاحب ندوی سے رشتہ

رات میں مدثر حسین صاحب کے فلیٹ میں رکنا ہوا۔ اگلے دن صبح شیکاگو کا

سفر تھا۔ مزمل حسین صاحب سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد ناظم صاحب ندوی مقیم کراچی پاکستان کی صاحبزادی سے مدثر حسین کی شادی طے ہو رہی ہے۔ مکہ مکرمہ میں بات چیت کا ابتدائی مرحلہ انجام پا چکا ہے۔ یہ سن کر ہم لوگوں کو مسرت ہوئی کیونکہ ایک طرف مدثر حسین سے تعلق ہے تو دوسری طرف مولانا محمد ناظم صاحب ندوی، مولانا مدظلہ کے عزیز ترین دوست، ندوہ کے ساتھی اور ہمارے لائق احترام استاد ہیں۔

مولانا کی ایک صاحبزادی سے ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری صاحب کی شادی ہوئی ہے۔ ظفر اسحٰق صاحب ظہران پٹرولیم یونیورسٹی میں استاذ ہیں اور انگریزی کی اچھی قابلیت رکھتے ہیں۔ مولانا ظفر احمد انصاری ممبر پاکستان قومی اسمبلی کے صاحبزادہ ہیں۔ یہ لوگ اصلاً الہ آباد، ہندوستان کے باشندے ہیں۔ تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب انصاری رابطہ عالم اسلامی کے بھی ممبر ہیں اور اسلامک سینٹر جنیوا (ISLAMIC CENTRE GENEVA) کے تاسیسی ممبر بھی ہیں۔ دونوں جگہ مولانا مدظلہ کی رفاقت رہی ہے اس لئے ان سے ملاقات کا موقع بار بار آتا رہا اور تعلق و قربت کا باعث بنا۔ مولانا ناظم صاحب کے رشتہ سے اس تعلق میں اور تقویت ہوئی۔

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی سے ٹیلی فون پر گفتگو

مزمل حسین صاحب نے بتایا کہ مولانا ناظم صاحب سے اس مجوزہ شادی کے سلسلہ میں کچھ گفتگو کا قصد ہے، چنانچہ آج رات کو کراچی ٹیلی فون کرنا ہے۔ اچھا

ہے کہ یہاں آپ کی موجودگی۔ مولانا کو مسرت ہوگی اور اس مسئلہ کو تقویت بھی پہونچے گی۔ چنانچہ ٹیلی فون رات کے ۱۱ بجے ہوا، مولانا مدظلہٗ نے بھی بات کی اور رشتہ طے ہونے پر مبارکباد دی۔ ہماری بھی گفتگو ہوئی۔ مولانا بہت خوش ہوئے۔ مولانا نے بتایا کہ اس وقت یہاں اگلے دن کے صبح ۹½ بجے ہیں۔ اوقات کے اس فرق کا علم تو پہلے سے تھا لیکن عملی طور پر اس کا تجربہ ہونے سے ایک دلچسپی کا احساس ہوتا ہے کہ بیک وقت ایک جگہ نصف شب ہے اور دوسری جگہ تقریبًا نصف النہار۔ اور اگر ہند و پاک کی زمین کو اوپر کا رخ قرار دیا جائے تو ہم اس کے نیچے کے رخ پر کھڑے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کے بالکل برعکس۔

شیکاگو کے سفر کے سلسلہ میں ڈاکٹر ظفر اسحاق کی رائے

کراچی کی گفتگو کے بعد ہی مونٹریال کینیڈا سے ٹیلی فون پر ڈاکٹر ظفر اسحاق صاحب سے بھی بات ہوئی۔ انہوں نے اگلے روز کے شیکاگو کے پروگرام پر نظر ثانی کرنے کی رائے دی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ شیکاگو کا پروگرام مبہم پروگرام ہے۔ اس میں وارث الدین محمد کے ماننے والے اور صحیح دین اسلام کے ماننے والے اکٹھا کئے جارہے ہیں۔ ایسے اجتماع سے وارث الدین محمد کو تقویت ہوگی اور ان کے عقائد کو صحیح العقیدہ مسلمانوں کی طرف سے بلا ارادہ ایک طرح کی تصدیق و تائید حاصل ہو جائے گی اور یہاں کے صحیح دینی رخ کو نقصان پہونچانے والی بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسے مخلوط جلسہ میں شرکت بذات خود ایک دوسرے کے لئے تائید و تصدیق کا باعث بنتی ہے۔

مولانا مدظلہٗ نے کسی حد تک ان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ مختلف طریقوں سے اتنا وعدہ ہو چکا ہے کہ اس سے اب پھرنا ایک غیر شریفانہ فعل ہوگا اور اللہ تعالےٰ نے چاہا تو اس شرکت میں ضرر نہ پیدا ہوگا اور حتی الوسع احتیاط بھی کی جائے گی۔

فلاڈلفیا میں آنکھ کے معائنہ کا پروگرام

یہاں بوسٹن ہی میں ڈاکٹر اعوان صاحب کے یہاں سے اطلاع آئی کہ ڈاکٹر شے نے آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں مشورہ کے لئے ۹ جون کی تاریخ اپنے اسپتال واقع فلاڈلفیا میں دیدی ہے۔ اور اس کے لئے مذکورہ تاریخ سے قبل فلاڈلفیا پہونچنا ہے۔ ہم لوگوں کو مشورہ اور پروگرام کے مطابق یہ دن مونٹریال میں گذارنا تھا۔ مونٹریال کے لئے دو روز مورخہ ۸ و ۹ جون کی تاریخیں طے ہوئی تھیں۔ اب اس نئی صورت میں مونٹریال کا پروگرام یا تو مطلقًا ملتوی ہو جاتا ہے اور یا وہاں سے صرف گذرنا ہی ہو سکے گا جس کو ہم لوگ پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس نئی صورت کے پیدا ہو جانے سے وہاں کے دو روز میں سے ایک حصہ کا کٹنا ضروری معلوم ہوا۔ اگر تقاضہ محسوس کیا گیا تو دورہ کے اختتام پر ایک روز دوبارہ دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس وقت ڈاکٹر سے وقت مشکل سے حاصل ہوا ہے ورنہ وہ زیادہ تاخیر سے وقت دے رہا تھا۔ بہرحال بہت غور کے بعد یہ طے ہوا کہ اگلا روز شیکاگو اور اس کے بعد ایک یا ڈیڑھ روز کے لئے فلاڈلفیا اور پھر تھوڑے وقت کے لئے مونٹریال رکھا جائے اور باقی پروگرام میں کوئی تصرف نہ کیا جائے ورنہ سارا پروگرام

متاثر ہوگا۔ انیس احمد صاحب سے جو ہم لوگوں کے سفر امریکہ کے سلسلہ کے قریبی منتظم تھے اس سلسلہ میں بات ہوئی۔ انہوں نے فلاڈلفیا میں ساتھ رہنے اور ڈاکٹر سے گفتگو میں موجود رہنے کا وعدہ کیا۔ یہ سب کام ٹیلی فون ہی پر بخیر و خوبی انجام پایا۔ رات ہم لوگوں نے آرام کیا اور صبح شیکاگو کی فلائٹ اختیار کی۔ مدثر حسین بوسٹن ہی میں ٹھہرے۔ مزمل حسین صاحب نیویارک اپنے دفتر کے لئے دوسری طرف روانہ ہوئے۔ اور ہم اور مولانا مدظلہ نے شیکاگو کا قصد کیا۔

شیکاگو

سہ شنبہ ۷ جون

شیکاگو بوسٹن سے ۹۸۶ میل اور نیویارک سے ۷۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور امریکہ کا نمبر ۲ کا شہر ہے۔ تمدن اور عمارتوں کی بلندی میں نیویارک سے آنکھیں ملاتا ہے۔ اور اس کی ایک عمارت سیرس[1] بلڈنگ (SEARS — BUILDING) تو نیویارک کی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ سے بھی زیادہ بلند ہے۔ شہر ستھرا اور ترقی یافتہ اور ریاستہائے متحدہ و کناڈا کے درمیان پھیلی ہوئی عظیم جھیل کے کنارے واقع ہے جس کی وجہ سے وہ ساحلی خصوصیات بھی رکھتا ہے۔ متعدد اہم یونیورسٹیوں اور اہم علمی و صنعتی مرکزوں سے معمور ہے۔ مشرقی ممالک سے آئے ہوئے مسلمانوں کی تعداد یہاں نصف لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور ان میں امریکہ

---

[1] سیرس کمپنی امریکہ کی ایک بہت بڑی فرم ہے سارے امریکہ میں اس کی دکانیں ہیں۔ .... وہ جنرل مرچنٹ فرم ہے ہر طرح کا مال فروخت کرتی ہے۔

کے دوسرے مقامات کے مقابلے میں نسبتاً منظم اور اپنی کمیونٹی کا احساس بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ یہاں مسلم کمیونٹی سنٹر کے نام سے ایک اچھا فعال ادارہ قائم ہے جو اپنے لفظی اختصار کے خاطر ایم، سی، سی کہلاتا ہے۔

کالے مسلمان

شیکاگو میں کالے مسلمانوں کی بھی اچھی خاصی آبادی ہے اور امریکہ کے کالے مسلمانوں کا سنٹر بھی شیکاگو میں ہے۔ اب اس کے امیر و قائد وارث الدین محمد (WALACE MOHAMMAD) ہیں جو اپنے باپ کے مسلک کو خاص ترمیم و اصلاح کے ساتھ اختیار کئے ہوئے ہیں اور کالے مسلمانوں کی تنظیم کے سربراہ ہیں۔ کالے مسلمان دراصل امریکہ ہی کے کالوں کی آبادی کا ایک حصہ ہیں۔ ان کی تاریخ امریکہ کے کالے باشندوں کے اس ذہنی احساس اور ردعمل سے وابستہ ہے جو سفید فام باشندوں کے مظالم اور خراب طرز عمل سے پیدا ہوتا رہا ہے اور جس کے نتیجہ میں کالے باشندوں میں وہ بغض و نفرت پیدا ہوئی کہ انہوں نے یہ تک کہنا شروع کیا کہ خدا کا رنگ کالا ہے، گورا نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی اچھی چیز گوری نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کے متعلق گورے ہونے کا علم ہوا، انہوں نے اچھا نہیں مانا۔ کالوں کو گوروں کے مظالم اور زیادتیوں کے اثر سے ایسا بغض پیدا ہوا کہ وہ گوروں کے معاملہ میں انتقامی جذبہ رکھنے لگے۔ اور اس کے نتیجہ میں چوری، قتل، اور جرائم کا فروغ ہوا۔ اس میں اضافہ اس بات سے بھی ہوا کہ کالے عام طور سے غریب اور زندگی کے ترقی یافتہ ذرائع سے خاصی حد تک محروم رکھے جاتے رہے۔

ایسی صورت میں کالے لوگ اپنے مطلوبہ یا مفروضہ حقوق کو غیر قانونی طریقہ سے حاصل کرنا صحیح سمجھتے رہے۔

اس فضا میں ایک کمزور صحت کے اور معمولی حیثیت کے نیگرو ایلیجا محمد نے کالے مسلمانوں کی تحریک شروع کی۔ یہ تحریک کیا تھی، اس کا اسلام سے کیا تعلق تھا اور یہ اسلام سے کس قدر ماخوذ تھی۔ یہ سب باتیں صرف ایک اندازہ کے حدود سے آگے نہیں بڑھیں۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی ممالک سے ایک شخص جس کا نام فرد محمد تھا، امریکہ میں ایلیجا سے ملا اور اس نے ایلیجا کو کچھ بتایا اور سکھایا اور وہ پھر وہاں سے واپس چلا گیا۔ اس کے بعد ایلیجا نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس خدا آیا اور اس نے اس کو مذہب کی تعلیم دی اور اس کے بعد ایلیجا نے جس مذہب کا اعلان کیا اس میں اس فرد نامی شخص کو خدا اور اپنے کو نبی قرار دیا۔ اپنے ماننے والوں کے لئے مسلمان کا لفظ اور اپنے نام میں محمد کا لفظ اختیار کیا اور اس کے ساتھ اسلام کے بعض طریقے بھی شامل کئے۔ لیکن نئی قسم کی اور اسلام کی روح اور تعلیمات سے بالکل متضاد باتیں بھی اختیار کیں۔ جن کو دیکھتے ہوئے صحیح اسلام کے پیروان کالے مسلمانوں کو اسلام سے بالکل دور اور اسلام سے ناواقف لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگے۔ یہ ایک ایسا مذہب تھا جو شام کے علویوں، لبنان کے دروزیوں اور مغربی ہندوستان کے آغاخانیوں کے مذاہب جیسی کیفیت کا حامل تھا۔ نبی ہونے کے دعوے کے اعتبار سے قادیانیوں سے بھی کچھ مشابہت تھی۔ اس لئے قادیانیوں نے کوشش کی کہ ان کو اپنے سے ملالیں لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ دو مختلف نبیوں کا اتحاد قائم کرنا شاید مشکل کام تھا۔

یہ کالے چونکہ سب افریقی النسل اور زنیگرو تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر ان کو اپنے قدیم وطن افریقہ کی کالی نسلوں سے ایک تعلق اور ربط محسوس ہوتا تھا اور موقع ملنے پر ان کے تعلقات ان سے بآسانی قائم ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان کے بعض لوگوں کی وہاں اور وہاں کے بعض لوگوں کی یہاں آمد و رفت ہوئی۔ موجودہ افریقہ کے کالے لوگوں کی خاصی بڑی تعداد چونکہ اسلام کو بطور مذہب اختیار کر چکی ہے اور ان کا اپنے ہم وطن نیز ایشیا کے صاف رنگ کے مسلمانوں سے اچھا خاصا اختلاط اور اتحاد ہے۔ نیز کالے امریکی مسلمانوں کو مسلمان کا لقب استعمال کرنے کے بعد مرکز اسلام کے لوگوں کو سمجھنے اور ان سے ملنے کا تقاضہ فطری طور پر ہونا ضروری تھا۔ بہر حال ان دونوں مذکورہ بالا اسباب کی بناء پر ان کالے مسلمانوں کا گورے مسلمانوں سے ربط ہونا شروع ہوا جس کی وجہ سے انسانی گورے رنگ سے ان کی سابقہ نفرت کم ہوئی اور ان کالوں کے بعض لیڈر اس سلسلہ میں استثناء کرنے لگے کہ سب گورے بُرے نہیں ہوتے صرف مغربی گورے بُرے ہیں پھر بعض کالے مسلمانوں نے اسلام کو اور مسلمانوں کو قریب سے بھی دیکھا اور زیادہ اثر قبول کیا بہت سے لوگوں نے صحیح اسلام کو باقاعدہ اختیار بھی کیا اس میں مالکم ایکس کا نام سب سے نمایاں ہے۔ یہ کالے مسلمانوں میں ایک نہایت موثر اور طاقتور شخصیت کے لیڈر تھے۔ شروع میں تقریریں اور گفتگوئیں گوروں سے نفرت و عداوت سے بھری ہوتی تھی اور یہ اپنی جماعت میں بہت مقبول تھے۔ حجاز کا دورہ کرنے کے بعد ان میں کایا پلٹ ہوئی۔ اور صحیح اسلام کے داعی بن گئے اور قریب تھا کہ اپنی پوری جماعت کو ایسا متاثر کر دیں کہ وہ امت اسلامیہ کا واقعی جزبن جائے۔ لیکن ایک تبصرہ کے

مطابق اس طرح چونکہ الیجا محمد کی نبوت یا لیڈری ختم ہو جاتی اور یہ ایک نیا فرقہ جو اپنی علیحدہ خصوصیات اور امتیازات کے بل پر ایک خود مختار فرقہ بنا ہوا تھا جس کے اپنے دنیاوی مصالح اور منافع تھے ختم ہو جاتا اور اس کے ذریعہ فائدہ اٹھانے والے اپنے حاصل شدہ منافع سے محروم ہو جاتے لہٰذا بات اس کے لیڈروں کو گوارا نہ ہوئی اور مالکم ایکس کو راہ سے ہٹا دیا گیا۔ انہوں نے شہادت پائی اور ایک عظیم تبدیلی جو ایک گمراہ فرقہ کے امت اسلامیہ میں شامل ہونے سے ہونے والی تھی رک گئی بعض تحقیقات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مالکم ایکس کو شہید کرنے والے لوگ الیجا کے لوگ تھے بلکہ امریکی عیسائیوں کی سازش تھی۔

الیجا محمد نے جس مذہب کی دعوت دی وہ ایک پر اسرار قسم کا مذہب تھا۔ اس میں عبادات کے طریقے بھی خاص قسم کے اور پر اسرار تھے۔ انہوں نے اپنے ماننے والوں کے لئے ایک سخت ضابطہ اخلاق بھی طے کیا تھا جس کی متعدد باتیں اچھی تھیں۔ ان سے امریکہ کی بگڑی ہوئی کالی نسل کے اخلاقی زندگی کے بعض پہلوؤں کا سدھار بھی ہوتا تھا۔ اگرچہ اس مذہب کی اصل روح گوروں سے نفرت پر مبنی تھی، اس لئے یہ لوگ بد اطواری اور غنڈہ گردی سے اجتناب کی دعوت تو ضرور دیتے تھے لیکن اس میں ان کی نظر میں امریکی گورے مستثنیٰ تھے۔ ان کو لوٹنا اور قتل کرنا بُری بات نہ تھی۔ اس مذہب کے ماننے والے الیجا کے متعلق خاص دو مبہم قسم کی عقیدت رکھتے ہیں جس میں نبوت بلکہ الوہیت کی بھی آمیزش تھی۔ الیجا کے طور طریق بھی اس طرح کا تصور قائم کرنے میں معاون بنتے تھے۔ ان کے بارے میں ایک مصری فاضل نے جن کا نام ڈاکٹر شیخ زکی حماد ہے اور شیکاگو میں ازہر کی طرف سے مبلغ و استاد کی

حیثیت سے مقیم ہیں، الیجا کے جانشین اور فرقہ کے موجودہ قائد و رہبر سے متعدد استفسارات کرکے معلومات فراہم کی ہیں۔ ان کا ایک جز قارئین کے فائدہ کے لئے پیش ہے۔

الیجا محمد کا مذہبی ارتقاء

الیجا محمد کے بڑے بیٹے عمانویل نے لکھا ہے کہ اس کے باپ الیجا اپنے باپ کے تیرہ بیٹوں میں سے ساتویں بیٹے تھے۔ ان کا نام الیجا ان کے دادا نے رکھا تھا جس کے معنی تورات کی رو سے متوقع نبی کے ہیں۔ ان کو اپنے اس پوتے سے نبی ہونے کی توقع تھی اور اس کے ماں باپ سے بھی وہ یہی کہتے تھے۔ الیجا شروع میں الیجا پول کہلائے۔ ان کو بڑے ہو کر اپنے خاندان و قوم کے حالات کی فکر ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں جب کہ یہ ڈیٹرائٹ میں تھے اور قوم کے لئے فکرمند تھے کہ اچانک وہاں ایک آواز بلند ہوئی جو بالکل نئی تھی۔ اللہ، اسلام، ایشیائی، اصلی خاندانی کالا انسان ہے۔ غیر اصلی انسان یعنی سفید انسان شیطان ہے۔ کالوں کے کانوں میں یہ آواز مسلسل پڑنے لگی۔ الیجا پول کو بھی معلوم ہوا ان کو بتایا گیا کہ ایک عجیب و غریب آدمی شہر میں آیا ہے اور قابل فہم باتیں بتاتا ہے۔ الیجا ان کو دیکھنے گئے۔ الیجا کے بڑے بیٹے عمانویل کے الفاظ یہ ہیں کہ الیجا نے جا کے دیکھا کہ یہ بات کرنے والا خود پردہ دکارہے۔ الیجا اس کی باتیں سنتے رہے۔ تقریر کے بعد جب مصافحے شروع ہوئے تو الیجا نے کہا کہ تم کون ہو میں جانتا ہوں، تم تو خدا ہو، اس شخص نے کہا کہ یہ صحیح ہے لیکن اس کو ظاہر نہ کرو ابھی اس حقیقت کے معلوم ہونے کا وقت نہیں آیا ہے۔ الیجا کو معلوم ہوا کہ جس شخص کا نام فرد (FARD) ہے یہ مشرقی دنیا سے بلد حرام مکہ سے آیا ہے۔ کسی کا

لایا ہوا نہیں ہے۔ اس نے الیجا کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے نام سے پول کا لفظ نکال دے کیونکہ یہ سفید فام لوگوں کا نام ہے اور اس کے بجائے کریم کا لفظ شامل کرے بعد میں اس کو خدا تعالیٰ کا نام محمد شامل کرنے کو ملے گا۔" یہ عمانویل کے الفاظ کا تقریباً صحیح صحیح ترجمہ ہے۔ اس کے بعد پھر عمانویل کا بیان ہے۔

"الیجا پر شروع ہی میں ایمان لانے والوں میں ایک شخص کریم محمد تھا۔ اس نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ اس نے الیجا محمد کو ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ ۳۱۰ سال سے کالوں پر ظلم ہو رہا ہے اور اب کالوں کی نجات کا وقت آیا ہے جو فرد محمد کے ہاتھوں سے حاصل ہو رہی ہے۔ فرد محمد عظیم ذات ہے۔ الیجا محمد رسول اور اس کا عطیہ ہے۔ کریم محمد نے یہ بھی کہا کہ الیجا نے کالوں کی مظلومیت کی داستانیں جب سنائیں تو مجمع بہت متاثر ہوا اور سفید فاموں کے خلاف اشتعال پیدا ہوا چنانچہ الیجا نے لوگوں کو ٹھنڈا کیا۔ پھر انہوں نے بلیک بورڈ پر ایک دائرہ بنایا اور کہا کہ تورات میں حزقیال نے جو جہاز دیکھا تھا وہ یہی ہے۔ یہ دائرہ دائرہ کے اندر ہے۔ اس میں انسان کی چار مخلوقات رہتی تھیں یہ مخلوقات دائرہ اٹھا لئے جانے پر اٹھائی گئیں۔ ان چار مخلوقات کی تفصیلات یوں بتائیں:۔

(۱) کالا آدمی (اصلی)، (۲) بھورا آدمی (۳) زرد آدمی (۴) سفید آدمی"

عمانویل محمد اور کریم محمد کے بیانات میں یہ بھی ہے کہ فرد محمد کی تقریر کے دوران ایک شخص کو جو کمرے کے کنارے بیٹھا ہوا تھا فرد محمد نے یہ کہہ کر مخاطب کیا کہ اے کریم! کریم نے کہا کیا میں؟ اس نے کہا ہاں تم! پھر اس کو بلایا۔ اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا کہ تم اب میرے وزیر ہو گئے۔ (کریم سے مراد بظاہر الیجا محمد ہے جس کا نام بقول

ایلیجا کے فرد نے شروع میں کریم رکھا تھا۔

۱۹۳۴ء میں یہ فرد نامی شخص ڈیٹرائٹ سے چلا گیا۔ اس کے متعلق ایلیجا نے کہا کہ جو شخص فرد نبی کہلاتا تھا وہ دراصل اللہ تھا۔ فرد محمد کی شکل میں آیا تھا۔ ایلیجا کے نبی ہونے پر بعض ماننے والوں نے بغاوت کی کہ ایک ایسے چھوٹے اور معمولی جسم کے آدمی کو کیسے رسول بنایا گیا لیکن اس پر وہ سب منافق قرار پائے۔

یہ چند مبہم سے حالات اور مزعومات ہیں جو ایلیجا محمد کے بیٹے نے اپنے ایک خاص بیان میں بتلائے۔ ان سے امریکہ میں اس فرقہ کی تأسیس اور ہیئت کذائی کا پتہ چلتا ہے ان حالات کے بتانے سے قبل عمانوئیل نے امریکہ میں سنہ ۱۹۳۰ء سے قبل کے قحط اور اس میں کالے امریکیوں کی مصیبتوں اور ان کے ساتھ سفید امریکیوں کے ظلم کی تفصیل بھی بتائی ہے اور ذکر کیا ہے کہ انہی حالات کا اثر تھا کہ کالوں میں بیداری پیدا ہوئی، اور مصلحین نے جن میں ان کے والد پیش پیش تھے۔ کالوں پر کئے جانے والے مظالم کا چرچا کیا اور گوروں کے ساتھ سخت عداوت کا رویہ اختیار کیا، جو خاص مدت تک قائم رہا اور اس مذہب کی اصل بنیاد بنا حتیٰ کہ ایلیجا کا انتقال ہو گیا اور ان کے ایک دوسرے بیٹے والس محمد جو وارث الدین کہلاتے ہیں کے ہاتھ میں فرقہ کی قیادت آئی۔ والس نے متعدد اصلاحات کیں۔ صحیح مسلمانوں سے قربت اختیار کی اور سفید فاموں کے ساتھ دشمنی میں کمی پیدا کی۔

ایلیجا کے جانشین وارث الدین محمد

ایلیجا محمد کے یہ بیٹے جن کا نام وارث الدین محمد ہے، کالے مسلمانوں کے

موجودہ فرقہ کے قائد ہیں۔ انہوں نے مشرق وسطیٰ کا کئی بار دورہ کیا۔ شروع زندگی میں انہوں نے مشرق وسطیٰ میں مذہبی استفادہ بھی کیا اور کچھ تعلیم بھی حاصل کی۔ چنانچہ ان کے خیالات پر مسلمانوں کے صحیح خیالات کا زیادہ اثر پڑا جس کی وجہ سے ان کے والد نے ان کو ناپسند کیا تھا اور ایک مرحلہ میں ان کو اپنے سے علٰحدہ بھی کر دیا تھا لیکن انتقال سے قبل ان سے پھر راضی ہو گئے اور ان ہی کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ غالباً اس میں ان کی سمجھ داری اور علمی صلاحیت سفارش بنی ہو گی۔

بہر حال یہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد اپنی جماعت کے سربراہ قرار پائے۔ ان کے خیالات چونکہ مائل بہ اعتدال تھے اس لئے انہوں نے مسلمانوں سے اپنا قرب بڑھایا اور اپنی جماعت کو مسلمان جماعت قرار دینا شروع کیا۔ کالے مسلمانوں کے بجائے اپنے کو بلالی مسلمان کہنا شروع کیا جو اب ان کا نام پڑ گیا ہے۔ ان کے ہفت روزہ آرگن کا نام بھی اسی لفظ سے لیا گیا ہے اس کو بلالین نیوز کہتے ہیں۔ اب جماعت کے نام میں مزید تبدیلی کی گئی ہے اور اس کو ورلڈ کمیونٹی آف اسلام ان دی ویسٹ (WORLD COMMUNITY OF ISLAM IN THE WEST) کہنے لگے ہیں لیکن بلالی کے لفظ کو ترک نہیں کیا ہے۔ صحیح مسلمانوں سے ان کے روابط اب مزید بڑھ گئے ہیں اور بڑھتے جا رہے ہیں۔ ابھی کچھ روز قبل والس نے مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا تھا اور ان کی وہاں خاصی پذیرائی ہوئی۔ اسی زمانہ میں مولانا مدظلہٗ بھی خلیج کے دورہ پر تھے چنانچہ والس سے شارقہ میں۔ . . . مولانا مدظلہٗ کی اس تقریب میں ملاقات ہوئی جو شارقہ کے آغاز کے اور اسلامی مرکز کے افتتاح کے موقع پر منائی گئی تھی اور اس میں امیر شارقہ امیر سلطان قاسمی خود موجود تھے۔ ان کی

جماعت کے دیگر کئی آدمیوں نے بھی اسلامی دنیا کے سفر کئے اور بڑی اپنائیت محسوس کی۔ ان میں باکسنگ کے عالمی چیمپین محمد علی کلے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مسلمانوں کی متعدد جماعتیں اور افراد کوشاں ہیں کہ اس جماعت کی اصل مسلمانوں سے جو دوری ہے اس کو حکمت کے ساتھ رفع کیا جائے اور اس انحراف سے اس گروہ کو پاک کیا جائے جس نے ان کو اصل اسلام سے ابھی تک دور کر رکھا ہے۔ اس کی کوشش کرنے والوں کے ساتھ والس اور ان کی جماعت کے لوگوں کا سلوک اور ربط اچھا ہے جس سے اچھی امید قائم ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنی تعداد پورے امریکہ میں ۱۵۔۲۰ لاکھ بتلاتے ہیں۔ یہ تعداد اگرچہ کل امریکی کالوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے لیکن فی نفسہٖ بڑی تعداد ہے اور اس کے اضافے کے بہر حال بہت وسیع امکانات ہیں۔ ان کے علاوہ ایک چھوٹی جماعت ان کالے مسلمانوں کی بھی ہے جنھوں نے صحیح اسلام کو باقاعدہ طور پر اختیار کر لیا ہے اور ان کے حالات بہت اچھے ہیں بلکہ ان کا دینی جذبہ اور اسلامی عقائد و اعمال سے گہری وابستگی مشرقی ممالک کے نسلی مسلمانوں سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور قابلِ رشک ہے۔ یہ لوگ بلالی مسلمانوں کو صحیح مسلمان تسلیم نہیں کرتے اور جب مسلمان جماعتوں اور افراد کی طرف سے بلالی مسلمانوں سے ربط و ضبط ظاہر ہوتا ہے تو ان صحیح العقیدہ مسلمانوں کو شکایت بھی ہوتی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں جیسا ربط و ضبط اچھی بات نہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے شکاگو میں ان بلالی مسلمانوں کا مرکز ہے اور وارث الدین بھی رہتے ہیں۔ ان لوگوں نے پورے امریکہ میں اپنے مرکز قائم کر رکھے ہیں جن کو یہ مسجد کا نام دیتے ہیں۔ لیکن یہ مسجدیں دراصل نام کی مسجدیں ہیں ورنہ یہ اس

جماعت کی مذہبی و جماعتی سرگرمیوں کے سنٹر کا کام دیتی ہیں۔ ان کی تعداد پورے امریکہ میں اس وقت ۱۰۵ ہے۔ ان میں سے ہر ایک علیحدہ شہر یا مقام پر ہے۔ اس کی تنظیم شیکاگو کے مرکز سے ہوتی ہے اور اس کے مقررہ پروگرام . . . پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ اپنی بات اپنے ماننے والے تک پہونچانے کا طریقہ بھی ہفتہ وار سطح پر اختیار کیا جاتا ہے۔ والس کے پیروان کو امام محمد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ٹیلی ویژن اور اسکی وسعت اور اجرت

والس کی ایک تقریر ٹیلی ویژن پر ہر ہفتہ ہوتی ہے جس کا عنوان ہوتا ہے محمد اسپیکنگ (MOHAMMAD SPEAKING) محمد بات کرتے ہیں۔ اس کے لئے جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ۱۵ ہزار ڈالر فی گھنٹہ کے حساب سے ٹیلی ویژن کمپنی کو اجرت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ٹیلی ویژن کا اناونسر مقرر کو پیش کرتا ہے اور تمہیداً اپنا جو تاثر اور معلومات ہیں وہ بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ظاہر کیا جا چکا ہے اس ملک میں ہر ادارہ پرائیوٹ ہے۔ خواہ ٹیلی ویژن ہو یا ٹیلی فون، ریلوے ہو یا ہوائی جہاز۔ کیونکہ امریکی قانون کی رو سے حکومت کو منفعت بخش کام عوام کے لئے چھوڑنا پڑتے ہیں۔ حکومت ایسے کاموں کو نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ عوام کے ذرائع آمدنی میں ایک طرح سے مداخلت ہے۔ چنانچہ یہاں ٹیلی ویژن کمپنیاں بھی آزاد ہیں اور محض تجارتی بنیاد پر کام کرتی ہیں۔ کوئی بھی اپنی بات ٹیلی ویژن کے ذریعہ سامعین تک پہونچا سکتا ہے۔ بس اجرت دینا ہوگی۔ اس وقت امریکہ اپنی وسعتوں اور آبادی کے پھیلے ہوئے ہونے کے باعث اس حال میں ہے کہ عوام تک بات پہونچانے کا ذریعہ صرف صحافت اور

ٹیلی ویژن رہ گئے ہیں جن کے ذریعہ عوام کے وسیع حلقوں تک بات پہونچانا ممکن ہے۔ ریڈیو یہاں ۲۴ گھنٹے اور ٹیلی ویژن ۲۲ گھنٹے روزانہ چلتا ہے دونوں کی اصل آمدنی اشتہارات کی اجرت سے ہوتی ہے۔ ریڈیو کی بعض موجیں (WAVES) صرف خبریں نشر کرنے پر وقف ہیں۔ ہر آدھے گھنٹہ پر نیا نشریہ ہوتا ہے جو آدھے گھنٹہ تک جاری رہتا ہے۔ خبروں کے درمیان درمیان موسم کا حال اور اشتہارات ہوتے ہیں۔ امریکہ کا موسم ایسا غیر یقینی اور جلدی جلدی بدلنے والا ہوتا ہے کہ موسم کے حال کی بڑی اہمیت سمجھی جاتی اور لوگ اس کی بڑی فکر رکھتے ہیں۔ بعض موجیں شہر کے ٹرافک کی صورت حال سناتی رہتی ہیں تاکہ موٹر نشین اپنے راستوں کے سلسلہ میں رہنمائی حاصل کر سکیں۔ ٹیلی ویژن پر ۱۲ ـ ۱۳ ـ ۱۴ ـ ۱۴ چینل آتے ہیں جو مختلف کمپنیوں کے ہوتے ہیں۔ بعض محض تفریحی، بعض بچوں کے، بعض ثقافتی، بعض سنجیدہ اور علمی۔ انہی میں خبروں کا بھی سلسلہ رہتا ہے۔ مغربی تہذیب میں ٹیلی ویژن سب سے زیادہ مؤثر ذریعۂ ابلاغ ہے۔ اور صرف ذریعۂ ابلاغ ہی نہیں بلکہ امریکی جدید نسل کے لئے زبردست ذریعۂ تربیت ہے۔ امریکہ کی آبادی کی نجی زندگی کا سارا فساد یا تو اس ٹیلی ویژن کے پروگراموں سے ہے اور یا صحافت کے مشتملات سے۔

بلالیوں کی طرف سے دعوت

بلالیوں کے سربراہ وارث الدین محمد کے اعزاز میں ان کے بھائی نے ایک دعوت کا اہتمام شیکاگو ہی میں آج کیا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی جماعت سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد کو دعوت دی ہے۔ ان مدعوین میں . . .

ایم۔ ایس۔ اے کے باہر سے آئے ہوئے مہمان بھی شامل ہیں۔ چنانچہ مولانا مدظلہٗ بھی مدعو ہیں۔ ایم۔ ایس کے ذمہ داروں نے تاکید بھی کر رکھی ہے کہ ضرور شرکت کی جائے۔ اس اخلاق و قرب سے اس جماعت کو مسلمانوں سے مزید قریب لانے میں مدد ملے گی۔ چنانچہ مولانا مدظلہٗ دعوت میں شرکت پر راضی ہوئے اور اس کے لئے صرف ایک روزہ پروگرام یہاں شیکاگو کا بنا۔ جو صرف اس دعوت میں شرکت کا پروگرام ہے۔ شیکاگو کا اصل دعوتی دورہ بعد میں رکھا گیا ہے۔ اسی لئے اس موقع پر شیکاگو کا تذکرہ صرف کالے مسلمانوں کے پہلو سے ہی کیا جا رہا ہے۔ دوسرے پہلو انشاء اللہ بعد میں آئیں گے۔

بوسٹن میں رات میں جب ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری سے ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی تھی تو انہوں نے اس پروگرام میں مولانا مدظلہٗ کی شرکت پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ ابھی بلالیوں کی یہ جماعت اسلام سے دور ہے۔ اس کی دعوت میں شرکت سے یہ پروپگنڈہ ہوگا کہ یہ تمام اہل حق مسلمان اس جماعت کو اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح سمجھتے ہیں اور یہ بات صحیح العقیدہ کالے مسلمانوں کی کبیدگی کا باعث بنے گی۔ گمراہ کالے مسلمانوں کو سیاسی طور پر تقویت حاصل ہوگی اور ان کے منصوبوں کو مدد ملے گی جو کہ اسلام کے لئے مفید نہیں ہیں۔

شکاگو کا سفر اور ڈاکٹر عبد السلام انصاری

ڈاکٹر ظفر صاحب کی اس گفتگو کے بعد اب اس شرکت پر وہ انشراح باقی نہیں رہا تھا جو پہلے تھا لیکن چونکہ مولانا مدظلہٗ پختہ وعدہ کر چکے تھے اور ہوائی سفر کے سارے

انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور اب معذرت کا وقت بھی باقی نہ تھا اس لئے کشاں کشاں صبح شکاگو کا سفر کرنا پڑا۔ شیکاگو ایر پورٹ پر اعظم گڈھ کے ایک فاضل ڈاکٹر عبد السلام انصاری جو سدرن الی نوائے یونیورسٹی (SOUTHERN ILLINOIS UNIVERSITY) میں ریاضی کے پروفیسر ہیں لینے آئے۔ وہ کوپا گنج ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے ساتھ ان ہی کے مکان پر جانا ہوا۔ ان کو ایم۔ ایس۔ لے والوں نے ہم لوگوں کا میزبان قرار دیا تھا۔ ڈاکٹر عبد السلام صاحب پہلے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں لکچرار تھے۔ اب کئی سال سے یہاں آگئے ہیں۔ اچھے جذبہ کے خوش اخلاق اور دیندار مسلمان ہیں۔ بہت محبت سے ملے۔ ہندوستان میں ایک ملاقات کا ذکر کر رہے تھے۔

ڈاکٹر عبد السلام صاحب کا مکان شیکاگو شہر کے کنارے ایک محلہ میں واقع ہے۔ یہاں اور کئی مسلمانوں کے مکانات ہیں۔ سب اصلاحی دعوتی ذہن رکھتے ہیں اور اچھے جذبہ کے لوگ ہیں۔ اس طرح یہاں ایک اچھی کمیونٹی بن رہی ہے۔

مکانات کا طرز اور معیار زندگی

سب کے مکانات بنگلوں کے طرز کے ہیں اور یہ طرز امریکہ میں اسّی فیصدی آبادی کا ہے۔ ہر شہر میں وسط شہر کے علاوہ ساری آبادی اسی طرح کے بنگلوں میں رہتی ہے۔ ان بنگلوں کا طرز عموماً ملتا جلتا ہے۔ یہ اصلاً لکڑی کے بنے ہوتے ہیں۔ باہر از قسم کبھی اینٹوں کی بھی ہوتی ہے اور کبھی وہ بھی لکڑی کی۔ اندر کے حصے مختصر خاندانی رہائش کے لائق کمروں اور ضرورت کے دیگر انتظامات کے لائق ہوتے ہیں۔ مکان میں

حسب وسعت و معیار آراستہ اور آرام دہ ہوتے ہیں، فرش پوشی اور صوفے عام سطح میں داخل ہیں۔ . . . .

. . . . مالی وسعت کے لحاظ سے مکان کے ایک حصہ میں یا کسی جگہوں پر ٹیلی ویژن سیٹ مہیا ہوتے ہیں۔ بنگلوں کے اس طرز میں فرق ایک حد تک معیار دولت کا ہوتا ہے لیکن اس سے . . . کم نہیں ہوتا جو اوپر بیان کیا گیا امریکہ میں آمدنی کے لحاظ سے صرف اعلیٰ اور اوسط طبقہ ہوتا ہے۔ ادنیٰ طبقہ وہاں موجود نہیں ہے۔ ادنیٰ کام کرنے والوں کو بھی اوسط طبقہ کی طرح آمدنی ہوتی ہے اور اس کے لوگ بھی اس طرح کے مکانات میں رہتے ہیں اور عام طور پر ہر خاندان کم از کم ایک موٹر رکھتا ہے جس کو وہ اپنی آمدنی سے بالاقساط یا یکمشت خرید سکتا ہے۔ موٹر امریکی زندگی میں محض راحت کی نہیں بلکہ ضرورت کی چیز بن چکی ہے۔ فاصلوں کا ایسا سلسلہ ہے جس پر بغیر ذاتی سواری کے قابو پانا ناممکن ہے۔

کالوں کی آبادی کی زبوں حالی اور اس کی ذمہ داری

ڈاکٹر عبد السلام انصاری کے یہاں پہونچ کر ہم لوگوں نے ناشتہ کیا۔ پھر کچھ آرام کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے شیکاگو کے کچھ علاقوں کی ہم لوگوں کو سیر کرائی جس میں خاص طور پر کالوں کا ایک محلہ دکھایا۔ ہم لوگ کالوں کا محلہ اس لئے بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ اندازہ کر سکیں کہ امریکہ میں ان کی پسماندگی کس طرح کی ہے اور اس کا بظاہر سبب کیا ہے۔ کیا صرف یہی سبب ہے کہ گورے ان کے ساتھ امتیازی برتاؤ کرتے ہیں، اور ان کی ترقی میں حائل ہوتے ہیں یا خود کالوں کی سستی اور نالائقی بھی اس کا

سبب ہے۔ بہرحال ہم لوگوں نے اس محلہ میں ہندوستانی محلوں کی طرح ابتری اور گندگی دیکھی۔ اسی کے ساتھ کالے لڑکوں کو سڑک پر آوارہ پھرتے اور وقت ضائع کرتے دیکھا اور بڑوں کو بعض بعض جگہ پر بے شغلوں میں بھی پایا۔ فٹ پاتھ ناصاف اور بعض بعض جگہ بجلی کے کھمبوں کو روشنی سے ویران پایا۔ ان سب کو دیکھ کر یہ رائے قائم ہوئی کہ کالوں کی خود اپنی سستی اور کوتاہی کو خاصا دخل ہے ورنہ وہ باتیں جو صرف ان کے کرنے کی ہیں وہ تو کر ہی سکتے تھے۔ اس کے بعد حکومت یا گوروں کی شکایت بجا ہوتی۔ اگرچہ گوروں کو بھی ذمہ داری سے بری نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس علاقہ کی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے کارپوریشن کے وسائل کیوں سرگرم عمل نہیں ہوتے۔ اور کیوں ان کی طرف سے بے توجہی برتی جاتی ہے۔ بہرحال افسوس ہوا اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ اس پسماندگی، جہالت اور بے کاری کے بعد ان لوگوں میں جو بھی بے راہ روی اور غنڈہ گردی پیدا ہو، قرین قیاس ہے۔ امریکہ کے گوروں کو سمجھنا چاہیئے کہ کالوں کی پسماندگی صرف کالوں کے لئے ہی مصیبت نہیں ہے بلکہ یہ بڑھ کر سارے ملک کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ قوم کا ایک جز اگر بے راہ روی اور غنڈہ گردی، لوٹ مار اور ہیجانی زندگی کا خوگر ہو چکا تو وہ سارے ملک کو تباہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ امریکہ کے قتل، اغوا، ڈکیتی سب اسی غلط کاری کا نتیجہ ہے کہ قوم کے ایک جز کو بھی ان حالات میں مبتلا رہنے دیا جائے۔ اسی طرح کی صورت حال کی جھلکیاں ان جمہوری و غیر جمہوری ملکوں میں بھی پائی جاتی ہے جہاں اقلیتوں یا پسماندہ ذاتوں کے ساتھ بے اعتنائی اور حق تلفی کا برتاؤ کیا جاتا ہے وہاں بھی یہ بات پورے ملک اور قوم کے لئے خطرہ کی گھنٹی بن گئی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ حکومت کی طرف سے ہر امریکی کو اگر وہ بے روزگار ہے بے روزگاری

کا وظیفہ ملتا ہے۔ اور کوئی شخص ننگا بھوکا نہیں رہ سکتا اور اس طرح کے وظائف یہ کالے لوگ سب سے زیادہ حاصل کرتے ہیں اور جان بوجھ کر بے کار رہتے ہیں اور مزے کرتے ہیں۔ لیکن امریکی حکومت کو بے روزگاروں کا وظیفہ جاری کر دینے پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے بلکہ ملک کے عوام میں شائستگی اور تعلیم کا یکساں معیار قائم کرنے کی طرف بھی توجہ کرنا چاہیئے ورنہ یہ آگ کا وہ شرارہ ثابت ہوگا جو امریکی آشیانہ کو جلا کر خاکستر کر دے گا۔

کالوں کی تمام خرابیوں اور عیوب کے باوجود ان کالوں کے پڑھے لکھے طبقے میں اپنی پسماندگی کو دور کرنے کی ضرورت کا احساس بھی خاصا ہے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے حکومت اور کمپنیوں میں اچھے منصب حاصل کئے ہیں۔ علم و فن کے میدان میں بھی کئی کالوں نے نام پیدا کیا ہے اور ملک میں اپنا تفوق ثابت کیا ہے۔ ان میں صرف محمد علی کلے جیسے طاقت کے چیمپین ہی نہیں بلکہ کئی اچھے شاعر اور اہل علم بھی ہوئے۔ سیاست میں بھی ان کی شرکت ہے۔ موجودہ امریکی پارلیمنٹ میں کالوں کی تعداد ۱۶ ہے۔ یہ ۱۶ آدمی ایک کاکس (CAUCUS) "گروہ" کی شکل میں اپنے مسائل کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ انہی کالوں میں سے ایک شخص صدر کا ایک مشیر بھی ہے۔

ناظر الدین علی صاحب بھی ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے قریب ہی ایک مکان میں رہتے ہیں اور ایم۔ ایس۔ اے کے نائب صدر ہیں، یہی ایم۔ ایس۔ اے کی سالانہ کانفرنس کے صدر تھے۔ یہ حیدر آباد کے ہیں۔ یہاں شیکاگو میں عرصہ سے مقیم ہیں اور ایک معقول ملازمت میں ہیں۔ شریف، خوش اخلاق اور متواضع آدمی ہیں۔

ہم لوگوں کو مجوزہ دعوت میں عصر سے قبل جانا تھا تاکہ وہاں ملاقاتوں کا وقت بھی مل سکے۔ ایم۔ ایس۔ اے کے مہمانوں کی فکر اور شرکت، دعوت کا اہتمام

ایس۔ اے کے ایک اہم رکن اور عہدہ دار ڈاکٹر الیتجانی ابوجدیری کرتے ہیں۔ وہ سوڈانی ہیں اور ایم۔ ایس۔ اے کی تعلیمی کمیٹی اور نیز بلالی مسلمانوں سے روابط کے ذمہ دار ہیں۔ ان کی ان بلالی مسلمانوں میں بہت آمدورفت ہے اور وارث الدین سے اچھے تعلقات ہیں۔ آدمی قابل، ذہین اور سمجھ دار ہیں۔ انہوں نے کہلوایا تھا کہ مولانا ذرا پہلے ہی تشریف لے آئیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ہم لوگوں کو لے کر عصر کے قریب مشیگن کی عظیم جھیل (LAKE MICHIGAN) کے کنارے واقع شیکاگو کے ڈاؤن ٹاؤن پہونچے۔

حیاٹ (HYATT) ہوٹل میں

حیاٹ ہوٹل میں دعوت کا نظم تھا۔ وہاں پہونچنے پر تیجانی صاحب نے اوپر ہوٹل کے ایک کمرے میں ذرا انتظار کرنے کے لئے بھیجا۔ تھوڑی دیر ہم لوگ وہاں رہے پھر نیچے واپس آئے۔ ہوٹل کے نیچے کے حصہ میں استقبال کا انتظام تھا۔ لوگ برابر آرہے تھے۔ آزادانہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ آنے والے عورت، مرد، مختاط کم غیر مختاط زیادہ لوگ تھے۔ لباس اور وضع کے لحاظ سے نیز ملنے ملانے میں بے باکی کے مناظر تصدیق کررہے تھے کہ ہم یقیناً امریکہ میں ہیں۔ ان مناظر سے طبیعت بہت متاثر ہوئی۔ پھر ڈاکٹر ظفر اسحق کی رات کی گفتگو بھی یاد تھی۔ مولانا مدظلہ کو سخت انقباض ہوا۔ طبیعت ان مناظر کی متحمل نہ تھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے ہم لوگوں نے کہا کہ اس سے نجات کی کیا صورت ہے۔ ہم لوگ سخت منقبض ہیں۔ وہ بے چارے حیران ہوئے کہ کیا کریں۔

محمد علی کلے سے ملاقات

اس درمیان میں کئی اہم اشخاص سے ملاقات ہوئی۔ جامعۃ الامام سعود ریاض کے عمید شئون الطلاب شیخ سعود عبداللہ العلی اور وزارۃ التعلیم العالی کے شعبہ التوعیۃ الاسلامیۃ کے مدیر شیخ عبداللہ الصلیفح سے ملاقات ہوئی۔ ان پر بھی اس غیر اسلامی ماحول کا انقباض تھا۔ بلالی مسلمانوں کی اہم شخصیتیں ایک ایک کرکے آرہی تھیں۔ ان میں بعض امریکی سینٹ (پارلیمنٹ) کے ممبر بھی تھے۔ ایک پارٹی آئی ان میں محمد علی کلے بھی تھے ڈاکٹر عبدالسلام انصاری ان کو مولانا مدظلہ کے پاس لے کر آئے۔ انہوں نے آکر مصافحہ کیا اور تپاک سے ملے۔ تعارف ہوا۔ رنگ سانولا، چہرہ موزوں اور قد مناسب اور اچھا تھا۔ بہت عرصہ سے سنتے تھے آج ملاقات ہوئی۔ شخصیت اچھی معلوم ہوئی۔ گفتگو کا موقع نہ تھا۔ اس کے بعد ماحول کی کیفیت نیز اصل اجتماع میں تاخیر کے باعث مولانا مدظلہ کا تردد مزید بڑھا اور انہوں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور اصرار کیا اور کہا کہ ہم نے آمد کا فرض پورا کردیا۔ سامنے پروگرام میں جو شاید کئی گھنٹے چلے ہماری ہمت نہیں ہے، اس لئے ہم کو واپسی کی اجازت دے دیجئے، یہاں ہماری واپسی کو اتنے بڑے مجمع اور حاضرین میں محسوس نہیں کیا جائے گا، اور کوئی بدنمائی نہ ہوگی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہم لوگ واپس آگئے اور رات کا کھانا ڈاکٹر عبدالسلام کے گھر پر کھایا۔ بلالیوں کی دعوت میں صرف علامتی حاضری ہی کو کافی سمجھا۔

سید عظمت اللہ قادری حیدرآبادی

رات کو محلہ کے اور کئی مسلمان باشندے آئے۔ ان سے گفتگو رہی۔ ان میں سید عظمت اللہ قادری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حیدرآباد کے ہیں اور بہت معقول، شریف اور دیندار آدمی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے گھر والے آجکل حیدرآباد گئے ہوئے ہیں گھر میں اچھی گنجائش ہے۔ آپ ہمارے یہاں ٹھیریے بالکل پڑوس میں ہی ہمارا مکان ہے۔ مولانا مدظلہٗ نے فرمایا انشاء اللہ اگلی آمد پر جو کئی روز کی ہوگی آپ کے یہاں قیام کریں گے۔ اس وقت تو صرف طالبیوں کی دعوت میں آنا ہوا تھا۔ سید عظمت اللہ صاحب قادری شیکاگو مسلم کمیونٹی کے سکریٹری بھی ہیں اور دینی اور دعوتی کاموں میں بہت چست اور فعّال ہیں۔

دوسرے دن صبح ہم لوگوں کو ایک درمیانی سفر فلاڈلفیا کا کرنا تھا جہاں ڈاکٹر شیخ سے آنکھ کے سلسلہ میں مولانا مدظلہٗ کو مشورہ لینا تھا۔ اس درمیانی پروگرام سے فرصت پاکر امریکہ کے مختلف مقامات میں اس دعوتی دورہ کو پھر جاری رکھنا ہے۔ یہ کل کا دن اصلاً مونٹریال کناڈا کے لئے تھا لیکن نجی ضرورت کی بناء پر فلاڈلفیا کے لئے مخصوص کیا گیا۔

ایم۔ ایس۔ اے کے ذمہ داران سے ملاقات

چہارشنبہ ۸ جون ۱۹۷۷ء

صبح ایم۔ ایس۔ اے کے کئی ذمہ دار ملنے تشریف لائے۔ ان میں صدر یعقوب

مرزا صاحب، نائب صدر ناظر الدین علی صاحب، سکریٹری محمود رشدان صاحب ایک شعبہ کے ڈائرکٹر اور ہم مہمانوں کے معاملات کے خصوصی رہبر انیس احمد صاحب قابلِ ذکر ہیں تھوڑی دیر تک اچھی اور دلچسپ نشست رہی اس میں فلاڈلفیا پھر مونٹریال اور ٹورنٹو اور اس کے آگے کے سفروں کا پروگرام متعین کیا گیا۔ اور یہ طے ہوا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد ۱۱ بجے کے جہاز سے فلاڈلفیا جانا ہوگا۔ وہاں رات رہ کر اگلے روز ڈاکٹر سے ملنا اور اسی روز مونٹریال پہونچ جانا ہوگا۔ مونٹریال کے احباب کو بھی مطلع کر دیا گیا کہ اب پروگرام حالیہ تبدیلی کے لحاظ سے مرتب کریں۔ مونٹریال سے ٹورنٹو، لاس انجلس، سان فرانسکو، سالٹ لیک سٹی، ڈیٹرائٹ اور شیکاگو کا پروگرام حسب ترتیب و تجویز سابق انجام دیا جائے گا۔

پاکستان کے رنج دہ حالات کا تذکرہ

اسی نشست میں پاکستان انجمن طلباء کے مندوب بھی ملے۔ انہوں نے پاکستان کے الکشن کے بعد کے ہنگاموں اور مسٹر بھٹو کے مظالم کا تذکرہ کیا اور کئی فوٹو بھی دکھائے جو غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں نے کسی طرح بر وقت حاصل کر لئے تھے۔ ان کی اس سلسلہ کی متعدد کوششیں اگر ناکام نہ ہو جاتیں تو یہ فوٹو زیادہ تعداد میں ہوتے اور زیادہ متاثر کرنے والے ثابت ہوتے۔ ان تصویروں سے بربان تشدد اور ظلم کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ بہت رنجدہ اور المناک ہے۔ ان پاکستانی دوست نے بتایا کہ عوام مظالم کے جس چکر سے گذرے اور گذر رہے ہیں، ملک کے باہر کے لوگ اس کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ پاکستانی عوام نے ان مظالم کے سامنے جس صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی اپنی

مثال آپ ہے اور اگرچہ ابھی تک مظالم کی اس رات کی صبح نہیں ہوسکی ہے لیکن حالات تبدیلی کا اشارہ دینے لگے ہیں۔ حکومت وقت عوام کے صبر و ثبات سے تنگ آکر بات چیت کے لئے جھک رہی ہے۔

انیس احمد صاحب کی رفاقت برائے سفر فلاڈلفیا

۱۱ بجے کے جہاز کے لئے ہم لوگ ایرپورٹ پہونچے۔ انیس احمد صاحب سفر میں ساتھ رہیں گے اور ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرنے اور معاملات طے کرانے میں پوری مدد کریں گے۔ ایک غیر ملک میں اس طرح کی مدد ایک بہت قیمتی تعاون ہے جس پر مولانا مدظلہ نے انیس احمد صاحب کے سامنے کئی بار اظہار تشکر کیا۔ انیس احمد صاحب اچھی طبیعت کے اور خوش اخلاق انسان ہیں۔ ان سے ہم لوگوں کی طبیعت بہت مانوس ہوئی۔ وہ دعوتی کاموں میں بھی بڑے مصروف رہتے ہیں۔ ان کی یہ تندہی اور مصروفیت بعض وقت ان کی صحت کے مصالح کے خلاف بھی پڑتی ہے لیکن ان کا جذبہ ہمیشہ صحت کے تقاضوں پر غالب رہتا ہے۔

شیکاگو ایرپورٹ

شیکاگو کا ایرپورٹ امریکہ بلکہ دنیا کا سب سے مصروف ایرپورٹ ہے۔ نیویارک کے ایرپورٹ کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہر منٹ میں ایک پرواز کا اوسط ہے۔ یہاں ہر منٹ میں دو پروازوں کا اوسط بتایا جاتا ہے۔ اور دیکھنے میں بھی بہت معروف معلوم ہوتا ہے۔ کسی وقت بھی آدمی پہونچے تو اس کو بیک وقت کئی جہاز مختلف رن وے

میں متحرک نظر آئیں گے۔ کوئی تو رن وے پر دوڑ رہا ہے . . . . اور کوئی رن وے پر آرہا ہے اور کوئی رن وے سے اڑ رہا ہے اور کوئی فضاء میں ہے . . . . ایرپورٹ ایک وسیع علاقہ میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے ہر چہار طرف آمد و رفت کے ٹرمنس بنے ہوئے ہیں جو مختلف ہوائی کمپنیوں کے درمیان بٹے ہوئے ہیں۔ اس کے مختلف حصوں میں سے ہر حصہ دنیا کے کسی مستقل ایرپورٹ سے کم نہیں بلکہ فائق ہے۔ ہر طرف مسافروں کی بھیڑ ہے۔ لیکن خاموشی کے ساتھ سب کام انجام پا رہا ہے۔ کاؤنٹر اور رہنمائی کے لئے تختیوں پر بنے ہوئے اشارے، ٹیلی ویژن سے کئے جانے والے اعلانات مسافروں کی خاموش رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ کام میں بھی پھرتی ہے۔ اگر کوئی شخص اتفاقاً جہاز چھوٹنے سے پانچ منٹ قبل بھی ایرپورٹ پہونچ گیا ہے تو اس کے سفر کی کارروائی میں ایسی پھرتی ہوگی کہ اس کو جہاز مل جائے۔

امریکہ میں وقت کے لحاظ سے چار منطقے

امریکہ میں مشرق و مغرب کا فاصلہ تقریباً تین ہزار میل کا ہے۔ جو سورج کے اعتبار سے تقریباً تین گھنٹوں میں قطع ہوتا ہے۔ لہذا امریکہ میں وقت کے لحاظ سے چار منطقے ہیں۔ اس کے مشرقی ساحل سے مغربی ساحل کا وقت تین گھنٹے کا فرق رکھتا ہے اور درمیان میں ایک ایک گھنٹہ کے فرق سے وقت کے دو منطقے ہیں چنانچہ نیویارک، بوسٹن، فلاڈلفیا وغیرہ میں اگر بارہ بجے کا وقت ہے تو شیکاگو اور انڈیانا پولس وغیرہ میں گیارہ بجے کا، اور سالٹ لیک سٹی وغیرہ میں دس بجے کا اور کیلیفورنیا میں ۹ بجے کا وقت ہوگا۔ بوسٹن سے ہم لوگ

شیکاگو آئے تو ایک گھنٹہ پیچھے ہو گئے۔ اب فلاڈلفیا جا رہے ہیں تو اس سے ایک گھنٹہ آگے ہو جائیں گے۔

فلاڈلفیا شہر

شیکاگو سے فلاڈلفیا ۷۶۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ فاصلہ شیکاگو سے نیویارک کے فاصلہ سے ایک سو میل سے کم ہے۔ فلاڈلفیا نیویارک کے جنوب مغرب میں ۹۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور واشنگٹن سے شمال میں ۱۳۵ میل کے فاصلہ پر دریائے ڈیلاویر (DELAWARE RIVER) کے کنارے آباد ہے۔ دریا اس کو نیوجرسی اسٹیٹ سے جدا کرتا ہے۔ اسی دریا کے ذریعہ سمندر سے جہاز آتے جاتے ہیں۔ شہر میں کالوں کی آبادی، کل آبادی کا ½ ہے۔ ایرپورٹ بھی بہت مصروف رہتا ہے۔ بہت آمد و رفت ہے۔ آبادی اور شہرت کے لحاظ سے امریکہ کا چوتھے نمبر کا شہر ہے اور پنسلوانیا اسٹیٹ میں واقع ہے۔ امریکہ کی آزادی کے سلسلہ میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے یہیں انڈیپنڈنس ہال (INDEPENDENCE HALL) میں آزادی کا منشور تیار ہوا۔ یہاں آزادی کا گھنٹہ ہے اور امریکہ کا یوم آزادی یہاں خاص طور سے منایا جاتا ہے۔ یہ شہر شروع دور میں امریکہ کا دارالسلطنت بھی رہ چکا ہے۔ اس کی شہری آبادی ۲۰ لاکھ اور مضافات ملا کر ۴۸ لاکھ ہے پنسلوانیا یونیورسٹی اور ٹمپل یونیورسٹی یہاں کی مشہور یونیورسٹیاں ہیں۔ ہر ایک میں ۳۰/۳۵ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہونگے۔

آنکھ کے ماہر عیسائی سرجن ڈاکٹر شے

یہاں امریکہ کے ایک ماہر ترین آنکھ کے سرجن ڈاکٹر شے کا آئی انسٹی ٹیوٹ اور

ہاسپٹل (EYE INSTITUTE AND HOSPITAL) ہے جو پریسبیٹرین یونیورسٹی (PRESBYTERIAN UNIVERSITY) سے وابستہ ہے لیکن ڈاکٹر شے کا قائم کیا ہوا ہے اس لئے ان کے نام سے موسوم ہے اور اب وہ اس کے ڈائرکٹر اور صدر ہیں۔ بوڑھے ہیں لیکن ابھی چست ہیں اور اپنے ایک خاص طریقۂ علاج میں ساری دنیا میں منفرد سمجھے جاتے ہیں۔ عیسائی ہیں ورنہ امریکہ میں طب کے میدان میں یہودیوں کا قبضہ ہے اور اہم اور بااثر ڈاکٹر انہی میں سے ہوتے ہیں۔ چونکہ مولانا مدظلہٗ کی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنی آنکھ کا مشورہ اور آپریشن کسی یہودی سرجن سے نہ کروائیں اور ہندوستان کے دوستوں نے بھی اس کی تاکید کی تھی خاص طور پر مشہور داعی مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری اور ڈاکٹر ابرار مصطفےٰ صاحب پروفیسر علی گڈھ یونیورسٹی اور بعض بمبئی کے احباب نے خصوصی توجہ دلائی تھی اس لئے ڈاکٹر شے ہی اس کام کے لئے موزوں معلوم ہوئے خاص طور پر اس لئے بھی کہ ان جیسے ماہرین چشم امریکہ میں مشکل سے دو ایک ہوں گے اور ایک طریقۂ علاج میں وہ بالکل منفرد ہیں معلوم ہوا کہ وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن سابق وائسرائے ہند کے بھی طبی مشیر و معالج ہیں۔ گذشتہ سال میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان نے بھی انہی سے اپنی آنکھ کا آپریشن کرایا تھا۔ ڈاکٹر اعوان صاحب ایک پاکستانی فاضل ان کے شاگرد رہے ہیں۔ ان کی وساطت سے ۹ جون کی تاریخ طے ہوئی۔ ورنہ ڈاکٹر صاحب کی شدید مصروفیت کے باعث مزید تاخیر ہوتی۔

ایرپورٹ پر کرایہ کی کار کا ایک اچھا انتظام

بہر حال قبل عصر ہم لوگ فلاڈلفیا پہونچے۔ ایرپورٹ اچھا وسیع اور معیاری

تھا۔ یہ بھی مصروف ہوائی مستقر ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق سال بھر میں ۲۰ لاکھ مسافروں نے اس کو سفر کے لئے استعمال کیا۔ انیس احمد صاحب نے ہم لوگوں کو ایرپورٹ لوبج میں روک کر تھوڑی دیر کے لئے اجازت چاہی اور زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ وہ ایک اچھی کار ڈرائیو کرتے ہوئے آتے نظر آئے۔ اس میں سامان رکھا اور ہم لوگ شہر روانہ ہوگئے۔ یہ کار انہوں نے کرایہ پر لی تھی۔ امریکہ میں ہر بڑے شہر میں متعدد کمپنیاں زیادہ وقت کے لئے کاریں کرایہ پر مہیا کرتی ہیں جو کریڈٹ کارڈ دکھانے اور نمبر نوٹ کرانے پر بھی مل جاتی ہیں۔ کرایہ دار خود ڈرائیو کرتا ہے اور نجی کار کی طرح رکھتا اور استعمال کرتا ہے۔ اس میں کسی شخص کو کسی نئے شہر میں سواری کی دشواری پیش نہیں آتی ورنہ ٹیکسی کے لئے آدمی وہ آزادانہ فائدے نہیں اٹھا سکتا جو اپنی نجی کار سے اٹھا سکتا ہے۔ ان کمپنیوں میں مشہور نام HERTZ اور DOLAR کے ہیں۔ ہر ایرپورٹ پر ایک لائن میں ان کمپنیوں کے کاؤنٹر بنے ہوتے ہیں۔ ہوائی جہاز سے اترتے ہی جس کمپنی کو پسند کرے آدمی وہاں سے کار کا معاملہ کر سکتا ہے اور شہر چھوڑنے پر واپسی میں ایرپورٹ پر کار واپس کر سکتا ہے۔ چنانچہ انیس احمد صاحب کی لی ہوئی یہ کار دوسرے روز عصر کے وقت تک ہم لوگوں کے ساتھ رہی اور آمد و رفت میں ٹیکسی کے جھگڑوں یا کار رکھنے والے دوستوں کی ممنونیت سے بے نیازی رہی۔ کریڈٹ کارڈ کے سلسلہ میں انیس احمد صاحب نے یہ بھی بتایا کہ اس کا امریکہ میں عام رواج ہے اور اس سے لوگوں کو بہت سہولت اور کارڈ جاری کرنے والوں کو فائدہ ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی رقم کی بروقت ادائیگی کا حاجتمند نہیں ہوتا وہ جیب رقم سے خالی رکھتا ہے چوری کا اندیشہ نہیں اور خرچ کی صلاحیت میں کمی نہیں ہوتی۔ اس لئے اشیاء کی خریداری آدمی اس سے زیادہ کرتا ہے جتنی وہ نقد کی

صورت میں کرتا ہے۔

"ہالی ڈے اِن ہوٹل" اور اس کے کمروں کا انداز

ایرپورٹ سے چل کر وسط شہر میں ہالی ڈے ان (HOLIDAY —— INN HOTEL) نامی ہوٹل میں اترنا ہوا۔ وہاں ۱۹ ویں منزل میں دو کمرے انیس احمد صاحب نے ریزرو کرائے۔ ایک میں وہ اور دوسرے میں مولانا مدظلہٗ اور ان کے ہمراہ میں ٹھہرا۔ طرز وہی ہے جو تقریباً ہر ہوٹل کے کمروں کا ہوتا ہے۔

ہوٹلوں کے قیام میں کھانے کے لئے بہتر طریقہ ان کے کیفٹیریا میں جا کر کھانے کا موزوں معلوم ہوا چنانچہ یہاں انیس احمد صاحب کی رہنمائی میں اسی پر عمل کیا گیا، کھانے میں مچھلی اور آلو زیادہ محفوظ معلوم ہوئے۔

ہوٹل کے کمروں کا ریٹ مختلف ہوٹلوں میں مختلف ہے۔ کمرے کے دروازے پر اس کی لسٹ آویزاں رہتی ہے۔ بلومنگٹن میں کمرہ کا کرایہ فی شخص ۲۰ ڈالر دو شخصوں پر ۲۵ ڈالر تھا۔ یہاں ایک شخص کی صورت میں ۳۰ ڈالر، دو شخص کی صورت میں ۳۷ ڈالر اور تین شخص کی صورت میں ۴۴ ڈالر کرایہ ہے۔ یہ کرائے بذات خود تو زیادہ محسوس ہو سکتے ہیں لیکن امریکہ میں کرانے والوں کے لئے زیادہ نہیں ہیں۔ کیونکہ ڈالر یہاں کا روپیہ سمجھا جاتا ہے۔ سعودی عرب میں ایسے کمرہ کا روزانہ کرایہ سو دو سو ریال اور ہندوستان میں سو روپیوں سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ "ہالی ڈے ان" کے ہوٹل امریکہ کے معیاری ہوٹل سمجھے جاتے ہیں۔ دوسرے ہوٹل بھی تقریباً اسی اسٹائل

کے یا اسی سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

احباب سے دینی گفتگو

انیس احمد صاحب نے ایم۔ ایس۔ اے اور دینی دعوت کے کام سے متعلق بعض دوستوں کو ٹیلی فون سے مطلع کیا کہ مولانا تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ حضرات آج شام ہوٹل آکر ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بعد عصر دس بارہ حضرات اکٹھا ہوئے۔ ان میں پاکستانی، افغانی، کچھ ہندوستانی، اور کچھ ملیشیا کے اور دو ایک عرب تھے۔ تقریر کا موقع تو نہ تھا، دعوتی موضوعات پر سوال و جواب کا سلسلہ رہا۔ سوال اردو یا عربی میں ہوتا تو مولانا مدظلہ، سائل کی زبان میں جواب دیتے اور انیس احمد صاحب یا کوئی دوسرے صاحب اس کو انگریزی میں ترجمہ کر دیتے تاکہ اس زبان کے نہ سمجھنے والے کو استفادہ سے محرومی نہ ہو۔ سوالات میں اتفاقاً ایک سوال ایسا بھی تھا جس کے جواب میں مولانا مدظلہ نے بعض تخریبی جماعتوں کا تذکرہ کیا۔ اس تذکرہ میں شیعیت کا نام بھی آیا۔ مجلس میں ایک اہل تشیع بھی موجود تھے لیکن کوئی اعتراض یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن بعد کے حالات سے اور ان خطوط سے جو انہوں نے ہمارے ہندوستان پہونچنے کے بعد لکھے معلوم ہوا کہ ان کو اس جواب سے بڑی ناگواری ہوئی اور آخر تک وہ اس کو بھلا نہ سکے۔

ڈاکٹر شے آئی انسٹی ٹیوٹ اور ڈاکٹر شے ۔۔۔۔۔۔ پنجشنبہ ۹ جون

صبح سات بجے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا وقت متعین ہوا۔ لہذا ے بجے ہم

لوگ ڈاکٹر شے کے اسپتال پہونچ گئے۔ یہ ایک گول طرز کی چار منزلہ مضبوط اور پرشکوہ عمارت ہے۔ اس کے اندر کھڑکیوں، مریضوں کے رجسٹریشن کی جگہوں اور بعض دیگر حصوں کو آنکھ کے دیدہ کی شباہت کا بنایا گیا ہے۔ اور طرز تعمیر نیز طرز فرنیچر میں بھی کچھ ایسی ہی شباہت کا لحاظ کیا گیا ہے جس سے آنکھ اور دیدہ چشم کا تصور ابھرتا ہے۔ عمارت کا درمیانی حصہ ایک گول ہال ہے اس کے وسط میں رجسٹریشن آفس کا کاونٹر اور چاروں جانب کمروں کا ایک گول تسلسل۔ پہلی منزل کے کمروں میں مریضوں کے دیکھنے اور علاج چشم کے انتظامات ہیں۔ ہر کمرہ ان تمام اوزار اور وسائل تحقیق و تشخیص مرض سے ایسا آراستہ رکھا گیا ہے کہ کسی بھی کمرہ میں مریض کو دیکھا جائے تو وسائل تشخیص مرض میں دوسرے کمرہ کی ضرورت نہ پڑے۔ اس کے علاوہ ہر کمرہ میں اندرونی طور پر تمام دیگر کمروں سے رابطہ کا ایسا انتظام ہے کہ ہر وقت دوسرے کمروں کی پوزیشن معلوم ہوتی رہتی ہے تاکہ کسی کمرہ میں بھی موجود ڈاکٹر کسی دوسرے کے متعلق واقف رہے اور یہ جانتا رہے کہ صدر ڈاکٹر یا دوسرے ساتھی ڈاکٹر سے اس وقت کہاں اور کیسے رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ عمارت کی اوپر کی منزلوں میں مریضوں کے رہنے کے لئے کمرے اور اسپتال کے دیگر لوازمات ہیں۔ ہر کام اور ہر ضرورت کے لئے وہ سامان مہیا کیا گیا ہے جو ترقی یافتہ دنیا کا سب سے اعلیٰ اور ترقی یافتہ سامان ہے۔ جو کام بھی آٹومیٹک ہو سکتے ہیں وہ سب آٹومیٹک ہیں۔ اس اسپتال میں تشخیص و علاج مرض کے لئے بہت سے کمرے اور مریضوں کے رہنے کے لئے خاصی تعداد میں کمرے موجود ہیں، ڈاکٹروں کی تعداد حسب ضرورت مناسب ہے۔ عملہ چست اور کارگزار ہے۔ ڈاکٹر شے کا اسپتال کے عملہ پر اچھا اثر ہے اور خود ڈاکٹر شے محنتی، نرم خو اور مذہبی طبیعت

کے آدمی ہیں نسلاً جرمن ہیں جیسا کہ ان کے نام سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مولانا مدظلہ کو دلچسپی اور توجہ سے دیکھا اور دوائیں ڈال ڈال کر کئی مرحلوں میں جانچ کی وہ اور ان کی معاون ڈاکٹر یورنگ خاتون ڈاکٹر جو کہ اسپتال کے شعبہ کی انچارج بھی ہیں میٹھی زبان اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔ مولانا مدظلہ کو معلوم کرنا تھا کہ اس صورت میں ان کی آنکھ میں کٹر یکٹ اور ہائی مائی اوپیا (دور کی نظر کی کمی) بیک وقت دو امراض ہیں جس کی وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ دیدہ کا پردہ آپریشن میں متاثر نہ ہو جائے اس لئے آپریشن کرانا کہاں تک مناسب ہوگا۔ اگر اس میں خطرہ ہو تو موجودہ بچی کھچی دھندلی نظر پر اکتفا کر لیا جائے۔ دوسرے کی مدد سے زندگی کے بہت سے کام انجام پا سکتے ہیں۔ آنکھ کی یہی نزاکت ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کے بجائے یورپ یا امریکہ میں جانچ و آپریشن کرانے کو ترجیح دی گئی۔ یہاں امریکہ میں علاج اور ڈاکٹروں کی مہارت علمی یورپ سے بھی بہت فائق ہے۔ وسائل نہایت ترقی یافتہ، ذرائع بہت تیز اور بکثرت موجود ہیں۔ اگرچہ اس کی اجرت اور مصارف بھی اسی قدر زیادہ لئے جاتے ہیں کہ امریکہ کا عام شہری اگر بیمہ کمپنیوں کی طرف سے تعاون نہ ہو تو شاید بلا علاج ہی زندگی گذار لیتا۔ علاج اس کے بس میں نہ تھا۔

بہرحال امریکہ آنے سے یہ فائدہ اٹھانا ضروری معلوم ہوا کہ کم از کم طبی مشورہ تو ہو جائے۔ متعدد لوگوں نے بتایا کہ علاج معالجہ کی خوبی میں یورپ جتنا مشرقی ممالک سے آگے ہے اتنا امریکہ یورپ سے آگے ہے۔ اس لئے یہ ایک اچھا موقع ہے کہ اس پرانے مسئلہ کو یہاں حل کر لیا جائے۔

آپریشن کی رائے اور یکم جولائی کی تاریخ کا تعین

ڈاکٹر شے نے آنکھ کی طویل جانچ سے فارغ ہو کر پورے اطمینان کا اظہار کیا اور کہا کہ آپریشن میں کوئی خطرہ نہیں اور آنکھ آپریشن کے لئے پوری طرح قابل ہو چکی ہے اور آپریشن کے لئے یکم جولائی طے کی۔ انیس احمد صاحب نے مولانا مدظلہ سے اصرار کیا کہ اچھا موقع ہے۔ بالآخر اسپتال کے دفتر میں یہ تاریخ رجسٹرڈ کرا دی گئی۔ انیس احمد صاحب نے مصارف کے متعلق کچھ ضروری معلومات حاصل کیں اور واپسی ہوئی۔

اسپتالوں میں مریضوں کے لئے انتظار کے وقت کا مناسب مصرف

اسپتال میں لوگ اپنا انتظار کا وقت لٹریچر کے اس ذخیرہ میں گذارتے ہیں۔ جو وہاں وقت گذاری کے لئے رکھا ہوتا ہے۔ یہ انتظار ڈاکٹر سے ملاقات کے لئے اور علاج کی تیاری کے لئے ہوتا ہے اور یہ صرف اسی جگہ نہیں بلکہ اکثر ایسی اجتماعی جگہوں پر جہاں مریضوں کو یا ضرورتمند کو انتظار میں کچھ وقت گذارنا ہو، لٹریچر رکھا رہتا ہے تاکہ بیٹھنے والے کو اکتاہٹ نہ ہو اور اس کا وقت ضائع نہ ہو۔ نیز بیٹھنے کے لئے بھی حسب ضرورت اور معقول انتظام ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر شے آئی انسٹی ٹیوٹ دور میں بھی اسی طرح کی سہولت دیکھی۔ انتظار کرنے والوں کے لئے کرسیوں اور کم بلندی کی میزوں کے گول، چھوٹے ہال میں ...... جگہ پھیلے ہوئے تھے اور میزوں پر اہم روزنامے رکھے ملتے تھے لیکن معلوم ہوا کہ اکثر روزنامے انتظار کرنے والے لوگ عموماً لاتے ہیں خود دیکھنا مقصود ہوتا ہے فارغ کر کے وہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ امریکہ اور یورپ

کی ایک عادت ہے کہ اخبارات خرید کر پڑھتے ہیں دوسرے سے نہیں مانگتے اور
پڑھ کر ساتھ رکھنے کے بجائے اپنی نشست پر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ
فائدہ اٹھائیں اس طرح وہ اس بوجھ کو اٹھائے پھرنے سے بچ جاتے ہیں بعض لوگ
اگر رکھنے کی مناسب جگہ نہیں پاتے تو کوڑے کے ڈبے میں رکھ کر چلے جاتے ہیں کاش
کہ ہمارے ہند و پاک میں بھی اسپتالوں، عدالتوں اور دیگر انتظار کی جگہوں پر وقت
کو مفید اور آسان طریقے پر گذارنے کا انتظام ہوتا۔ یہاں ایک تو انتظار کی زحمت
پھر بیٹھنے کے وسائل کی قلت سے سابقہ پڑتا ہے اور رہا وقت تو وہ غالباً سب سے
کم قیمت مال سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ضائع کرنے پر ادنیٰ تامل نہیں ہوتا۔

ڈاکر شے کے یہاں اس قدر وقت صرف ہوا کہ دوپہر ہو گئی۔ جلدی جلدی
ہوٹل پہونچے صرف دو گھنٹے مونٹریال کے لئے فلائٹ کے تھے۔

کناڈا میں

مونٹریال کا سفر

صبح کا ناشتہ دوپہر کے وقت کیا۔ پھر استنجے اور نماز ظہر سے فارغ ہوئے اور تیزی
کے ساتھ ایرپورٹ پہنچے لیکن اس وقت تک ۲ ½ بج گیا تھا اور یہی وقت فلائٹ کا
تھا اگر ۸۔۱۰ منٹ قبل بھی پہونچا ہوتا تو فلائٹ پکڑنا ممکن ہوتا۔ لیکن اب کیا امکان
تھا۔ چنانچہ اگلی فلائٹ معلوم کی وہ دو گھنٹے بعد جاتی تھی اور راستہ میں ایک جگہ جہاز
بدلنا پڑتا تھا اس طرح وہ بجائے ڈیڑھ گھنٹے کے تین گھنٹے کا وقت لیتی ہے۔ اس طرح
اب مونٹریال پہونچنے میں پانچ گھنٹے کی مزید تاخیر ہو رہی ہے۔ بہرحال مقدر کی بات
چنانچہ اس کے انتظار میں ٹھہرے رہے اور ۴ ½ بجے روانہ ہوئے۔ اسی کے لگ بھگ
انیس احمد صاحب کا جہاز انڈیانا پولس کے لئے تھا وہ اس سے روانہ ہوئے۔ ہمارا جہاز
راستہ میں بوسٹن ایک گھنٹہ کے لئے رکا۔ ٹیلیفون پر مدثر حسین صاحب سے بات بھی ہوئی
پھر دوسرے جہاز پر مونٹریال روانہ ہوئے وہاں بعد عصر پہونچے۔

مونٹریال شہر اور کناڈا

مونٹریال کناڈا کے دو سب سے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ دوسرا شہر

ٹورنٹو (TORONTO) ہے۔ مونٹریال کا صوبہ کیوبک (QUEBEC) ہے جو فرانسیسی نژاد لوگوں کے اثر سے ملک سے علیحدگی کا مطالبہ رکھتا ہے۔ ٹورنٹو کا صوبہ اونٹاریو (ONTARIO) ہے۔ یہ اصل ملک کے مزاج و ذہن کا صوبہ ہے یعنی برطانوی نژاد لوگوں کے اثر کا۔ ان دونوں صوبوں کے علاوہ ملک میں آٹھ مزید صوبے ہیں لیکن ان دو صوبوں کی سب سے بڑی اہمیت انکے دو بڑے شہروں کی وجہ سے اور واسطے بھی کہ دونوں صوبوں کی درمیانی سرحد پر آٹوا (OTTAWA) نامی شہر ہے جو ملک کا دارالسلطنت ہے۔ یہ ایک چھوٹا شہر ہے اور فاصلہ کے لحاظ سے مونٹریال کے بہت قریب ہے۔ مونٹریال کا ہی ایرپورٹ آٹوا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مونٹریال کے نام سے واقفیت میک گل یونیورسٹی کی وجہ سے بھی ہوئی جو مشرقی ایشیا میں بھی اپنی علمی خصوصیات کی وجہ سے ایک شہرت رکھتی ہے۔

کناڈا شمالی امریکہ کے شمالی علاقوں پر مشتمل ہے اور وسیع رقبہ رکھتا ہے لیکن اس رقبہ میں بے شمار جھیلیں ہیں۔ اس کا شمالی علاقہ برف پوش ہونے کی وجہ سے بہت کم آباد اور کم قابل استفادہ ہے البتہ اس کے وسطی اور جنوبی حصے جنگلات سے بھرے ہوئے ہیں لکڑی اور غلہ کی پیداوار میں یہ علاقہ ممتاز ہے۔ آبادی زیادہ تر اس کے جنوبی حصوں میں ہے۔ رقبہ کے مقابلے میں آبادی کم ہونے کی وجہ سے وسائل اس کی ضرورت سے زیادہ ہیں اور اسی وجہ سے ملک میں خوشحالی ہے اور معیار زندگی بلند ہے۔ ملک کا رقبہ تقریباً پورے یورپ کے برابر ۳۶ لاکھ مربع میل سے زیادہ اور آبادی صرف ۲ کروڑ بارہ لاکھ یعنی یورپ سے $\frac{1}{25}$ ہے۔ ملک دس صوبوں پر منقسم ہے۔ یہ ملک ریاستہائے متحدہ امریکہ سے ایسا ملا ہوا ہے جیسے ہندوستان سے پاکستان۔ طبیعتوں اور مزاجوں میں

بھی قربت ہے اور روابط اور تعلقات بھی قریبی ہیں۔ امریکہ یہاں کی ترقیات میں بہت مدد کرتا ہے لیکن اس کا صلہ بھی بقول شخصے استحقاق سے زیادہ وصول کرلیتا ہے یہاں کی صنعتوں اور وسائل دولت پر بھی امریکی سرمایہ دار چھائے ہوئے ہیں اور انہی کا اثر ہے کہ یہ ملک ریاستہائے متحدہ کے رجحانات علیحدہ رجحان نہیں قائم کرسکتا

کناڈا اور ریاستہائے متحدہ کی خصوصیات کا فرق

کناڈا پر برطانوی ثقافت کی چھاپ زیادہ ہے جب کہ امریکہ اس سلسلہ میں علیحدہ رنگ رکھتا ہے۔ چنانچہ الفاظ کی اسپیلنگ میں اور متعدد لسانی و تہذیبی معاملات میں امریکہ کا طرز علیحدہ ہے۔ برطانیہ کے لوگوں میں احساس برتری جھلکتا ہے۔ ان کی کم آمیزی، کم گوئی سے اسی کا اندازہ ہوتا ہے جو غالباً عرصہ دراز تک دنیا کی مختلف قوموں پر حکمرانی کا نتیجہ ہے یہ ان کا مزاج بن چکا ہے۔ چنانچہ جہاں بھی انگریز گئے اپنے اس مزاج سے دست کش نہیں ہوئے۔ اس کی جھلک کناڈا پہنچتے ہی نظر آئی۔ اس کے برعکس امریکی قوم میں یہ مزاج نہیں ہے غالباً ایک تو اس وجہ سے کہ وہ تاجر اور کاروباری قوم ہے۔ اور ایسی قوم کو گفتگو اور معاملات دونوں میں خوش اخلاقی کا وطیرہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ امریکی قوم کو دوسری قوم پر حکمرانی کرنے اور رکھنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے اس لئے حاکموں کی طبیعت و سرشت ان کے مزاج کا جز نہیں بن پائی۔ ہاں اس کے برعکس مالی سود و زیاں کی فکر ان میں بہت زیادہ ہے جس کی جھلک ان کے معاملات و اخلاق میں صاف نظر آتی ہے۔

امریکہ انگریزی اسپیلنگ اور اصطلاحات میں برطانیہ کی انگریزی سے کسی حد تک جدا ہے۔ برطانیہ کا مزاج قدامت پسندی کا ہے۔ امریکہ کا جدت پسندی کا۔ برطانیہ اپنی بہت سی پرانی باتوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہے اور امریکہ روز نیا طرز اختیار کرتا ہے۔ انگریزی کے جو الفاظ پیچیدہ اور غیر ضروری اسپیلنگ رکھتے ہیں امریکہ والوں نے اس میں تبدیلی اور تسہیل کردی ہے وہ CENTRE کو CENTER، COLOUR کو COLOR، QUALITY کو QUWALITY ENCYCLOPAEDIA کو ENCYCLOPEDIA اور LABOUR کے لئے LABOR کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

اصطلاحات میں بھی خاصا فرق ہے۔ مثال کے طور پر لفٹ (LIFT) کے لئے ایلی ویٹر (ALEVATOR) پٹرول (PETROL) کے لئے گیسولین (GASOLENE) فلیٹ (FLAT) کے لئے اپارٹمنٹ (APARTMENT) فلم (FILM) کے لئے موویی (MOVIE) گارڈن کے لئے (VACHYARD) سویٹ کے لئے (CANDY) بسکٹ کے لئے (CRACKER) کیمسٹ کے لئے (DRUGGIST)

صوبہ کوبیک کا فرانسیسی مزاج

مونٹریال کا ایر پورٹ اچھا سلیقہ کا ایر پورٹ ہے۔ شاید اہمیت کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا ایر پورٹ ہوگا۔ جگہ جگہ انگریزی کے بجائے فرانسیسی زبان میں ہدایات، اشتہارات اور اعلانات تھے۔ کوبیک کا علاقہ فرانسیسی ثقافت سے اپنے تعلق کو چھپاتا نہیں بلکہ اس تعلق کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کی ۲۳ لاکھ آبادی میں ۹۰ فیصد افراد فرنچ استعمال کرتے ہیں۔ پیرس کے بعد فرنچ بولنے والا سب سے بڑا شہر یہی ہے۔

مونٹریال اور اس کے صوبہ میں فرنچ اقتدار و تہذیب کے لئے جد و جہد رہی ہے جو اب بھی جاری ہے۔ لیکن مرکزی حکومت اس کو حکمت اور طاقت کے ذریعہ قابو میں کئے ہوئے ہے۔ ابھی چند سال قبل تو یہ جد و جہد تشدد اور نافرمانی کے دائرہ میں بھی داخل ہوگئی تھی یہ لوگ اپنے کو انگریزی رجحان رکھنے والے اثرات سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ موقع ملنے پر شاید یہ علیحدہ حکومت بھی بنالیں۔ کوبیک کے نام سے مختلف ادارے موسوم ہیں۔ کیوبیک نام کی ہوائی کمپنی بھی ہے جو کہ صوبائی سطح تک محدود ہے۔ حکومت کناڈا نے آٹوانا می بستی کو مرکزی دار السلطنت شاید اسی لئے بنایا ہے کہ وہ کیوبیک اور اصل کناڈین علاقوں کے درمیانی سرحد پر واقع ہے اس لئے وہ بیک وقت دونوں علاقوں پر نظر رکھ سکتا ہے۔

ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری اور حامد مشہود خان صاحبان

ایر پورٹ پر تعلق والے پہونچ گئے تھے۔ ان کے ذریعہ آسانی ہوئی۔ باہر نکل کر حامد مشہود خان صاحب اور ظفر اسحٰق انصاری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دونوں گاڑیاں لے کر آئے تھے۔ شہر کا فاصلہ ہوائی اڈہ سے زیادہ تھا۔ دن بھر کی مصروفیت اور انتشار کے باعث خاصا تکان ہوگیا تھا۔ اس کا تقاضہ تھا کہ جاتے ہی ذرا آرام کر لیا جائے لیکن ہوائی اڈہ ہی پر معلوم ہوگیا کہ لوگ مونٹریال کی بڑی مسجد میں دیر سے منتظر بیٹھے ہیں، چنانچہ اب ان کے اجتماع میں ہی جانا ہے۔ حامد صاحب اور ظفر صاحب دونوں دوستوں سے خصوصی تعلق رہا ہے اور دونوں ہی محبت کرتے ہیں۔ حامد مشہود خانصاحب ہندوستان میں بھی مل چکے ہیں اور مولانا کے سفر امریکہ سے انکو خصوصی مسرت تھی۔ بلومنگٹن

میں بہت تعلق خاطر کے ساتھ پیش آتے رہے ۔ موزمبیال آمد کے منتظر تھے ۔ یہ ایم ۔ ایس ۔ اے کے کیوبیک چیپٹر کے صدر بھی ہیں ۔ ظفر اسحٰق صاحب سے براہ راست تعلق کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ان کی اہلیہ ہمارے استاد اور مولانا مدظلہ کے دوست اور رفیق ندوہ مولانا ناظم صاحب ندوی کی صاحبزادی ہیں ، لہذا تعلق دوہرا ہے ۔ اس لئے انہی کے مکان پر جانا طے ہوا کیونکہ اس تعلق کی بناء پر ان کے یہاں ایک طرح سے اپنے گھر کی نوعیت حاصل تھی ۔ مکان بنگلہ کی شکل کا اور امریکی طرز کا ضرورت کے مطابق اور اچھے موقع کا تھا ۔

اسلامی مرکز میں تقریر اور سوال وجواب

بہرحال موزمبیال پہونچتے ہی سب سے پہلے اسلامی مرکز کے لئے روانہ ہوئے وہاں مغرب کے قریب پہونچے ۔ سامعین کی اچھی تعداد منتظر تھی ۔ پہلے جماعت کے ساتھ نماز مغرب ادا کی پھر مولانا نے تقریر کی جو عربی اردو دونوں میں تھی بعد میں اس کا انگریزی ترجمہ ہوا اور سوالات و جوابات چلے جن میں اہم سوال عیسائی ہاتھوں سے کاٹے ہوئے گوشت کا شرعی حکم اور عصری علماء کی طرف سے اس کے عمومی جواز کے متعلق استفسار تھا ۔ مولانا مدظلہ نے ہند وپاک کے لوگوں سے اپنے علماء ہی کے فتوی پر عمل کرنے کی تاکید کی اور کہا کہ عرب لوگوں کو اپنے علماء کی بات ماننے کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے ۔ میری ذاتی رائے اپنے یہاں کے علماء کی ہی رائے کے مطابق ہے اور مجھے اس پر اطمینان ہے ۔

اہلِ تعلق سے ملاقاتیں

جلسہ میں اس کے بعد کئی واقف کاروں سے ملاقات ہوئی اس میں خاص طور

پر قابل ذکر علی چچا ٹونکی کے بڑے صاحبزادہ حسن بھیا ٹونکی کے لڑکے سہیل میاں تھے ۔ وہ یہاں تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں اور آج کل تعطیلات میں کچھ کام بھی کر رہے ہیں ۔ نیک طبیعت اور سعید نوجوان ہیں ۔ محبت و تعلق کے ساتھ ملے ۔ ہمارے ٹونک کے تمام اعزہ کا آبائی وطن تکیہ کلاں رائے بریلی ہے ، اس لئے تکیہ کے اعزہ سے وہ ایک بڑے اشتیاق ومحبت کے ساتھ ملتے ہیں ، محبت و تعلق سب سے برابر استوار و قائم ہے سہیل میاں موزمبیال میں یوں تو تنہا ہیں لیکن چند سو کیلو میٹر پر ٹورنٹو میں کئی اعزہ بھی مقیم ہیں ۔ ان کی وجہ سے یہاں ایک طرح سے ایک چھوٹا حسنی خاندان بن گیا ہے ۔ ان میں چچا سید ابوبکر حسنی ٹونکی مرحوم کے صاحبزادہ سید عثمان حسنی صاحب ان کے بھانجے یعنی چچا سید احمد الحسنی ٹونکی کے صاحبزادہ سید محمد الحسنی جو کہ سہیل میاں کے ہم عمر بھی ہیں اور پھوپھی زاد بھائی بھی ۔ ان کے علاوہ سید مسلم حسنی ٹونکی ان کی والدہ اہلیہ اور بچے ہیں اور یہ سب ہم لوگوں کے ٹورنٹو آمد کے منتظر ہیں ۔

سہیل میاں کے علاوہ احمد صاحب اور اسحٰق صاحب جو کہ لکھنؤ کے یوسف صاحب (ریٹائرڈ آر ۔ ایم ۔ ایس لکھنؤ) کے بھتیجے یعنی مولانا محمد ابراہیم صاحب کے صاحبزادگان ہیں ملاقات ہوئی ۔ دونوں بہت عزیزانہ طریقہ سے ملے ان کے والد اور چچا سے ہمارے خاندان کی لکھنؤ کی شاخ کے بہت اچھے تعلقات ہیں ۔ دونوں حضرات اسلامی مرکز سے روانہ ہونے تک ساتھ رہے اور اپنے مکان لے جانے کی خواہش ظاہر کرتے رہے لیکن ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری صاحب سے طے تھا اس لئے انہی کے مکان پر جانا ہوا وہاں نماز عشاء ادا کی پھر کھانا کھایا اور رات گذاری ۔ ڈاکٹر انصاری صاحب نے بعض سیمیناروں میں اپنے پیش کئے ہوئے بعض اہم مقالے دیئے پھر مختلف علمی

موضوعات پر باتیں کرتے رہے۔ ان کی خواہش تھی کہ مونٹریال کا قیام ذرا اطمینان کا ہو وہاں کی میکگل یونیورسٹی (MECGILL UNIVERSITY) کا اسلامی سنٹر دنیا میں شہرت رکھتا ہے۔ نہ معلوم کتنے اسکالر یہاں آکر ریسرچ کر چکے ہیں۔ پروفیسر اسمتھ (WILFRED CANTWELL SMITH) کی سرپرستی میں اس سنٹر نے برصغیر کے علمی حلقوں میں شہرت حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر مشیر الحق بہری آبادی (ندوی) نے جو اب جامعہ ملیہ دہلی میں پروفیسر مشیر الحق ہیں۔ یہیں سے مذاہب کے تقابل پر پی۔ ایچ۔ ڈی کیا ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی بھی ایک سال یہاں استاذ کی حیثیت سے رہے۔ اس کے علاوہ بھی مونٹریال کئی خصوصیات کے لحاظ سے دیکھنے کا ہے۔

ٹورنٹو کا سفر اور اعزہ سے ملاقات

مگر وقت کی کمی اور پروگرام کے پہلے سے طے ہونے کی وجہ سے اس وقت معذرت ہی کرنا تھی کیلیفورنیا سے واپسی میں وقت ہوا تو مونٹریال کو مزید وقت دینا ہے۔

جمعہ ۱۰ جون ـــــ ۱۱ بجے دن میں ٹورنٹو کے لئے ایرکنڈا کا ایک بڑا جہاز تھا۔ اس پر ٹورنٹو کے لئے روانہ ہوئے۔ جمعہ کے لئے تیاری یہیں کر لی تھی اس لئے کہ براہ راست مسجد ہی جانا تھا کیونکہ ٹورنٹو نماز سے ذرا قبل پہونچنے کا امکان ہے۔ ساتھ ہی کیرالا کے ایک نوجوان احمد کٹی جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ اور اب مونٹریال میں پڑھتے ہیں شریک سفر ہوئے۔ ان سے ڈاکٹر انصاری صاحب نے ملایا اور ان کی خوبیوں اور استعداد سے مطلع کیا۔ واقعی ذہین، ذی استعداد

اور انگریزی عربی پر مناسب قدرت رکھتے ہیں۔ جہاز پر بھی ساتھ رہے اور ٹورنٹو کے جلسہ میں علی العموم ترجمانی کا کام انجام دیتے رہے۔ ٹورنٹو پہونچتے ہی عثمان بھائی، مسلم بھائی اور محمد بن سید احمد حسنی جو کہ خاندان میں قمر میاں کے لقب سے موسوم ہیں ملے اور سب مسرور و خوش تھے کہ خدا نے وطن سے اس قدر دوری پر ملنے کی مسرت عطا کی۔ عثمان بھیا نے ٹورنٹو کے دونوں دنوں کے پروگرام کا چارج اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ خود ان کی قیام گاہ میں وسعت کم تھی اس لئے اپنے ایک عزیز دوست اور ہم سب کے محب نذیر صاحب کے فلیٹ میں قیام طے کیا تھا۔ چنانچہ وہیں ہم لوگ پہونچ گئے۔ لیکن نماز جمعہ کا وقت بہت قریب تھا۔ چنانچہ ہم لوگ جلدی ہی اسلامک سنٹر روانہ ہوئے۔

اسلامی سنٹر میں جمعہ اور تقریر

اسلامی سنٹر ایک گرجا کی عمارت میں ہے جس کو مسلمانوں نے خرید کر مسجد اور متعلقات مسجد میں تبدیل کر دیا ہے۔ اچھی کشادہ عمارت ہے۔ اپنی بناوٹ میں گرجا ہی ہے لیکن ضرورت کے مطابق فرش میں جزوی اور اندرونی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ پورے شمالی امریکہ کے ایم۔ ایس۔ اے کے صدر یعقوب مرزا کا بھی قیام ٹورنٹو ہی میں ہے اور تبلیغی جماعت کا بڑا مرکز اسی مسجد میں ہے۔ چنانچہ تبلیغی جماعت کے امیر کرنل امیر الدین صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان کی جماعت کے ایک جلسہ میں ایک تقریر طے ہوئی۔ ایم۔ ایس۔ اے کی طرف سے جمعہ کی نماز کا خطبہ، خطبہ اور تقریر دونوں کا قائم مقام تھا اس لئے ترجمہ کا معقول انتظام تھا جو کہ نماز کے بعد کیا گیا۔ مولانا مدظلہ

کا خطبہ سورۃ الکہف کی تفسیر و تلخیص پر مشتمل تھا انہوں نے اس سورہ کی روشنی میں موجودہ مغربی تہذیب کے (جس کے دو بڑے مرکز امریکہ و کناڈا ہیں) نمایاں خدوخال بیان کئے اور بتایا کہ اس سورہ میں مغربی مادہ پرست تہذیب کی طرف ایسے بلیغ اشارات کئے گئے ہیں اور اس کو اس طرح بے نقاب کیا گیا ہے جس کی قرآن مجید کے اعجاز و منزل من اللہ ہونے کے سوا اور کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ اس سورہ میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ بھی ظاہر و محسوس پرستی اور ایمان بالغیب کی اس کشمکش کو ظاہر کرتے ہیں جو دنیا میں ازل سے چلی آرہی ہے۔ انہوں نے اس سورہ کی دو آیتوں "وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا" اور "وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا" پر خاص طور پر زور دیا اور کہا کہ یہ مغرب کی موجودہ مادی تہذیب کا خصوصی شعار و مزاج ہے۔

خطبہ عربی میں تھا اس کا ترجمہ احمد کٹی صاحب نے بڑی خوبی کے ساتھ نماز کے بعد انگریزی میں سنایا۔

متعدد اہل تعلق سے ملاقات

اسلامک سنٹر سے فارغ ہو کر کھانے کے لئے مسلم حسنی صاحب کے مکان پہ جانا تھا پھر وہاں سے قیام کے لئے نذیر صاحب کے مکان کی طرف منتقل ہونا تھا عصر کی نماز کے بعد پھر اسلامک سنٹر آ کر مولانا مدظلہ کو ایم۔ ایس۔ اے کی طرف سے منعقدہ جلسہ کو خطاب کرنا تھا۔ رات کا کھانا نذیر صاحب کے یہاں ہی تھا۔

امریکہ میں مولانا مدظلہ کا یہ تیسرا جمعہ تھا اور خود نماز و خطبہ دینے کے اعتبار سے دوسرا تھا۔ اس سے قبل کے جمعہ کی نماز انہوں نے متحدہ اقوام میں ادا کی اور خطبہ دیا ہے

یہاں نماز جمعہ و ترجمۂ تقریر کے بعد کئی جاننے والوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں قابل ذکر ہمارے ندوہ کے معتمد مال سید مصباح الدین صاحب نقوی کے صاحبزادہ ڈاکٹر سید سلیم الدین نقوی اور ہمارے ندوی استاد مولانا قاری محمد منیر صاحب کے صاحبزادہ عبداللہ عمیر تھے۔ ڈاکٹر سلیم صاحب یہاں ہاسپٹل میں ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں اور اس فن میں ان کی مہارت کو اسپتال کے اہم ڈاکٹر تسلیم کرتے ہیں اور اہم کیس ان ہی کو دیے جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ نیک نفس، نرم طبیعت، خوش اخلاق آدمی ہیں۔ بڑی محبت و تعلق سے ملے۔ بعد میں قیام گاہ پر بھی آئے۔ ان سے مل کر ایک خصوصی تعلق محسوس ہوا اور دل خوش ہوا۔ عبداللہ عمیر سے مل کر بھی خوشی ہوئی۔ عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ پہلے وہ ندوہ کے متصل ہی آرٹ کالج میں استاد تھے۔ پھر پاکستان اور اب کناڈا میں مقیم ہیں۔ ان سے ان کے والد صاحب کی خیریت معلوم ہوئی اور پتہ دریافت کیا۔ کرنل امیر الدین صاحب کے صاحبزادہ سے بھی جو کہ ایک سال ندوہ میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں، ملاقات ہوئی۔

برادر مکرم مسلم حسنی کے مکان پر کھانا اور طویل فاصلہ

مسلم صاحب کے مکان پر ان کی والدہ سے ملنا ہوا۔ خاندانی محبت و شفقت کے ساتھ پیش آئیں۔ میری والدہ صاحبہ مدظلہا کی خیریت و احوال خاص طور پر پوچھتی رہیں۔ مسلم صاحب شہر سے باہر ۲۰ - ۲۵ میل پر ایک کالونی میں رہتے ہیں جس میں بہت سی اپارٹمنٹ بلڈنگیں ہیں۔ ان میں سے ایک بلڈنگ کے ایک اپارٹمنٹ میں قیام ہے۔ کہتے تھے کہ جگہ پرسکون اور پُر فضا ہے۔ کھانے کے

بعد ہی میں دوپہر کا آرام کیا۔ اور قبل عصر نذیر صاحب کے مکان کو لوٹنا ہوا۔ واپسی میں پھر طویل فاصلہ سے سابقہ پڑا۔ یہ امریکہ اور کناڈا دونوں کی مصیبت ہے کہ فاصلے ہر جگہ بہت لمبے بقول مولانا مدظلہ یہاں تو ہر جگہ تیس میل کے فاصلہ پر ہے لوگوں کے پاس موٹریں ہیں ان کو فاصلے محسوس ہی نہیں ہوتے۔ سڑکیں نہایت عمدہ اور آرام دہ ہیں پھر ان کو کیا چاہیئے۔

ٹورنٹو کا عظیم ٹاور

ٹورنٹو میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے فاصلہ پر ٹورنٹو کا وہ عظیم ٹاور نظر آتا تھا جو دنیا کا بلند ترین مینار کہا جاتا ہے۔ اس نے نیویارک کی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ اور شیکاگو کے ٹاور کو بھی نیچا دکھایا ہے لیکن بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر دو عمارتیں رہائشی صلاحیت بھی رکھتی ہیں اور ٹورنٹو کا یہ ٹاور محض ایک مینار ہے۔ دنیا کا یہ بلند ترین مینار سی۔ این ٹاور (C.N. TOWER) کہلاتا ہے۔ اس کا کلس ٹورنٹو کے اکثر ٹیلی ویژن اسٹیشنوں کے ایریل ANTENNA کی حیثیت سے نیز ٹیلی کمیونیکیشن رابطہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اینٹینا ملا کر پورے مینار کی بلندی ۱۸۱۵ فٹ پانچ انچ ہے۔ اس میں سے ۳۳۵ فٹ ٹیلی ویژن انٹینا ANTENNA کے ہیں اور باقی ۱۴۶۵ فٹ اصل مینار کے ہیں۔ ۱۴۶۵ فٹ کی اس بلندی تک ہر شخص جا سکتا ہے۔ یہاں اردگرد مشاہدہ کی جگہ بنی ہے۔ یہ اردگرد کے مشاہدہ کے لئے دنیا کی سب سے بلند ٹاور ہے۔ یہاں پہونچ کر لوگ پورے ٹورنٹو شہر کو اپنے سامنے پھیلا ہوا دیکھتے ہیں۔ یہاں تک آنے کے لئے جو

لفٹ استعمال ہوتی ہے اس کے سامنے اور اوپر شیشوں کی دیواریں ہیں اور وہ مینار کے باہری رُخ پر چلتی ہے لہٰذا اس پر سوار آدمی لفٹ سے اپنے سامنے اور اوپر کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس لفٹ پر ۲۲ آدمی بیک وقت سوار ہو سکتے ہیں اور یہ فی منٹ ۱۲۰۰ فٹ کی رفتار سے چلتی ہے۔

سی۔ این۔ ٹاور کی ۱۱۵۰ فٹ کی بلندی پر ایک گھومنے والا اسٹورنٹ ہے جس میں بیک وقت ۴۰۰ سے زیادہ اشخاص بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بلند اور بڑا گھومنے والا ریسٹورنٹ ہے۔ ۱۱۵۰ اور ۱۱۲۰ فٹ کی بلندیوں کے درمیان متعدد دلچسپی اور ضرورت کے انتظامات ہیں۔ دوربینوں سے دیکھنے کا انتظام، تحفوں کی دوکان، تھیٹر، پوسٹ آفس وغیرہ۔ گھومتے ہوئے کمرہ سے دوربین کے ذریعہ سے دیکھنے والے کو سامنے کا منظر فاصلہ ہونے کی بنا پر ایک سکنڈ میں ایک میل کی رفتار سے بھاگتا ہوا نظر آتا ہے۔

اسلامی سنٹر میں دوبارہ خطاب

عصر کی نماز اسلامک سنٹر میں پڑھنی تھی وہاں مولانا مدظلہ کو اردو میں خطاب کرنا تھا۔ چنانچہ عصر کی نماز وہیں جاکر پڑھی اور اس کے بعد مغرب کے قریب تک اجتماع رہا جس میں مولانا مدظلہ کی تقریر اور اس کا انگریزی ترجمہ ہوا۔ تقریر میں مولانا مدظلہ نے فرمایا:-

"اگر آپ لوگوں میں عقیدہ کی پختگی، دعوت کی روح اور اسلامی صفات ہیں تو آپ کا یہاں رہنا نہ صرف جائز بلکہ مفید ہے لیکن اگر

آپ خدانخواستہ ان صفات سے عاری ہیں اور محض کھانے کمانے کے لئے یہاں آئے ہیں اور آپ کا اور آپ کی آئندہ نسل کا دینی مستقبل محفوظ نہیں ہے تو آپ کو اپنی پہلی فرصت میں یہاں کے قیام پر نظرثانی کرنی چاہیئے مجھے اس میں ایمانی ودینی اور ذہنی وتہذیبی ارتداد کا اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔"

تقریر کے بعد نماز مغرب ادا کی گئی۔ نماز کے بعد ایم۔ایس۔اے کے صدر یعقوب مرزا صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مستقل ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور اگلے روز کی شام کے کھانے پر مدعو بھی کیا۔ ہر چند کہ اعزاء یہ چاہتے تھے کہ کہیں اور دعوت قبول نہ کی جائے لیکن ایم۔ایس۔اے کے صدر اور ہم لوگوں کے اصل میزبان ہونے کی وجہ سے یعقوب مرزا صاحب کی دعوت رد کرنا اچھا نہ تھا۔ چنانچہ ان سے وعدہ کر لیا۔ دیگر جاننے والوں سے تھوڑی دیر باتیں اور ملاقات رہی اس کے بعد نذیر صاحب کے یہاں واپسی ہوئی۔

نیاگرا آبشار NIAGARA FALLS

شنبہ ۱۱ر جون

آج صبح ناشتہ کرتے ہی نیاگرا آبشار دیکھنے جانے کا پروگرام ہے یہ جگہ شہر سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر کناڈا اور ریاستہائے متحدہ کی سرحد پر واقع ہے۔ اس کا بڑا حصہ ریاستہائے متحدہ میں اور چھوٹا حصہ کناڈا میں پڑتا ہے لیکن کناڈا کی سرحد کے اندر سے اس کا زیادہ بہتر طریقے سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ کناڈا کی

سرحد کے اندر ہی سے اس کو دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ یہاں اس کو دیکھنے کے لئے پلیٹ فارم بنے ہوئے ہیں، کیفیٹریا بھی ہے۔ اور بلندی سے دیکھنے کے لئے مینار کی قسم کے لفٹ کا بھی انتظام ہے۔ ہم ۸ بجے روانہ ہوئے۔ دو کاروں کا قافلہ تھا۔ اچھی وسیع شاہراہ، سفر دلچسپ رہا۔

نیاگرا فال خاصی وسیع جگہ ہے۔ اس کے گرنے کی جگہ ہلالی طرز کی اور تقریباً ایک فرلانگ پھیلی ہوئی ہے اور کناڈا کے صوبے اونٹاریو اور ریاستہائے متحدہ کے صوبہ نیویارک کی درمیانی سرحد پر واقع ہے۔ نیویارک کی جانب سے دریائے نیاگرا ایری جھیل (LAKE ERIE) سے پانی لے کر ۲۰ میل دور چل کر اس سرحدی مقام پر گراتا ہے۔ یہ پانی پھر ۱۴ میل دور اونٹاریو جھیل (LAKE ONTARIO) میں چلا جاتا ہے۔ آبشار کے کناڈا والے حصہ ہارس شو فال (HORSE SHOE FALL) میں ایک کروڑ چالیس لاکھ لیٹر اور امریکی حصہ بفالو (BUFFALO) میں دس کروڑ اسی لاکھ لیٹر پانی ۱۰۹ میٹر کی بلندی سے گرتا ہے جس میں ۵۴ میٹر پانی کی بلندی شامل ہے۔ نیاگرا آبشار سے پچاس لاکھ ہارس پاور کی کہربائی طاقت تیار کی جاتی ہے۔ دریائے نیاگرا ۱۶۲ فٹ کی بلندی سے امریکہ والے حصہ پر ۱۶۷ فٹ کی بلندی سے گرتا ہے۔ آبشار کے پھیلاؤ کا اندازہ ایک ہزار فٹ کیا گیا ہے۔ ڈیڑھ سو سے زائد فٹ کی بلندی سے پانی جب ایک پھیلے ہوئے دھارے کی شکل میں نیچے گرتا ہے تو سفید چادر کی ایک دیوار معلوم ہوتا ہے جو وادی کے ایک وسیع رُخ پر نیچے سے اوپر تک تنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ گرنے کی جگہ سے کچھ قبل ہی پتھروں سے الجھنے اور ٹکرانے سے پانی

میں سفید حصے ابھرتے رہتے ہیں۔ خاصی بلندی سے پانی ایک شور کے ساتھ نیچے گرتا ہے۔ پانی کا یہ شور پورے ماحول میں ایک مسلسل گونج پیدا کرتا رہتا ہے اور اس کے اچھلنے اور گرنے سے بوچھار اور پانی ذرات کا ایک سحاب سا اٹھتا نظر آتا ہے جس سے قریب کا سارا ماحول بارانی موسم کا انداز اختیار کر لیتا ہے جس سے ایک خوشگوار کیفیت محسوس ہوتی ہے جس کے نیچے اور قریب لوگ کھڑے ہو کر لطف لیتے ہیں، آبشار کا نظارہ کرتے ہیں اور کچھ لوگ مزید لطف کے لئے کیفے ٹیریا میں . . کچھ وقت گذارتے ہیں جو تقریباً لب آبشار عمارت کی دوسری منزل میں قائم ہے اور اس کے اور آبشار کے منظر کے سامنے شیشوں کا پردہ حائل ہے۔ ہم لوگ بھی آبشار کا قریب سے نظارہ کر کے بیٹھ پا آئے۔ ہمارے قافلہ میں سمیع اللہ صاحب جو ہندوستانی ہیں اور کسی زمانے میں لکھنؤ میں ہمارے محلہ کے قریب ہی رہتے تھے۔ اب کناڈین ہیں اور عثمان بھائی کے قریبی دوستوں میں ہیں، میزبان بنے اور ہم لوگوں نے ٹھنڈے مشروبات سے لطف لینے میں کچھ وقت گذارا اور آبشار کسی قدر بلندی اور موزوں گوشہ سمت سے دیکھا ـــــ ہمارے قافلہ میں سمیع اللہ صاحب، نذیر صاحب، شمیم صاحب، عثمان بھائی، مسلم بھائی، محمد میاں یعنی محمد بن احمد الحسنی مولانا مدظلہٗ اور ہم اور دو ایک مزید آدمی تھے۔

ایم۔ایس۔اے کے مقامی صدر کے یہاں کھانا اور ایک اسلامی سنٹر کا مشاہدہ

یہاں سے ہم لوگ ۱۱ بجے کے بعد لوٹے۔ راستہ میں ایک مقام پر سلمان صاحب

کے یہاں جو کہ کناڈا کے ایم۔ایس۔اے کے صدر ہیں کھانے کا وعدہ تھا اور پھر قریب کی ایک جگہ پر نماز ظہر ادا کر کے ایک اجتماع میں مولانا مدظلہٗ کو شرکت کرنا تھی۔ سلمان صاحب کے یہاں پہونچتے پہونچتے وقت تنگ ہو گیا۔ بہرحال بہت مختصر وقت کے لئے ان کے مکان پر ٹھہرتے ہوئے قریب ہی واقع ایک اسلامی سنٹر میں جانا ہوا، وہاں کیمپ اسکول بھی قائم تھا اسی میں اجتماع رکھا گیا تھا ــ وہاں پہونچکر نماز ظہر ادا کی، پھر وہاں کے اجتماع میں کم عمر کے مسلم طلباء کے ایک جلسہ کو مولانا مدظلہٗ نے آسان زبان میں کچھ خطاب کیا۔ اپنے خطاب میں اسلام سے تعلق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، دین کی حمیت، دین کے عقائد و شعائر میں پختگی اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ بچوں کے ٹیچر یا ٹیوٹر انگریزی میں اس گفتگو کا ترجمہ کرتے جاتے تھے کیونکہ امریکہ کی مسلم نئی نسل اب انگریزی ہی کو ٹھیک سے سمجھ پاتی ہے۔ دیگر زبانیں خواہ ان کی مادری زبانیں ہی کیوں نہ رہی ہوں ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتی جا رہی ہیں۔

سمیع اللہ صاحب کے مکان پر

مولانا مدظلہٗ کو یہاں سے فرصت ملنے پر مستقر واپسی کا بڑا تقاضا تھا لیکن سمیع اللہ صاحب نے کسی وقت یہ وعدہ لے لیا تھا کہ واپسی میں چند منٹ ان کے گھر میں گذاریں گے۔ ہر چند کہ مولانا مدظلہٗ اپنے اندر اس پروگرام کے لئے ہمت و نشاط نہ پاتے تھے بلکہ ان کو شدید گرانی تھی لیکن وعدہ کا ایفا کرنا تھا، سمیع اللہ صاحب نے چائے کا باقاعدہ انتظام کر رکھا تھا جو بالکل بے وقت محسوس ہو رہا تھا، مولانا نے اس سے معذرت کی اور چند منٹ سمیع اللہ صاحب کی محبت و تعلق کی پاسداری میں

گذارے اور مستقر واپس آگئے۔

تبلیغی جماعت کے جلسہ میں تقریر

اب عصر کا وقت زیادہ دور نہ تھا، مولانا مدظلہٗ کو قدرے استراحت کی بھی ضرورت تھی دوسری طرف بعد عصر تبلیغی دوستوں کو اسلامی مرکز کی مسجد میں خطاب کرنا تھا، بہرحال عصر کی نماز مستقر پر ادا کی گئی اور ذرا تاخیر سے اسلامی مرکز جانا ہوا اور مغرب تک ایک مختصر تقریر ہی پر اکتفا کرنا پڑا۔ تقریر سادہ تھی لیکن مفید اور علمی فائدے کی۔ اس پروگرام کے لئے کرنل امیر الدین صاحب نے پہلے ہی سے وقت طے کرا رکھا تھا اور اس کے لیے تبلیغی دوستوں کا اچھا مجمع اکٹھا کر لیا تھا سب نے تقریر کو دلچسپی سے سنا۔ تقریر کا خاص جوہر یہ تھا کہ اسلام "نقوش" سے نہیں بلکہ (زندہ) "نفوس" سے حاصل کیا جانا چاہیئے جبھی اس میں زندگی و حرکت ہوگی۔ جامد سے حرکت اور مردہ سے زندگی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اسلام کے لئے ایک متحرک و چلتا پھرتا ماحول چاہیئے جس میں انسان اسلامی زندگی کو حرکت و عمل میں دیکھ سکے اور اس سے اسلامی اخلاق اور روزمرہ کے کاموں کے لئے اسلامی آداب اور ان کے کرنے کا طریقہ سیکھ سکے۔ تقریر اذان مغرب پر ختم ہوئی۔

صدر ایم۔ ایس۔ اے یعقوب مرزا کی طرف سے دعوت

ایم۔ ایس۔ اے کے کل شمالی امریکہ کے صدر یعقوب مرزا صاحب نے آج شام کے کھانے کا وعدہ ایک روز قبل سے لے رکھا تھا۔ اس لئے بعد نماز مغرب

ان کے یہاں کھانے کے لیے روانہ ہوئے۔ زمانہ تھوڑا سا تھا عشاء سے کچھ قبل پہونچنا ہوا وہ یونیورسٹی کے ہی ہوسٹل کے ایک اپارٹمنٹ میں رہتے ہیں۔ اہلیہ ساتھ میں ہیں۔ ان کا اپارٹمنٹ امریکہ کی یونیورسٹیوں کے ہوسٹلوں کے اپارٹمنٹس کی طرح تھا جس میں ضرورت کے مطابق مکانیت ہوتی ہے اس کی وجہ سے طالب علم اپنی اہل خانہ کو بھی ساتھ رکھ سکتا ہے۔ رہائش گاہ میں جگہ کی یہ سہولت بھی غالباً اسی مقصد سے رکھی جاتی ہے۔ کھانا ان کی اہلیہ نے تیار کیا تھا۔ میاں بیوی دونوں پنجاب کے ہیں۔ اس لیے کھانا ہندوستانی ذوق کا تھا۔ ان کی اہلیہ ساتر لباس میں تھیں جو کہ امریکہ میں پردہ کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ کھانے کی مجلس مختصر ہی رہی جس میں صرف ہمارے دونوں عزیز عثمان حسنی و سلم حسنی شریک تھے یعقوب مرزا صاحب کا مقصد غالباً صرف خاطر داری ہی تھا۔ چلتے وقت انہوں نے کچھ تحفے بھی پیش کئے۔ ان سے ہم لوگ اس خیال کے ساتھ رخصت ہوئے کہ یہ اس سفر سے واپسی کی رخصتی ہے کیونکہ اس دعوتی دورہ کے اختتام پر مولانا مدظلہٗ کو فلاڈلفیا میں آنکھ کا آپریشن کرانا ہے اور . . . اس کے بعد ہندوستان واپسی ہے۔

نیند کی کمی کا علاج گل بابونہ سے

رات مدیر صاحب کے یہاں گذاری، مولانا مدظلہٗ اور عثمان بھائی دونوں کو کم نیند آنے کی شکایت رہتی ہے۔ گذشتہ شب میں بھی بہت تھوڑی نیند آئی تھی، آج بھی اس کا خطرہ تھا۔ عثمان بھائی نے نیند بحال کرنے کے لئے ایک دیسی دوا کا انکشاف کیا یہ گل بابونہ سے تیار کی گئی ہے اور کناڈا میں ملتی ہے۔ اس کا تجربہ آج مولانا مدظلہٗ

نے بھی کیا۔ صبح مولانا نے اس کے مفید تجربہ کا ذکر کیا۔ عثمان بھائی نے اس کا ایک ٹب ساتھ کر دیا ہے۔

کیلی فورنیا اور اوٹا

کیلی فورنیا کے لئے روانگی، طویل سفر

یکشنبہ ۱۲ رجون

آج صبح ایک ہوائی پرواز سے امریکہ کے مشرق سے مغرب کو منتقل ہونا ہے۔ یہ تقریباً ڈھائی ہزار میل کا سفر ہے جو ٹورنٹو (کناڈا) سے لاس انجلس (LOS ANGELES) (مغربی امریکہ) پہونچائے گا۔ ہوائی سفر میں یہ فاصلہ تقریباً ۴½ گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ ہم لوگ اس سفر کے ذریعہ ایک طرف تو مشرقی امریکہ سے مغربی امریکہ جا رہے ہیں، دوسری طرف کناڈا سے امریکہ واپس ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل ہونے کی کارروائی ہوئی۔ کارروائی بالکل معمولی تھی اس سے ملک بدلنے کا احساس بھی نہیں پیدا ہوا۔ ایک ملک سے دوسرے ملک جانے میں یہ سہولت صرف امریکہ کناڈا کے درمیان ہی نہیں ہے بلکہ یورپ کے تمام ملکوں کے آپس میں یہی طرز پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ہمارے مشرقی ملکوں میں اور خاص طور پر خود ہمارے وطن میں جس "خورد بینی" اور "خورده گیری" سے کام لیا جاتا ہے وہ اپنے مجرم ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ معلوم نہیں ہمارے مشرقی ملکوں میں انسان کو انسان سمجھنے کا احساس کم ہے یا واقعی وہاں کے باشندے سب مجرم صفت ہوتے ہیں کہ جب تک ان کو مشکوک لوگوں کی

طرح پوری طرح جانچ نہ لیا جائے آگے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

اعزہ سے رخصت ہو کر ہم اور مولانا جہاز پر آئے۔ یہ "امیریکن ایئر کمپنی" کا جہاز اور جمبو جیٹ تھا۔ چلنے سے قبل مسافروں کو ٹی۔ وی سے پائلٹ کے کمرے "کاک پٹ" (COCK PIT) کا مشاہدہ کرایا جانے لگا اور جب جہاز فضا میں آگیا تو وہ مشاہدہ ختم ہوا اور پھر تمام طویل پرواز والے جہازوں کی طرح کسی فلم کے دکھانے کیلئے دوبارہ ٹی۔ وی کھولا گیا۔

لاس انجلس پہونچنے پر گھڑیوں میں تین گھنٹے کا فرق

سفر کچھ سوتے کچھ جاگتے گذارا۔ چار گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت گذرنے پر لاس انجلس (LOS ANGELES) اترے۔ ہماری گھڑیوں میں دن کے تین بج رہے تھے لیکن وہاں معلوم ہوا کہ ابھی صرف بارہ بجے ہیں۔ یہاں مشرقی امریکہ کے مقابلے میں پورے تین گھنٹے کا فرق ہے یعنی یہاں ہم ہندوستانی وقت سے $13\frac{1}{2}$ گھنٹے پیچھے ہیں اس طور پر کہ یہاں ۱۲ بجے دن کے وقت ہندوستان میں دن گذارنے کے بعد کی رات کا ڈیڑھ بجا ہوگا۔

لاس انجلس شہر

لاس انجلس بڑا شہر ہے بڑی بندرگاہ ہونے کے باعث نیز ساحلی تفریح گاہوں کے لحاظ سے ممتاز مقام سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہوائی جہازوں نیز موٹر گاڑیوں کی صنعت میں بھی خصوصیت رکھتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس کی آبادی کا $\frac{1}{2}$ حصہ

ہوائی جہاز ساز کارخانوں میں ملازمین پر مشتمل ہے۔ اصل شہر کی آبادی ۲۶ لاکھ اور مضافات کو ملا کر ۷۰ لاکھ آبادی ہے۔ نیویارک شہر کے بعد اسی شہر کا نمبر ہے۔ اسی کے مضافات میں ہالی ووڈ (HOLLY WOOD) کی بستی ہے جو ساری دنیا میں اپنی فلمی صنعت میں شہرت رکھتی ہے۔ لاس انجلس کے ساحل اپنی تفریحی خصوصیات میں امتیاز رکھتے ہیں۔ لاس انجلس کیلیفورنیا اسٹیٹ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کے بعد سان فرانسسکو کا نمبر آتا ہے جو لاس انجلس سے تقریباً تین سو میل کے فاصلہ پر ساحل سمندر پر ہی واقع ہے۔ دونوں شہروں بلکہ کیلی فورنیا اسٹیٹ کا پورا مغربی حصہ بحر الکاہل کے شرقی پہلو میں واقع ہے۔ یہاں سے مشرقی ایشیا کے ممالک جاپان، چین، انڈونیشیا وغیرہ خواہ کتنے دور ہوں لیکن سب اسی سمندر کے دوسرے کنارے پڑتے ہیں اور یہاں سے مشرق اقصیٰ کے ممالک میں جانے والے کے لئے مختصر راستہ اسی طرف سے ہے۔

صوبہ کیلی فورنیا

کیلی فورنیا کی مٹی اور آب و ہوا مشرقی ممالک کی مٹی اور آب و ہوا سے تھوڑی بہت مطابقت رکھتی ہے اسی لئے یہاں ہند و پاک و افریقہ کے لوگ نسبتاً زیادہ آباد ہیں۔ یہ لوگ پورے امریکہ کے مقابلے میں اس علاقہ کو رہائش کے لئے زیادہ موزوں پاتے ہیں۔ کیلی فورنیا کاشت اور پیداوار کے اعتبار سے پورے امریکہ میں سب سے نمایاں اور ممتاز اسٹیٹ سمجھی جاتی ہے۔ آبادی کے لحاظ سے ہر امریکی اسٹیٹ سے بڑی اسٹیٹ ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے بھی خاصی وسیع اور پیداوار کے لحاظ سے بڑی زرخیز۔ یہاں بھی کئی اہم یونیورسٹیاں ہیں جن کی شہرت ساری دنیا میں تسلیم کی جاتی ہے۔ ان میں برکلے (BERKELEY

(CALIFORNIA UNIVERSITY) سان فرانسسکو میں کیلی فورنیا یونیورسٹی۔ (CALIFORNIA UNIVERSITY) لاس انجلس میں قابل ذکر ہیں۔

لاس انجلس میں ایک روز

کیلی فورنیا کے لئے مغربی امریکہ ایم۔ایس۔اے کے صدر ڈاکٹر محبوب خانصاحب کا نام اور فون نمبر ہمارے پاس تھا اور وہ ہی ہم لوگوں کے میزبان قرار پائے تھے۔ایرپورٹ پر وہ آگئے تھے۔ اچھے سنجیدہ اور فعال نوجوان ہیں۔ لاس انجلس میں رہتے ہیں۔ اصل وطن حیدرآباد ہے۔ ایم۔ایس۔اے کے حالیہ اجلاس میں اگرچہ شرکت نہیں کرسکے تھے لیکن مغربی امریکہ کی ایم۔ایس۔اے کے صدر اسی سال سے منتخب کئے گئے ہیں۔ایرپورٹ پر اور بھی کئی حضرات استقبال کے لئے آگئے تھے جن کو ایم۔ایس۔اے کے صدر دفتر سے ہم لوگوں کے پروگرام کی اطلاع مل گئی تھی۔ لاس انجلس میں آج سے کل دوپہر تک کا وقت گذارنا ہے۔ شام کو کیلی فورنیا یونیورسٹی کے ایک ہال میں اجتماع ہے اور کل سان جوزے (SAN JOSE) ہوتے ہوئے سان فرانسسکو (SANFRANCISCO) جانا ہے۔ جہاں اسی طرح ایک روز گذارنا ہے۔ وقت محدود ہونے کی بنا پر کیلیفورنیا میں صرف ان ہی تین مقامات تک دورہ محدود رہے گا۔ اس کے بعد اندرون امریکہ کی ریاست اوٹاہ (UTAH) جانا ہوگا۔ وہاں کے صدر مقام سالٹ لیک سٹی میں کچھ وقت صرف کرنا ہے۔ بہرحال ڈاکٹر محبوب خانصاحب نے عصر کے وقت تک کے لئے اپنے مکان پر ہی رہنے کا پروگرام طے کیا۔ ان کا مکان شہر سے تقریباً ۴۰ میل باہر مضافات میں ہے۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا سفر تھا اگرچہ کار سے تھا اور جلد ہی انجام پاگیا۔ ان کے مکان

پر پہونچ کر پہلے ظہر کی نماز ادا کی پھر کھانا کھایا۔ دونوں میں کئی آدمی شریک تھے بعض لاس انجلس سے ہی ساتھ آئے تھے اور کئی اسی بستی میں مقیم لوگوں میں سے تھے۔ عصر تک کا وقت دو گھنٹہ آرام میں گذرا اور پھر عصر کی نماز پڑھ کر لاس انجلس واپسی ہوئی۔ اور براہ راست مقام اجتماع میں پہونچنا ہوا۔

یونیورسٹی ہال میں جلسہ اور رکارڈنگ کے انتظامات

یونیورسٹی کے جس ہال میں اجتماع رکھا گیا تھا وہاں دروازہ بند ملا پہلے تو خیال ہوا کہ ہال کی کنجی حاصل کرنے کی ضرورت ہے لیکن پھر معلوم ہوا کہ کسی انتظامی وجہ سے یہ ہال حاصل نہیں ہوسکتا۔ منتظمین جلسہ کو یہ بات ناپسند ہوئی لیکن بہرحال جلدی ایک دوسرے ہال میں انتظام ہوگیا۔ حاضرین حسب معمول ہندوستانی، پاکستانی اور عرب اور امریکی مسلمانوں پر مشتمل تھے۔ تقریر اردو یا عربی میں ہوتی تھی جس کا ترجمہ انگریزی میں ہوتا۔ منتظمین کے عرب گروہ نے موودی کا بھی انتظام کر رکھا تھا جس کو لگاتے وقت شروع میں تو اندازہ نہ ہوا لیکن بعد میں یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ سب ٹیلی وائز کرنے کا سامان ہے۔

موجودہ عربوں کو تصویر سے ایسا تعلق ہوگیا ہے کہ شاید ہی کوئی اہتمام بالشان کام ہو جس کو وہ تصویر سے آزاد رکھتے ہوں۔ پھر ان سے اس سلسلے میں کچھ کہنا سننا سب بیکار ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ فقہی مباحثہ کرنے لگتے ہیں اور اپنے ان علماء کا حوالہ دینے لگتے ہیں جنھوں نے تصویر کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ جلسہ سے قبل یہ مشورہ ہوا کہ تقریر کس زبان میں ہو پھر عربی کی بات طے ہوئی لیکن ہند و پاک کے حاضرین نے

کہا کہ بعد میں وہ اردو میں بھی سنیں گے ۔

مولانا کی تقریر

مولانا مدظلہ کا ایک عرب نے تعارف کرایا پھر مولانا نے عربی میں تقریر کی۔

انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز اس چونکا دینے والے جملہ سے کیا کہ "امریکہ بڑا خوش قسمت بڑا بدقسمت ملک ہے۔" پھر اس متضاد جملہ کی تشریح میں انہوں نے امریکہ کے دو متضاد و متقابل پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا: خوش قسمت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ قدرتی دولتوں اور ذخائر سے مالا مال ہے۔ زرخیز زمین، وافر پیداوار، ذہانت و قوت عمل اور قوت ارادی رکھنے والی قوم، بیچین طبیعت، سائنس و ٹکنالوجی اپنے نقطۂ عروج پر، وسائل کی فراوانی، مادی طاقت کی افراط، یہ اس کی خوش قسمتی کی دلیل ہے۔ لیکن بدقسمت اس لئے کہ مذاہب میں سے اس کے حصہ میں عیسائیت آئی جو اس کے حالات سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی تھی اور عمل و ذہانت کے استعمال کے میدانوں میں اس نے خالص مادی و صنعتی میدان کا انتخاب کیا۔ مولانا نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اس کا اثر امریکہ کی زندگی اور امریکہ کے باہر کیا ہوا اور اس سے انسانیت نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ آخر میں انہوں نے امریکہ کے مقیم مسلمان عربوں اور ہندوستانیوں و پاکستانیوں کو دعوتی و اخلاقی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا کہ وہ یہاں اور اپنے ملکوں میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ اس دورہ کی اہم ترین تقریروں میں سے ایک تھی۔[1]

---

[1] یہ تقریر دورۂ امریکہ کے عربی تقریروں کے مجموعہ میں شامل کی جا رہی ہے مجموعہ کا نام "احادیث صریحۃ فی أمریکا" ہے، رسالہ البعث الاسلامی اور الرائد میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

سوال و جواب اور اہل کتاب کے ذبیحہ کا مسئلہ

عربی تقریر کا ترجمہ انگریزی میں ہوا۔ پھر ایک مختصر تقریر مولانا مدظلہ نے اردو میں کی اور چند جملے نومسلم امریکیوں کے لئے جو عربی و اردو سے ناآشنا تھے، انگریزی میں کہے جن کو اسلام قبول کرنے پر مبارکباد دی اور بتایا کہ وہ اپنی کوشش و خلوص سے بڑے سے بڑے دینی و روحانی مقام پر پہونچ سکتے ہیں جو کسی مسلمان کے لئے ممکن ہے نیز یہ کہ اسلام نسل و رنگ و وطن کی بنا پر کسی امتیاز کا قائل نہیں۔ پھر سوالات و جوابات کا سلسلہ رہا جن میں خاص طور پر یہاں کے حاصل شدہ گوشت کے سلسلہ میں عرب علماء کے فتوی کے متعلق بھی سوال تھا۔

عراقی نوجوان نعمان زید کی قیام گاہ پر

رات کو ایک عراقی مسلمان طالب علم نعمان زید کی قیام گاہ پر جانا ہوا۔ یہ بھی یونیورسٹی کے ہوسٹل کے دو بیڈ روم گھر میں رہتے ہیں اور اپنی اہلیہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہوسٹلوں میں ان دو بیڈ روم گھروں کا رواج عام طور پر پایا جاتا ہے اس میں شادی شدہ طلباء کو بڑی سہولت ہے۔ نعمان زید کی قیامگاہ کی پہلی منزل کامن روم، کچن اور ایک ٹائلٹ پر مشتمل ہے اور دوسری منزل ٹائلٹ اور بیڈروم پر مشتمل ہے۔ نعمان صاحب کے یہاں رات کا کھانا کھایا جو ان کی اہلیہ نے تیار کیا تھا۔

امریکہ میں مسلمان عورتوں کے لباس کا مسئلہ

اہلیہ ہندوستانی طرز کے حجاب میں نہ تھیں لیکن لباس ایسا ساتر تھا کہ جو شرعی

حجاب کہا جا سکتا ہے۔ چہرہ، اور گٹے تک ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ پورے امریکہ میں حجاب کی پابندی کرنے والی عورتیں اسی حجاب کی پابند ہیں اور وہاں کی زندگی میں اس سے زائد کو مشکل سمجھتی ہیں وہاں کی تمدنی دشواریوں کے باعث ان کا یہ احساس سراسر غلط بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ اسلامی ذہن سے قربت رکھنے والی متعدد ہندوستانی یا پاکستانی عورتوں میں ساڑی کا رواج محتاط عرب عورتوں اور مردوں کے نزدیک سخت قابل اعتراض ہے۔ ان کی تنقید یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے ساڑی کے اس لباس میں ضروری احتیاط کرنے سے قاصر رہتی ہیں جو کم از کم نماز کی صحت کے لئے تو مشروط ہے۔ یا وُز عموماً ساتر نہیں ہوتا۔ امریکہ میں کسی جگہ اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی کہ ہندو پاک کی عورتوں کو اس غیر ساتر لباس سے روکا جائے اور بعض نومسلم امریکی عورتوں نے تو مسلم اجتماعات میں شرکت سے یہ کہہ کر کنارہ کشی اختیار کر لی کہ ایسے ماحول میں جس میں عورتوں کا لباس حیا سوز ہے شرکت کا جی نہیں چاہتا۔ کاش یہ غیر محتاط لباس پہننے والی خواتین اس امر کی طرف توجہ کریں۔

نعمان زید کی اہلیہ نے جن کا نام غالباً زینب ہے اپنے شوہر کے توسط سے پردہ اور مردوں سے بصورت مجبوری ضروری خلاء ملاء رکھنے کے سلسلہ میں کچھ سوالات کئے جن کی حیثیت مسئلہ پوچھنے کی سی تھی۔ مولانا مدظلہ نے جو مناسب جواب تھا دیا۔ نعمان زید اور ان کی اہلیہ ان عربوں میں معلوم ہوئے جن کے خیالات بہت متوازن اور خالص اسلامی ہیں۔ وہ عربوں میں غلط آزادی اور قومیت کے نظریات سے سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ یہاں مع اہلیہ کے تعلیم مکمل کر رہے ہیں اور

اپنی صلاحیت کے مطابق اسلامی خیالات کے فروغ میں پورا حصہ لیتے ہیں ان سے مسلمانوں کے حالات و مسائل پر گفتگو رہی۔ ہم لوگوں کے رات گذارنے کے لئے انہوں نے اسی عمارت کے ایک دوسرے کمرے میں جو کہ ان کے ایک عرب ساتھی کی قیام گاہ ہے، انتظام کیا۔ ان کے یہ عرب ساتھی آجکل شہر سے باہر گئے ہوئے تھے اس لئے ان کی قیام گاہ خالی تھی۔ رات وہاں آرام سے گذری۔

ڈاکٹر مطیع سے ٹیلی فون پر گفتگو

دوشنبہ ۱۳ر جون

ہندوستان کے خطوط کا انتظار رہتا اور کئی روز سے کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ ڈاکٹر مطیع صدیقی صاحب سے رابطہ کی ضرورت تھی کیونکہ ڈاک انہی کے پاس آتی ہے۔ وہ ڈاک یا تو ری ڈائریکٹ کر دیتے ہیں اور یا ٹیلی فون پر مضمون سنا دیتے ہیں۔ کیلیفورنیا سے قبل تو ان سے دوری صرف ۶۔۷ سو میل کے دائرہ میں ہوتی تھی اب ۲½ ہزار میل کی دوری ہے۔ جیسے لکھنؤ سے جدہ یا بیروت لیکن یہاں ٹیلی فون کی جو سہولت ہے اس کے سامنے دوری قرب میں بدل جاتی ہے۔ چنانچہ قبل فجر ڈاکٹر مطیع صاحب کو تین ہزار میل دور نیویارک ڈائل کیا اور سکنڈ بھر میں رابطہ قائم ہو گیا۔ بات ہوئی اور خیریت معلوم ہوئی۔ قبل فجر رابطہ قائم کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ان دونوں جگہوں میں تین گھنٹے وقت کا فرق ہے اگر دیر میں کرتے تو وہ اپنے اسپتال جا چکے ہوتے۔ اس وقت یہاں صبح کے ۵ بجے تھے اور وہاں آٹھ جو کہ عام طور پر کام پر پہونچنے کا وقت ہوتا ہے۔

سان جوزے روانگی

صبح کا ناشتہ نعمان زید صاحب کے ساتھ کیا اور سان جوزے (SAN - JOSE) جانے کی تیاری کی۔ یہ سان فرانسسکو کے قریب ایک شہر ہے۔ لاس انجلس سے سان فرانسسکو جاتے ہوئے ۸۰ میل قبل ملتا ہے۔ وہاں ایک اچھا ایرپورٹ بھی ہے جو ہمارے لکھنؤ، پٹنہ جیسے شہروں کے ایرپورٹ سے بہتر تھا حالانکہ آبادی کے لحاظ سان جوزے لکھنؤ شہر سے بہت چھوٹا ہے۔

لاس انجلس ایرپورٹ پہونچنے میں خاصی دیر ہوگئی۔ جہاز چھوٹنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے اور سامان تولنا اور بک کرانا تھا۔ ایک بھاری سوٹ کیس تھا۔ جہاز پر مسافر کا چڑھنا خود مسئلہ تھا چہ جائیکہ سامان لیکن جہاز والوں نے مع سامان کے اپنی سیٹ پر جانے کی اجازت دیدی اور جہاز کے عملہ کو ہدایت بھیج دی کہ سامان وہ خود رکھ لیں اور سان جوزے میں اتار دیں۔ چنانچہ چڑھنے میں تو اس بھاری سوٹ کیس کو ساتھ رکھنا پڑا لیکن وہ جہاز کے مقررہ معمول کے مطابق جہاز کے عملہ نے رکھا اور ایرپورٹ پر اتارا۔

امریکہ میں حیدرآبادی حضرات

سان جوزے ایرپورٹ پر منظور غوری صاحب آگئے تھے۔ ان کا نام اور ٹیلی فون نمبر ہمارے ساتھ تھا کہ وہ کسی سبب سے نہ پہونچ سکیں تو رابطہ قائم کیا جاسکے۔ منظور غوری صاحب بھی حیدرآباد کے ہیں، یہاں مقیم ہیں اور کام کرتے ہیں۔ حیدرآباد

کے لوگ امریکہ میں کئی جگہ مل چکے ہیں وہ یہاں خاصی تعداد میں پہونچے ہیں۔ امریکہ میں ان کی کثرت کا ایک دلچسپ لطیفہ یہ سنا کہ کسی جلسہ یا دوستوں کی نشست میں سب اپنا اپنا تعارف کرا رہے تھے۔ ایک صاحب جب تعارف کرانے کھڑے ہوئے تو مجمع سے آواز آئی کہ آپ حیدرآبادی نہ ہوں تو تعارف کرائیے۔ ورنہ معلوم ہی ہے اگرچہ حیدرآبادی احباب سب عموماً اچھی طبیعت کے اور دین سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ ہم لوگوں کو جو حیدرآبادی ملے سب اچھے ملے اور ان سے مل کر طبیعت علی العموم خوش ہوئی۔

منظور غوری صاحب اور دیگر مقامی دوست

منظور غوری صاحب بالکل نوجوان آدمی ہیں۔ اسلامی کتابوں کا مطالعہ ہے۔ اسلام کی ترقی اور اشاعت سے دلچسپی ہے۔ وہ ہم کو اپنے گھر لائے ہم لوگوں کے ساتھ ایک امریکن نومسلم جو افریقی نسل کے لیکن باوقار اور باحیثیت فرد ہیں اس سفر میں ساتھ آئے۔ یہ صوبہ واشنگٹن کے سیٹل (SEATTLE) شہر میں کاروبار کرتے ہیں اور اسلام کا مطالعہ کرنے بلکہ اس کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے۔ مذہبی جذبات کے حامل اور شریف، اور سنجیدہ طبیعت کے ہیں نام زید عبدالعزیز ہے۔ لاس انجلس میں ان کے ایک دوست محمد ادریس جعفری بھی سنجیدہ اور مذہبی خیالات کے آدمی ہیں۔ مولانا! مدظلہ کی تصنیفات اور ہماری مجلس تحقیقات کی کتابوں کے مشتاق ہیں لکھنؤ سے منگوانے کا نظم کر رہے ہیں۔

غوری صاحب کے مکان پر ایک مختصر تقریر

منظور غوری صاحب نے ہم تینوں کی ضیافت کی اور بعد ظہر عورتوں کے

ایک چھوٹے سے اجتماع میں جو انہی کے مکان میں پہلے سے طے تھا تقریر کرائی۔

سان فرانسسکو کے لئے خالد زماں صاحب لکھنوی کی رہبری

سان فرانسسکو یہاں سے عصر کے وقت جانا تھا۔ وہاں کے لئے ہمارے رہبر اور میزبان خالد زماں صاحب ہیں۔ یہ اصلاً اس لکھنوی خاندان کے فرد ہیں جس کے مشہور فرد چودھری خلیق الزماں صاحب[1] تھے۔ ان سے ملاقات عصر کے وقت ہوئی، یہ اسی وقت اپنے آفس سے لوٹے تھے۔ ان کے ہمراہ ہم لوگ بذریعہ کار سان فرانسسکو روانہ ہوئے۔

سان فرانسسکو آبادی کے لحاظ سے بہت بڑا شہر نہیں ہے لیکن امریکہ کا ممتاز اور خوبصورت ترین شہر ہے۔ سمندر کے کنارے پہاڑیوں پر آباد ہے اسلئے دلکش بھی بہت ہے۔ یہ لاس انجلس سے شمال میں ۳۳۱ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

کیلی فورنیا کی بعض خوبیاں اور بعض خرابیاں

کیلی فورنیا کا علاقہ اپنے وسیع ساحلی مقامات اور خاص معتدل موسم کی وجہ سے اخلاقی بیباکی میں بھی بڑھا ہوا ہے۔ اگر لاس انجلس میں فلمی صنعت کی وجہ سے غیر اخلاقی زندگی کے مواقع زیادہ ہیں تو سان فرانسسکو کے متعلق فحاشی کی بعض غیر فطری قسموں میں شہرت بڑھی ہوئی ہے۔ لاس انجلس سے کچھ فاصلہ

---

[1] خلیق الزماں صاحب قبل تقسیم ہند یوپی مسلم لیگ کے لیڈر اور بعد تقسیم پاکستان کے لیڈر اور مشرقی پاکستان کے گورنر رہے۔

پر لاس ویگاس (LAS VEGAS) جوئے بازی کا بہت بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے جواڑی اپنی دولت کو داؤں پر لگانے اور ہارنے جیتنے آتے ہیں۔ ایک مشہور عرب امیر جن کی اپنے ملک میں بڑی اہمیت سمجھی جاتی ہے یہاں ایک رات میں لاکھوں کی رقم ہار چکے ہیں۔ اپنے نزدیک انہوں نے یہ شوق خفیہ طور پر پورا کیا تھا لیکن مغربی پریس نے اس کو اچھال دیا اور دنیا میں خوب چرچا ہوا۔ پتہ نہیں خود ان کے ملک کے باشندوں کو کتنا پتہ چلا۔

سان فرانسسکو کا ایک عیب اور مغربی تہذیب کا اخلاقی فساد

سان فرانسسکو جاتے ہوئے اس کی غیر اخلاقی شہرت کے خیال سے ڈر معلوم ہوا کہ بعض اخلاقی خرابیوں کے نتائج خدا کی طرف سے اسی دنیا میں اچانک پیش آجایا کرتے ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں یہ شہر ایک زلزلہ کا شکار بھی ہوا جس میں ...۷ جانوں اور ۲۸ ہزار مکانات کی تباہی کا اندازہ کیا گیا ہے۔ پھر خیال ہوا کہ کیا سان فرانسسکو کیا لاس انجلس اور کیا کوئی مخصوص شہر، پورا امریکہ بلکہ پورا یورپ اسی طرح کا ہے۔ ایک جگہ کا دوسری جگہ سے بہت تھوڑا فرق ہو سکتا ہے۔ سان فرانسسکو یا لاس انجلس کی کیا خصوصیت، خود نیویارک کسی سے کیا کم ہے۔ وہ تو پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ اور اب تو مغرب کی تہذیب کے فروغ نے مشرقی ممالک کو بھی بہت کچھ اپنا جیسا بنا لیا ہے۔ یورپ و امریکہ کی کون سی برائیاں ہیں جو ذرا کم مقدار میں سہی مشرق کے بڑے شہروں میں نہیں مل سکتیں۔ یہ دور تو مغربی تہذیب کے تسلط و فروغ کا دور ہے جس تیزی سے دنیا اس کے رنگ میں رنگتی جا رہی ہے اس سے

اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ دن دور نہیں کہ مشرق و مغرب میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا اور ایک مرتبہ پھر دنیا اپنی قدیم جاہلیت کی طرف پوری طرح لوٹ جائیگی۔ اس حالت میں خدا کی طرف سے پکڑا اور عذاب آنے کا بڑا خطرہ ہے ایسی صورت میں کوئی بھی تہذیب اور اس تہذیب کے علم بردار صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے جاتے ہیں اور خدا کے اس فرمان کا ظہور ہوتا ہے کہ " كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ "

سان فرانسسکو میں کمپیوٹر سے چلنے والی ٹرین

سان فرانسسکو امریکہ کا بڑا ترقی یافتہ شہر ہے۔ اگرچہ ٹکنالوجی اور کمپیوٹر سے فائدہ اٹھانے میں امریکہ کا کوئی علاقہ کم نہیں ہے، لیکن سان فرانسسکو کی زندگی میں اسکے زیادہ نمونے نمایاں ہیں۔ یہاں کمپیوٹر سے چلنے والی انڈر گراؤنڈ ریلوے دیکھی اور اس پر سوار ہوئے۔ اس کی رفتار کے سلسلہ میں کمپیوٹر مشورہ دیتا ہے اور پھر اس مشورہ کے پیش نظر رفتار کو کمپیوٹر ہی کنٹرول بھی کرتا ہے۔ ایک آدمی ضرور موجود رہتا ہے لیکن اس کا کام صرف یہ دیکھنا ہے کہ مبادا کمپیوٹر کسی وقت بگڑ جائے تو وہ شخص گاڑی کو روک سکے۔

اسلامی مرکز میں تقریر

سان فرانسسکو مغرب سے قبل پہونچنا ہوا تھا براہ راست اسلامی مرکز جانا ہوا۔ یہ نمازکے ایک ہال نیز مختلف اسلامی ضروریات کے لئے متعدد انتظامات پر مشتمل ہے۔

نماز مغرب کے بعد اجتماع ہوا جس میں مولانا مدظلہ کی تقریر ہوئی اور بعد میں اس کا انگریزی ترجمہ ہوا۔ اس تقریر میں مناسب حال اور مناسب وقت باتیں کہی گئیں اور امریکہ کے مقیم مسلمانوں کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی گئی۔ امریکہ کی زندگی اور تمدن پر تبصرہ بھی تھا جو یہاں کی تقریروں کا قدر مشترک ہے۔ جلسہ کو کنڈکٹ کرنے اور ترجمہ کرنے والے جناب خالد زماں صاحب تھے۔

احمد عبداللہ مرزا صاحب کے بوائڈ ہوٹل میں

نماز عشاء کے بعد رات کے ٹھیرنے کے لئے یہاں مقیم ایک گجراتی مسلمان احمد عبداللہ مرزا صاحب کے ہوٹل میں جانا ہوا۔ ہوٹل کا نام بوائڈ ہوٹل (BOYD HOTEL) ہے اور یہ شہر کے اندر ایک ستھرے علاقہ میں ہے۔ یہ اصلاً ایک امریکی کا تھا اس سے انہوں نے خرید لیا اور اب عرصہ سے اس کو چلا رہے ہیں۔ متوسط قسم کا ہوٹل ہے۔ مولانا مدظلہٗ اور ہم کو انہوں نے اپنے فلیٹ میں ٹھیرایا جو ہوٹل کے تیسرے فلور میں ان کے لئے مخصوص ہے۔ انہوں نے کہا کہ مفتی امین الحسینی مرحوم کو بھی وہ یہاں ٹھیرا چکے ہیں۔ بڑی محبت و تعلق کے ساتھ ضیافت بھی کی۔ ان کی اہلیہ نے کھانا تیار کیا جس میں گجراتی ذوق کی خصوصی رعایت تھی جو ہم لوگوں کو بھی پسند ہے۔ ہمارے ساتھ خالد زماں صاحب بھی تھے۔ رات کو یہیں رہنا ہوا۔

ناشتہ کے وقت ایک انٹرویو اور فلسطین کا مسئلہ

سہ شنبہ ۱۴ جون

صبح ناشتہ کا اہتمام احمد عبداللہ صاحب نے ہی کیا۔ ان کی اہلیہ نے گھر لیو انداز

پر خود تیار کیا تھا۔ ناشتہ پر احمد عبد اللہ صاحب کے تعلق والوں میں سے ایک صاحب جو ایک ماہانہ اخبار نکالتے ہیں شریک تھے۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انٹرویو چاہا۔ ناشتہ ہی کی میز پر انٹرویو بھی انجام پاگیا۔ انہوں نے امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے مسائل اور دینی تقاضوں اور مشکلات کے بارے میں سوالات کئے، اور مشورے طلب کئے، فلسطین کے بارے میں کچھ سوالات کئے اور دریافت کیا کہ مسجد اقصیٰ کی بازیافت کے کیا امکانات ہیں اور کیا طریقہ ہے۔ مولانا مدظلہ نے فرمایا اسکی بازیافت کی ذمہ داری سب سے زیادہ اس کے قریب کے عرب مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے جن کی کوتاہی سے وہ جاتی رہی۔ افسوس ہے کہ یہ مسلمان اپنی کوتاہی کو دور کرنے کی فکر ابھی تک مناسب طریقہ سے نہیں کر رہے ہیں۔

شہر کی سیر

آج کے پروگرام میں یہ طے ہوا ہے کہ دن میں ۲ بجے کے جہاز سے سالٹ لیک سٹی کو روانگی ہو۔ یہ اوٹا اسٹیٹ کا دار السلطنت ہے اور ایک چھوٹا اور مختصر شہر ہے۔ مشرقی امریکہ کی طرف واپسی میں راستے پر پڑتا ہے۔ ۲ بجے سے قبل کا وقت شہر کے خاص مقامات دیکھنے کے لئے رکھا گیا۔ چنانچہ احمد عبد اللہ صاحب نے خود اپنی کار پر شہر کے مقامات دکھانے کی آمادگی ظاہر کی۔

امریکی شہروں میں پارکنگ کا مسئلہ اور شہری ضوابط کی پابندی

۱۰ بجے دن میں ہم لوگ ہوٹل سے نکلے۔ قریب میں ایک زمین دوز کار پارکنگ

سینٹر سے انہوں نے کار نکالی . . . . وہ بتانے لگے کہ اس کار پارکنگ کے لئے ان کو ماہانہ ۰ ۸ ڈالر دینے پڑتے ہیں لیکن چونکہ پارکنگ کے لئے جگہ کا مسئلہ لاینحل ہے اس لئے یہ خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ میں کار پارکنگ کے لئے سخت قوانین ہیں تاکہ سڑکوں پر لوگوں کا راستہ نہ رکے۔ سڑکوں کے کچھ کنارے تو بلا معاوضہ پارکنگ کے لئے ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر یا تو کار پارکنگ ممنوع ہوتی ہے اور یا اجرت دینی پڑتی ہے۔ ایک ایک کار کے حساب سے فٹ پاتھ پر مشینیں فٹ ہیں اس میں سینٹ ڈالنے پر ایک متعین وقت کے لئے پارکنگ کا وقت مل جاتا ہے۔ وقت ختم ہونے پر پھر سینٹ ڈالنے پڑتے ہیں ورنہ پولیس کار پر ٹکٹ لگا دیتی ہے اور جرمانہ ہو جاتا ہے۔ امریکہ میں زندگی کو منظم کرنے کے لئے جرمانوں کا پورا نظام ہے اور وہ کامیاب ہے۔ مکانات کے سامنے کے حصوں میں صفائی نہ رکھنا، مکان کے لان کی گھاس نہ کاٹنا، مکان سے متعلق فٹ پاتھ سے جاڑوں کی برف نہ ہٹانا۔ سڑک پر غلط یا ممنوع جگہ پر موٹر کھڑا کرنا، سڑک پر مقررہ رفتار سے زیادہ یا کم رفتار میں موٹر چلانا یا کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے پڑوسیوں کو یا دوسروں کو پریشانی یا تکلیف ہو، وہ باتیں ہیں جن سے لوگوں کو باز رکھنا اور خلاف ورزی پر سزا دینا کارپوریشن کا انتظامیہ اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس کی طرف سے ان غلط کاریوں سے باز رکھنے کے لئے مالی تاوان ہی سب سے موثر ذریعہ ہے۔ مکان کے سامنے کا لان صاف رکھنا، گھاس کو برابر اور معقول رکھنا تو ایسا کام ہے کہ توقع کی جاتی ہے کہ مکان کا مکین خود کرے گا۔ نہ کرنے پر شہر کا انتظامیہ خود آ کر کر دیتا ہے اور مصارف کا بل بھیج دیتا ہے جو کہ یقیناً اس سے زیادہ

ہوتے ہیں جتنے کہ اسے خود اس کام کے کرنے پر ہوتے۔ اسی لئے لوگ اس سے بچتے ہیں اور شکایت کا موقع نہیں دیتے، بقیہ دوسری کوتاہیوں پر پولیس آکر ٹکٹ دے جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دفتر آکر جرمانہ ادا کرو ورنہ عدالت میں پیش ہوکر مقدمہ لڑو۔ کالے لوگوں سے انتظامیہ کسی حد تک مایوس یا مجبور رہتا ہے۔ عمداً کوتاہی کرتا ہے۔ چنانچہ ان کے محلّے ہمارے مشرقی ملکوں کے علاقے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

سان فرانسسکو شہر کی اہم جگہیں

سان فرانسسکو میں احمد عبداللہ صاحب نے کئی خوبصورت پارک اور باغات دکھائے۔ جن کے پر بہار منظر نیز پرسکون اور خوش نما ماحول کی وجہ سے لوگ پکنک کے لئے وہاں آتے اور وقت گذارتے ہیں۔ جگہ جگہ خودکار فوارے لگے ہوئے ہیں جن سے پانی اردگرد ہر طرف بدل بدل کر پہونچتا اور چھڑکاؤ کرتا رہتا ہے۔ شہر کے سمندری کناروں پر لے گئے جہاں سے بحرالکاہل کا پر وقار اور حد نظر تک پھیلا ہوا دلکش منظر ہے۔ یہی وہ سمندر ہے جس کے دوسرے پار ہمارا مشرق شروع ہو جاتا ہے گویا ہم اپنے وطن سے کسی حد تک قریب ہیں صرف ایک سمندر حائل ہے۔ سان فرانسسکو اصل امریکی سرزمین سے اس کے قریب کے بعض چھوٹے جزیروں تک پھیلا ہوا ہے جن کو اصل سرزمین سے طویل طویل پل ملاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو بہت ہی طویل پل ہے جو چھ میل طویل ہے۔ دوسرا پل بھی ایک طویل پل ہے جو گولڈن گیٹ برج (GOLDEN GATE BRIDGE) کہلاتا ہے۔ یہ پل فولادی رسوں سے لٹکا ہوا ہے جن کو دو ستون تھامے ہوئے ہیں۔ یہ پانی سے خاصا بلند ہے اور اس کے نیچے کا پانی بہت ٹھنڈا

ہے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنے والوں نے اس جگہ کو بھی اپنی پریشانیوں کا حل بنا رکھا ہے۔ کود جاتے ہیں۔ . . پھر جب تک نکالے جائیں پانی کی ٹھنڈک کے سبب موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ اس پل پر سے گذر کر دوسری جانب ہم لوگ اترے۔ یہاں سے اصل شہر کا منظر بڑا خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ دور افق پر دوسرا اور سب سے طویل پُل زمین کے دو حصوں کو ملاتا ہوا نظر آتا ہے اور سامنے قریب ہی ایک چھوٹا جزیرہ بھی ہے جو اصل شہر سے غالباً ڈیڑھ فرلانگ ہوگا۔ اس جزیرہ پر قلعہ بنا ہوا ہے نام الکاٹرازا (ALCATRAZA) ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ قدیم عہد میں قید خانہ تھا جس کو حراست میں رکھا جانا مقصود ہوتا یہاں بھیج دیا جاتا۔ وہ اس سمندری پٹی کو پار کرنے سے قاصر رہتا اور اس طرح زیر حراست رہنے پر مجبور ہوتا۔ پانی اتنا ٹھنڈا ہے کہ کوئی اگر فرار کی ہمت بھی کرتا تو زندہ بچکر خشکی تک نہیں پہونچ سکتا تھا۔ پُل سے دوبارہ واپسی ہوئی اور شہر کے بلند حصّوں کی طرف جانا ہوا۔ سڑک سخت چڑھائی کے ساتھ اوپر جاتی اور نیچے آتی ہے۔ اور ایک جگہ تو نیچے اترنے کے لئے لہردار سڑک بنی ہوئی ہے۔ یہ سڑک اپنی نوعیت کی دنیا میں منفرد سمجھی جاتی ہے اس کو کروکیڈس (CROOKEDES) کہتے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر ایک بلند ترین جگہ دیکھنے گئے۔ یہ بھی شہر کی سیرگاہوں میں ہے اور یہاں سے اردگرد نیچے آبادی اور سمندر کا منظر نہایت خوشنما نظر آتا ہے۔

چائنا ٹاون

سان فرانسسکو میں ایک پورا بازار چینی آبادی کا ہے۔ یہاں سائن بورڈ

اور تمام علامتیں بالکل چینی ہیں کہ آدمی کو یہاں ایک مرتبہ تو یہی محسوس ہونے لگے کہ وہ کسی چینی شہر میں کھڑا ہے۔ ہر طرف چینی چلتے اور آتے جاتے نظر آرہے تھے معلوم ہوا کہ ایشیا سے باہر ایک جگہ پر چینیوں کی آبادی کا یہ سب سے بڑا علاقہ ہے۔ یہاں چینیوں کی کثرت کیوں نہ ہو یہ ساحل تو چین سے قریب بھی ہے۔ شہر کے اس حصہ چائنا ٹاؤن (CHINA TOWN) میں چینی آبادی ۳۶ ہزار ہے۔ اور پورے شہر کی آبادی ۲۷ لاکھ ہے۔

چھوٹے جہازوں کا ایک وسیع ایر پورٹ

ایک بجے کے قریب ہوٹل واپسی ہوئی۔ کھانا کھایا نماز پڑھی اور ہوائی مستقر روانہ ہوئے۔ انٹرنیشنل ہوائی مستقر کے قریب ایک وسیع پختہ میدان میں شخصی چھوٹے جہازوں کا پورا بازار سا نظر آیا معلوم ہوا کہ یہ سب ذاتی جہاز ہیں جن پر ان کے مالکان سوار ہو کر اپنے گاؤں سے شہر کام پر آتے اور واپس جاتے ہیں۔ یہاں اتر کر کار کے ذریعہ آفس چلے جاتے ہیں اور واپسی میں کار یہاں چھوڑ کر ہوائی جہاز سے اپنے گاؤں چلے جاتے ہیں۔ یہ جہاز شاید دو یا تین آدمیوں سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتے۔ یہ لوگوں کے پاس ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہمارے مشرق میں کاریں ہوتی ہیں۔ یہاں امریکہ میں شخصی جہازوں کا خاصا چلن ہے۔ یہاں ان موجود جہازوں میں سے ایک تعداد ضرور شہری ہوابازی کلب کی بھی ہو گی جن پر لوگ پرواز سیکھتے ہوں گے۔

سالٹ لیک سٹی کا سفر اور وہاں کے دوستوں کی مسرت

سان فرانسسکو سے سالٹ لیک سٹی ۵۹۱ میل کے فاصلے پر ہے وہاں کے

لئے ہمارے پاس طارق کرگھی صاحب کا نام اور ٹیلی فون نمبر درج ہے یہ عراقی ہیں اور اچھے جذبے کے مسلمان ہیں۔ سالٹ لیک سٹی کی ایم۔ ایس۔ اے نے مولانا مدظلہ کا پروگرام مرکز سے بات کر کے طے کرایا ہے یہاں چونکہ کم لوگ آتے ہیں اس لئے ان کا تقاضا زیادہ تھا اور مرکز کو بھی لحاظ ہوا اس لئے یہاں ان کی خواہش کے لحاظ میں پروگرام دو دن کا رکھا گیا۔ حالانکہ بعض اس سے بڑے اور اہم شہروں میں ایک ایک دن کافی سمجھا گیا بہرحال ڈیڑھ گھنٹہ کی پرواز کے بعد ہم لوگ یہاں ½۳ بجے کے قریب پہونچے۔ لیکن یہاں وقت ایک گھنٹہ زیادہ تھا۔ اس لئے گویا ½۴ بجے پہونچنا ہوا۔ ایر پورٹ پر طارق کرگھی صاحب اور متعدد ہندستانی، پاکستانی حضرات ملے اور سب محبت اور اشتیاق کے جذبات سے پیش آئے۔ استقبال کرنے والوں میں لاہور کے ایک نوجوان عرفان علی لاہوری جن کی اہلیہ ضلع لکھنؤ قصبہ کسمنڈی کی ہیں، بار بار اپنی مسرت و حیرت کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے میں خواب دیکھ رہا ہوں یا بیداری میں ہوں کہ آپ اس دور افتادہ امریکی شہر میں آئے ہیں۔ کہتے تھے میں نو عمری سے آپ کی کتابیں پڑھتا رہا ہوں اور آپ کا نام سنتا تھا لیکن تصور نہ تھا کہ آپ سے سالٹ لیک سٹی میں ملاقات ہو گی۔ طارق صاحب اپنی کار پر بٹھا کر اپنے مکان لائے۔

طارق کرگھی صاحب عراقی، عرفان علی لاہوری اور دیگر محبت کرنیوالے احباب.

طارق صاحب انجینئر کی حیثیت سے سالٹ لیک سٹی میں ملازم ہیں۔ عراقی اور کردی ہیں۔ بہت زیادہ دینی جذبہ رکھتے ہیں۔ صحیح الخیال اور اخوانی ذہن کے ہیں۔ یہاں ایک نومسلم امریکی خاتون سے شادی کر لی ہے۔ اپنے ملک کی دین بیزاری

سے نالاں ہیں اور وہاں کے جابرانہ سیاسی طرزِ عمل کی وجہ سے فرار اختیار کئے ہوئے ہیں۔ مولانا مدظلہٗ سے واقفیت اور تعلق ان کی کتابوں کے ذریعہ سے پہلے سے رکھتے ہیں۔ طارق صاحب اور عرفان صاحب نے اپنے تعلق کا اظہار کیا کہ سالٹ لیک سٹی میں دو روزہ قیام جو کسی طرح گوارا نہیں معلوم ہوتا تھا اب گوارا اور خوش کن معلوم ہونے لگا۔ عرفان علی صاحب کے علاوہ محبت و تعلق سے ملنے والوں میں مقامی ایم۔ایس۔اے کے صدر عبد الوہاب صاحب اور رکن اشرف راجہ صاحب اور کئی دیگر اصحاب تھے یہ سب ساتھ ساتھ رہے۔ اور سب نے بڑے تعلق کا اظہار کیا۔ یہ دن کچھ آرام میں اور تعارف و گفتگو میں گذرا۔ عرفان علی صاحب لاہوری اپنے مکان پر قیام کی دعوت دے رہے تھے چنانچہ یہ طے ہوا کہ اگلے روز عصر کی چائے ان کے یہاں ہوگی۔ یہ سب مذکورہ بالا لوگ آپس میں بھی بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ سب آپس میں بھائیوں کی طرح ملتے ہیں۔

امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی دینی و اخلاقی کیفیات

امریکی تمدن و ماحول کے اثرات امریکہ میں بسے ہوئے سب خاندانوں میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کا سب سے بڑا اثر مرد و زن کے درمیان اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ آپس کے اختلاط میں کوئی تکلف نہیں محسوس کیا جاتا چنانچہ یہاں بھی یہی کیفیت نظر آئی۔ یوں تمام باتوں کے باوجود اس طرح کے بہت سے لوگوں میں دین کی محبت اور اصلاحِ حال کی فکر بھی بہت نظر آئی۔ یہاں جو لوگ ملے وہ عموماً پاکستانی نوجوان تھے۔ ایسی عمروں اور ایسے ماحول کے لوگ کہ اگر یہ

پاکستان یا ہندوستان میں ہوتے تو شاید ان سے کسی دیندار یا ڈاڑھی والے کا نباہ مشکل ہوتا اور وہ ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا لیکن دین سے محبت اور . . .
. . . اور دین کی باتوں سے تعلق و حمیت دین داروں جیسی دیکھی۔ یہ کیوں ہے اور کیسے ہے؟ اس کو جہاں تک ہم سمجھ سکے۔ اس ایمانی چنگاری کا نتیجہ ہے جو ایک مسلمان کے اندر دبی ہوتی ہے اور توفیقِ الٰہی سے اُبھرنے لگتی ہے۔ ان میں سے کئی آدمیوں نے کہا کہ ہم اپنے ملک میں تھے تو ہم کو دین سے کوئی ربط و تعلق نہیں محسوس ہوتا تھا۔ یہاں پہونچ کر یہاں کے حالات نے ردِ عمل پیدا کر دیا اور اب ہم جیسے لوگ یہاں داعی کا فرض انجام دے رہے ہیں وہاں اس کا خیال بھی نہ ہوتا۔ یہ لوگ مولانا مدظلہٗ سے استفادہ کرنے، ان کی اس آمد کو مفید بنانے میں دلچسپی لے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہمارے اس شہر کا جائے وقوع ایسا ہے کہ امریکہ آنے والے علماء اور داعی عام طور پر اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیادہ خوش قسمت علاقہ امریکہ کی مشرقی پٹی ہے۔ اس سے کوئی آگے بڑھتا ہے تو مغربی پٹی پر آجاتا ہے اور یہ درمیان کے خطے عام طور پر چھوٹ جاتے ہیں اب آپ نے جب یہاں آنے کی زحمت کی ہے تو کئی روز ٹھیریئے تاکہ ہم اپنی پیاس بجھا سکیں۔ بہرحال دو روز تو ان کو حاصل ہی ہو گئے جو اس دورہ میں بڑے شہروں کو بھی عموماً کم دیئے گئے۔ یہ دو روز ان لوگوں نے اپنے اسی جذبہ کے اثر سے پہلے سے مرکز سے طے کرائے تھے۔ آج کی مجلس اردو عربی کی مشترک رہی۔ طارق صاحب سے عربی میں بات ہوتی تھی اور ان لوگوں سے اردو میں۔ یہ اردو والے چونکہ لاہور اور پنجاب کے تھے اس لئے ان کو اردو سننے میں بھی لطف آتا تھا۔ خاص طور پر مولانا مدظلہٗ کی گفتگو میں جب علامہ

اقبالؒ کے اشعار یا لکھنوی ادب کے جملے آ جاتے تو وہ حضرات اس کا خاص لُطف لیتے۔ طارق صاحب برصغیر کے لوگوں کا یہ ذوق و تعلق دیکھ کر لُطف محسوس کرتے اور اپنے حق گفتگو سے کسی کسی وقت دست بردار ہو جاتے۔

طارق صاحب کرگہی کا دینی جذبہ اور کردی نسل

طارق صاحب کے نام کے ساتھ کرگہی کا لفظ لگایا جاتا ہے۔ یہ لفظ ان کے کردی ہونے کی علامت ہے۔ کرد ایک نسل ہے جو ایران، عراق اور ترکی کے درمیانی خطہ پر رہتی ہے۔ چنانچہ یہ قوم تینوں ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا بڑا حصہ عراق میں ہے۔ یہ اصلاً وسط ایشیا کی قوم ہے اور اسی علاقہ کی خصوصیات رکھتی ہے جفاکش، بہادر بلند حوصلہ قوم ہے۔ اسلام سے تعلق و محبت ان میں وسط ایشیا کی دیگر قوموں کی طرح پائی جاتی ہے، چنانچہ ان لوگوں نے سخت حالات میں بھی اسلام کو سینے سے لگائے رکھا۔ اور اس کی مثالیں ان میں اب بھی ملتی ہیں۔ ان میں بہت سے افراد اپنی برادری کی نسلوں میں ثقافت اور معیشت کے لحاظ سے ضم ہو چکے ہیں۔ اور بظاہر انہی نسلوں کے فرد ہو چکے ہیں لیکن اپنی اصل خصوصیات سے محروم نہیں ہوئے ہیں۔ عربوں میں ان لوگوں کا خاصا جز ضم ہو چکا ہے لیکن اپنی متعدد انسانی خصوصیات کا برابر حامل ہے۔ اس میں شاید سلاسل تصوّف کو بھی دخل ہے۔ خاص طور پر سلسلہ نقشبندیہ کو جو مولانا خالد رومی (کردی) کے ذریعہ جو حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے خلیفہ تھے تیرہویں صدی ہجری میں عراق و شام و ترکی میں وسیع پیمانے پر پھیلا۔ یہ لوگ بالعموم سنی العقیدہ و شافعی المذہب ہیں۔ اسی نسل نے چھٹی صدی مسیحی میں سلطان صلاح الدین ایوبی جیسا مرد مجاہد

عالم اسلام کو عطا کیا۔ اس زمانے میں جب کہ بہت سے عربوں کو اسلام ایک قصۂ پارینہ محسوس ہونے لگا ہے ان میں اسلام کا بھڑکتا ہوا جذبہ ملتا ہے۔ شاید اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو گی جیسا کہ ایک غیر عرب مسلمان نے ایک موقع پر ایک عرب کو مخاطب کر کے کہا کہ اسلام تم کو ورثہ میں ملا وہ تم کو گھر کی چیز معلوم ہوتا ہے، اس لئے قدر نہیں، ہم کو تو قربانی دیکر حاصل کرنا پڑا اس لئے وہ ہمارے لئے بڑا قابل قدر سرمایہ ہے۔

طارق کرگہی صاحب بڑے مومن اور داعی صفت آدمی ہیں۔ سنجیدہ اور پختہ خیالات رکھتے ہیں۔ عراق کے موجودہ حالات سے سخت بیزار ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہاں آجکل ایمان کی حفاظت کے ساتھ رہنا مشکل ہے اور میں نے سچ تو یہ ہے کہ ہجرت کی ہے۔ یہاں باوجود کفار کا ملک ہونے کے دین پر میں زیادہ عمل کر سکتا ہوں بہ نسبت عراق کے کہ وہاں یہ عمل ممکن نہیں۔ دیگر ممالک عربیہ و اسلامیہ کے حالات بھی اب بھروسہ کے قابل نہیں معلوم ہوتے، وہاں حکومتوں اور اقتدار پر جس طرح کے لوگ ہیں انکا کوئی اعتبار نہیں، جب اور جس وقت موقع ملے اسلام سے دشمنوں جیسا معاملہ شروع کر دیں۔

طارق صاحب کی اہلیہ نو مسلم امریکن خاتون ہیں۔ انہوں نے اپنی دلچسپیاں صرف گھر کے اندرون تک محدود کر رکھی ہیں اور خاموش اور الگ تھلگ رہنے کا مزاج معلوم ہوتا تھا۔ ان سے طارق صاحب کے کئی بچے ہیں بعض ۱۱۔۱۲ سال کے ہیں۔ طارق صاحب کے ایک بھتیجے بھی چند ماہ سے آ کر مقیم ہیں۔ وہ عراق کی بے دینی سے سخت ناراض ہیں اور وہاں اپنی ملازمت کے دوران مذہب دشمنی کے جو مظاہرے اور معاملات پیش آتے تھے، ان کا ذکر کرتے ہیں اور عراق سے منتقل ہو کر یہاں آجانے سے سکون محسوس کرتے ہیں۔

طارق صاحب کے پاس اور دیگر امریکی مقامات میں مولانا کی تصنیفات

طارق کرگبی صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں مولانا مدظلہ کی عربی تصنیفات کی ایک تعداد نکلی ان میں قصص النبیین للاطفال بھی تھی۔ بہت تعجب ہوا کہ ایسے دور دراز مقام پر بھی یہ کتابیں پہونچ گئیں اور یہی نہیں بلکہ امریکہ کے مختلف حصّوں میں۔ . . جہاں اس کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ مشرق کی شائع شدہ کتب وہاں پہونچ سکتی ہیں، کچھ نہ کچھ نظر آ گئیں، معلوم ہوا کہ اخلاص سے کام کیا جائے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور وہ قدر دانی سے محروم نہیں رہتا۔

مارمن عیسائی

سالٹ لیک سٹی مارمن (MOR MON) عیسائیوں کا مرکز ہے۔ یہاں ان کا بڑا گرجا ہے۔ اور شہر میں ان کے اخبارات اور مراکز ہیں۔ ان کی خاصی تعداد یہاں رہتی ہے۔ ان کی مستقل ایک یونیورسٹی بھی یہاں قائم ہے۔ عیسائیوں میں یہ ایک عجیب قسم کا فرقہ ہے۔ عام عیسائی قوم کے نقطۂ نظر سے یہ ایسا ہی ہے جیسے مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے قادیانی یا اسی جیسا کوئی باغی فرقہ، لیکن اس فرقہ کے اخلاقی احکام عام عیسائی مذہب کے احکام سے بہت بہتر ہیں۔ یہ لوگ عام عیسائی مذہب کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ اور خود اصل مذہب کے دعوی دار ہیں۔

مارمن فرقہ کے قیام کی تاریخ اور سالٹ لیک سٹی میں منتقلی

اس فرقہ کی بنیاد ایک عیسائی پادری جوزف اسمتھ نے ۱۸۳۰ء میں ڈالی۔

اس نے خواب میں ماورائی انجیل کو بارہا دیکھا۔ اس کو حضرت عیسیٰ کے دوبارہ اس دنیا میں نجات دہندہ کی حیثیت سے آنے کی پیشین گوئی حاصل ہوئی۔ سونے کی ایک قدیم پلیٹ کی طرف بھی اشارہ ملا۔ اس میں تحریر شدہ مضمون کا ترجمہ جوزف اسمتھ نے ۱۸۲۷ء میں پیش کیا جو بک آف مارمن (BOOK OF MORMON) میں درج ہے۔

اس فرقہ نے عیسائیوں کے عقائد و تعلیمات سے بالکل مختلف کئی عقائد و اعمال اختیار کئے۔ ان میں حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد، خنزیر و شراب و مسکرات کی حرمت، عورتوں کے لباس میں حیاء کا نسبتاً خیال، تعدد ازواج اور انبیاء کی آمد کا تسلسل اور اسی طرح کی متعدد دیگر باتیں ہیں۔ دوسروں کی نظر میں جو مذہبی مصلحین کہے جا سکتے ہیں، ان کے فرقہ کے اس طرح کے لوگ انبیاء کہلائے خود جوزف اسمتھ کے نام کے ساتھ پرافٹ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

چنانچہ عام عیسائیوں سے ان کا ٹکراؤ ہوا اور شدید مخالفت شروع ہوئی جو تشدّد اختیار کر گئی، تشدّد کی ابتدا مسوری اسٹیٹ (MISSOURI — STATE) سے شروع ہوئی جو دیگر صوبوں میں پھیل گئی۔ خود جوزف اسمتھ الّی نوائے صوبہ میں عوام کے شدید مخالفانہ دباؤ کے نتیجہ میں گرفتار ہوئے۔ اور عوام کے ہجوم نے پکڑ کر ان کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸۴۴ء میں پیش آیا۔ اس کے بعد تشدّد کا چکّر بڑھتا چلا گیا۔ اس فرقہ کے لوگوں کو مارا پیٹا جاتا رہا۔ انکے گھروں کو آگ لگائی گئی۔ بالآخر ان کے ایک رہنما بریگھم ینگ (BRIGHAM — YOUNG) نے تقریباً دو سال بعد ۱۸۴۶ء کے شروع میں اپنے رفقاء کو

نے کر امریکہ کے مغربی علاقہ کی طرف رُخ کیا۔ پہاڑوں اور وادیوں کو طے کرتے ہوئے
ان کا قافلہ امریکہ کے وسطی صحرائی خطوں میں پہنچا اور اس جگہ ڈیرا ڈالا جہاں اب
اوٹا اسٹیٹ (UTAH STATE) ہے۔ یہ علاقہ انہی کی آمد پر آباد ہوا۔ یہ
ایک بنجر اور دشوار گذار علاقہ تھا اسی لئے ان کو یہاں رہائش میں مزاحمت کا
سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس علاقے تک پہونچنے میں فرقہ کے کمزور لوگ طویل سفر
کی تاب نہ لاکر راستہ میں مختلف جگہوں پر رکتے رہے اور ان کی بستیاں قائم ہوتی
چلی گئیں اس وقت سے ان نو آباد لوگوں نے یہاں محنت کی چنانچہ آج اس
علاقہ میں انہی کی اصل آبادی ہے۔ ان کے تعلیمی ادارے یونیورسٹی اور تبلیغ دین کے
مرکز نیز مرکزی گرجا ہے جو ان کی اصطلاح میں ٹمپل (TEMPLE) سے
موسوم ہوتا ہے۔ ان کے مقامی ٹمپل امریکہ میں مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔
آبادی پورے ملک میں ہے لیکن زیادہ آبادی اسی اوٹا میں اور خاص طور پر
سالٹ لیک سٹی میں ہے۔ یہ ملک کی ایک چھوٹی اقلیت ہیں۔

مارمنوں کی بعض تعلیمات وخیالات کی مسلمانوں کی بعض تعلیمات سے
مشابہت ہونے کے باعث مسلمان ان کو دیگر عیسائیوں کے مقابلہ میں اپنے لئے
زیادہ روادار اور قریب محسوس کرتے ہیں لیکن بہر حال یہ پوری طرح گمراہ
فرقہ ہے۔ نبوت کے تسلسل کے لحاظ سے قادیانیوں سے کچھ مشابہت کہی جاسکتی
ہے۔

اس فرقہ کی الی نوائے سے ترک سکونت کے بعد جو سفر سے قاصر لوگ وہاں
رہ گئے تھے ان پر عام عیسائیوں کے مظالم کا سلسلہ بعد تک جاری رہا ترک سکونت

اور اوٹا تک سفر کرنے کی داستان قافلہ سالار ینگ نے خود اپنے قلم سے لکھی ہے۔ ان
معلومات میں ان سے بھی اقتباس کیا گیا ہے۔

بہر حال اگلے روز ان مارمن لوگوں کے مراکز کو دیکھنا ہے متعدد احباب نے
ان کو دیکھنے اور واقف ہونے کا مشورہ دیا۔ رات کرگی صاحب کے یہاں گذاری۔

چہارشنبہ ۱۵ جون

صبح ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد مارمن فرقہ کے مراکز دیکھنے کا
پروگرام بنا، اور وہاں جانا ہوا۔ ان کے مرکزی گرجے میں تو غیر مذہب کے لوگ
نہیں جاسکتے۔ وہاں پابندیاں اور احتیاطیں ہیں۔ صرف پوری طرح ماننے والے
جاتے ہیں۔ غالباً عام عیسائیوں کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ تعارف
کے لئے ان کا جو مرکز ہے اس میں غیر مذہب والوں کے دیکھنے اور معلومات حاصل
کرنے کے ضروری انتظامات ہیں۔ وہاں برابر لوگوں کی آمد ورفت رہتی ہے۔ اس
علاقے میں جہاں یہ مرکز اور مرکزی گرجا ہے ایک سکون کا ماحول ہے۔ فرقہ کے جو
ماننے والے نظر آتے، اخلاق سے پیش آتے اور رہنمائی کے لئے تیار رہتے ہیں۔
مرکز کے اندر داخلہ کے دروازہ پر کاونٹر ہے جس میں فرقہ کا لٹریچر آراستہ ہے اور
رہنمائی و معلومات فراہم کرنے کے لئے آدمی موجود ہے۔ اندر کئی طبقات میں تعارفی
بند وبست ہے اور زیادہ تر یہ تعارف تصویروں اور تمثیلی طریقوں سے کرایا جاتا ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضروری تاریخ اور دعوتی کام اور دوبارہ اس دنیا
میں آنے، نیز مذہب کے اہم ترین اشخاص اور مارمن مصلحین کے حالات کو تصویروں

کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔ تمثیل اور تصویر صرف مارمن ہی نہیں بلکہ سارے عیسائی مذہب نے ایسا اختیار کر لیا ہے کہ مذہب بالکل بُت پرستی کا بن گیا ہے۔ عیسائیت کی اس بے حد و درسوم پرستی اور بُت نوازی نے مذہب کا بالکل حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ جب آدمی یہ سمجھ کر کہ یہ بھی ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کے ماننے والے اہل کتاب ہیں، ان کو دیکھتا ہے تو بڑی مایوسی ہوتی ہے اور آسمانی مذہب ہونے نیز اہل کتاب ہونے کا ان کا دعویٰ ایک کھلا ہوا فراڈ معلوم ہوتا ہے۔ عیسائیت کی تاریخ میں بعض تحریکیں ایسی بھی رہی تھیں جنھوں نے اصلاح کرنا چاہا جیسے پروٹسٹنٹ اور خود یہ مارمن جنھوں نے اصلاح کرنے کا ارادہ کیا لیکن خود پروٹسٹنٹ ایک بگڑا مذہب بن کر رہ گیا اور اب یہ مارمن ہیں جنھوں نے کچھ دوسری باتوں کی اصلاح کرنا چاہی لیکن اس نے بھی گمراہ مذہب کی شکل میں ایک نیا وجود اختیار کر لیا ہے۔

ہم لوگوں نے اس فرقہ کو جاننے کے لئے ان کا لٹریچر بھی لیا اور واپس آئے۔ اس شہر پر مارمن فرقہ کا بہت اثر ہے۔ ان کے پاس دولت بھی ہے اس سے اپنے فرقہ کی تقویت و ترویج کے لئے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ معاشرت و اخلاق کے بعض گوشوں میں عیسائیوں کے برعکس ان میں جو احتیاط ہے اس کی وجہ سے یہاں کے مسلمان ان کو دیگر عیسائی فرقوں کے بمقابلہ ذرا قریب محسوس کرتے ہیں اور ان کو اسلام سے قریب لانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن بظاہر اس کا کوئی بڑا حاصل نہیں معلوم ہوتا۔

سالٹ لیک سٹی کے بعض پہاڑی دامنوں کی سیر

واپسی میں کرگبی صاحب نے چاہا کہ قریب کے پہاڑوں کے دامن و وادی میں

سیر کے لئے چلیں۔ وقت میں گنجائش تھی چنانچہ وہاں جانا ہوا۔ بہت ہی پر بہار جائے وقوع اور فضا تھی۔ قریب میں تیز رو آب جو تھی اس کے کنارے بلند درختوں کے سائے میں کچھ دیر اچھا وقت گذرا اور پھر قیام گاہ واپسی ہوئی۔ یہ پہاڑ سالٹ لیک سٹی کو گھیرے ہوئے ہیں۔ سال کے ٹھنڈے دنوں میں مکمل برف پوش اور گرم موسم میں صرف چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ یہاں ان کے وجہ سے شہر کی خوبصورتی اور موسم کی خوشگواری کو مدد ملتی ہے۔ کچھ فاصلے پر نمک کی بڑی وسیع جھیلیں ہیں جن سے نمک بڑی مقدار میں بنایا جاتا ہے۔ اس شہر کا نام بھی اسی کے نام پر ہے یہاں کا علاقائی رمز بھی نمک ہے چنانچہ یہاں کے اہم مقامات اور شہر کے جو فوٹو حاصل کئے ان میں بعض کے ساتھ چھوٹی چھوٹی سی نمک کی تھیلیاں سلی ہوئی تھیں اور سالٹ لیک سٹی کا رمز ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں۔ پورے اوٹا اسٹیٹ کا سب سے اہم اور بڑا مقام یہی شہر ہے اور پوری اسٹیٹ کی تقریباً نصف آبادی یہیں رہتی ہے۔ یہاں بھی کئی یونیورسٹیاں ہیں۔ ان میں اوٹا یونیورسٹی (UTAH UNIVERSITY) واقع سالٹ لیک سٹی اہمیت رکھتی ہے اور علم کے بعض شعبوں میں امریکہ کی متعدد یونیورسٹیوں میں اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔

عرفان علی صاحب کے یہاں عصرانہ اور اوٹا یونیورسٹی میں جلسہ

عصر کے وقت عرفان علی صاحب کے یہاں جانا ہوا۔ انہوں نے چائے کے ساتھ پُر تکلف ناشتہ کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ ہم لوگوں کو دن میں اس وقت کچھ کھانے کی بالکل عادت نہیں لیکن ان کی دلداری میں ہلکی پھلکی شرکت کرنا

پڑی۔ وہاں سے فارغ ہو کر اوٹا یونیورسٹی جانا ہوا۔ یہاں کے ایک ہال میں مولانا مدظلہ کی تقریر ہے۔ مغرب کی نماز سے قبل جلسہ شروع ہوا عموماً عرب اور ہندو پاک کے لوگ تھے۔ تقریر عربی میں کی جانا طے ہوئی لیکن پھر کچھ اردو میں ہوئی دونوں کا ترجمہ حسب معمول انگریزی میں کیا گیا۔ سوال و جواب کا بھی سلسلہ رہا[1]۔

سور کے گوشت کے متعلق ایک امریکی مصنف کا تحقیقی مضمون

جلسہ کے بعد مغرب کی نماز وہیں ایک بڑے کلاس روم میں کرسیاں اور ڈسک ہٹا کر باجماعت ہوئی پھر قیام گاہ واپسی ہوئی۔ طارق کرگھی نے ایک امریکن ماہر غذائیات مصنف کی ایک کتاب دکھائی[2] جس میں اشیاء خوردنی کی طبی خصوصیات درج ہیں اس میں انہوں نے وہ مضمون دکھایا جو سور کے گوشت کے بارے میں ہے۔ وہ واقعی مفید اور دلچسپ مضمون ہے اس میں طبی تحقیقات کی بنیاد پر یہ بتایا گیا ہے کہ اس جانور کے معدے کی بناوٹ دوسرے جانوروں کے مقابلے میں مختصر صلاحیتوں کی حامل ہے یہ اپنے اندر آنے والی اشیاء کو ٹھیک سے تحلیل کر کے آگے کے نظام کے لئے نہیں بھیجتا بلکہ معمولی تحلیل کے بعد بغیر خراب اثرات کی صفائی کے جزو بدن بناتا ہے اس لئے اس کے جسم میں اس کی کھائی ہوئی اشیاء جلد ہی اپنی جملہ خصوصیات و اثرات کے ساتھ گوشت پوست کا جزو بن جاتی ہیں

---

[1] یہ تقریر بھی عربی مجموعہ خطبات میں شائع ہو رہی ہے۔
[2] کتاب کا نام COMMERCIAL FOODS EXPOSED اور مصنف کا نام GAY DEAMER HORSLEY ہے۔

اور اس طرح جو گندگی اور خراب اشیاء یہ کھاتا ہے (اور ایسی چیزیں کھانے کا وہ بہت عادی ہے) وہ سب اس کے گوشت کے ساتھ اس کے گوشت کے کھانے والے کے معدے میں جاتی ہیں۔ خاص طور پر جب کہ وہ اپنے کٹنے سے اور کھائے جانے سے قریبی مدت میں اس نے کھائی ہوں۔ اس طرح نہ معلوم کتنی گندگی یا طبی طور پر زہریلی اشیاء اس کے گوشت کے کھانے والے اپنے جسم میں قبول کرتے ہیں۔ اس مضمون کی ابتدا میں درج ہے کہ اگر اس مضمون کے پڑھنے سے متصلاً پہلے یا بعد، آپ سور کا گوشت کھانے جا رہے ہوں تو یہ مضمون ابھی نہ پڑھیے۔ ورنہ ممکن ہے کہ اس گندگی کے تصور سے جس کا علم آپ کو اس مضمون کے پڑھنے سے ہوگا، آپ کو قے ہو جائے۔ کتاب جذباتی انداز میں نہیں ہے بلکہ تحقیقی اور علمی انداز میں ہے۔

ڈیٹرائٹ اور شیکاگو

مشرقی امریکہ کو دوبارہ واپسی

دوسرے روز صبح سویرے مشرقی امریکہ کی طرف واپسی ہے۔ تین گھنٹے کا مسلسل سفر ہے۔ تقریباً ڈیڑھ دو ہزار میل کا فاصلہ طے کرنا ہے۔ ہم لوگوں کا اگلا اسٹیشن ڈیٹرائٹ (DETROIT) ہے۔

موٹر سازی کا سب سے بڑا مرکز ڈیٹرائٹ

ڈیٹرائٹ میشیگن اسٹیٹ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اور موٹروں کے کارخانوں کا دنیا میں سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس میں موٹر و دیگر مصنوعات کی ۶ ہزار فیکٹریاں ہیں جن میں کام کرنے والوں کا آبادی میں بڑا حصہ ہے۔ مشرقی ممالک کے لوگ بھی خاصے ہیں۔ آبادی میں کالوں کا بھی عنصر ہے۔ چند سال قبل نسلی فسادات کا یہاں خاصا اثر پڑا تھا۔ دنیا کے اخبارات میں اس کی تصویریں اور خبریں بھی شائع ہوئی تھیں۔ اس کی مضافاتی بستیاں ڈیربن (DEARBON) پنٹاک (PONTIAC) بھی موٹر سازی میں معروف ہیں۔ فورڈ کا شہرۂ آفاق کارخانہ بھی یہیں ہے۔ یہ بہت پرانی کمپنی ہے۔

آج سے چوّن ، پچپن سال پہلے ہمارے ایک چچا سید سراج النبی حسنی صاحب اپنی نوعمری میں تکمیل تعلیم کے لئے امریکہ پہونچ گئے تھے۔ وہ زمانہ بہت شاذ و نادر کسی ہندوستانی کے امریکہ جانے کا تھا۔ یہ ایک نوعمر شخص کی بڑی ہمت کا کام تھا۔ ان کے والد اور خاندان کے بزرگ اس اقدام کے زیادہ موید نہ تھے لیکن انہوں نے جرأت کی۔ امریکہ پہونچ کر تعلیم بھی حاصل کی اور ملازمت بھی کی۔ اسی فورڈ کمپنی میں انکو ملازمت ملی اور ہم لوگوں کا اندازہ ہے کہ اسی ڈیٹرائیٹ میں رہنا ہوا ہوگا۔ اس وقت امریکہ کی موٹر کمپنیوں میں سب سے زیادہ کامیاب جنرل موٹرس کمپنی ہے۔ اس کو صرف سال رواں ایک سال میں ایک ارب ڈالر منافع ہوا ہے۔

میشیگن اسٹیٹ (MICHIGAN STATE)

میشیگن اسٹیٹ میشیگن جھیل کے پڑوس میں واقع ہے۔ یہ ایک عظیم جھیل ہے۔ اس میں دریائی راستہ سے سمندر سے پانی کے جہاز داخل ہو جاتے ہیں۔ اس جھیل کا ایک کنارہ کناڈا سے ملتا ہے اور دیگر اطراف میں امریکہ کی کئی اسٹیٹ جنمیں الی نوائے اسٹیٹ شامل ہے، واقع ہیں۔ الی نوائے کا بڑا شہر شیکاگو اس کے لب ساحل ہی ہے۔

ڈیٹرائیٹ کی آبادی پندرہ لاکھ سے زیادہ ہے اور یہ شیکاگو سے شمال مشرق میں ۲۳۲ میل پر اور نیویارک سے شمال مغرب میں ۴۹۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ نیویارک کے ہی وقت کے علاقہ میں پڑتا ہے۔ لہذا ہم کو وہاں پہونچ کر اپنی گھڑی مزید دو گھنٹے آگے کر لینا ہوگی جب کہ سان فرانسسکو سے سالٹ لیک سٹی آنے پر ہم ایک گھنٹہ آگے کر چکے ہیں۔

ڈیٹرائٹ جاتے ہوئے ہمارا جہاز شیکاگو میں وقفہ کرے گا۔ سالٹ لیک سٹی میں ٹیلی فون پر نشاط صاحب سے گفتگو ہوئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ لکھنؤ سے ڈاک آئی ہوئی ہے۔ اس کے دیکھنے اور لکھنؤ رائے بریلی کی خیریت معلوم کرنے کا اشتیاق ہے۔ بعض خطوط کا کچھ حصہ ٹیلی فون پر ہی پڑھوا کر سنا۔ خیال ہے کہ شیکاگو میں پرواز کے وقفہ کرنے پر یہ ڈاک نشاط صاحب سے مل جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے ایرپورٹ پہونچ کر ملاقات کرنے کی آمادگی ظاہر کی ہے۔

ڈاکٹر عاصم حسین صاحب کے مکان پر

پنجشنبہ ۱۶ ر جون

آج دوپہر کے قریب شیکاگو ایرپورٹ پر نصف گھنٹہ ٹھیرتے ہوئے جو شیکاگو سے آئے ہوئے دوستوں کے ساتھ لطف کے ساتھ گذرا اور ڈاک بھی مل گئی، ڈیٹرائٹ پہونچنا ہوا۔ تقریباً تین گھنٹے کی پرواز تھی جو کہ گھڑی کے فرق کی وجہ سے پانچ گھنٹے کی جا سکتی ہے۔ یہاں ہم لوگوں کے میزبان ڈاکٹر عاصم حسین صاحب ہیں ان سے بلومنگٹن کے ایم۔ ایس۔ اے کے اجلاس کے موقع پر ملاقاتیں رہی تھیں اور وہاں آخری دن انہی نے ہوٹل کے طعام خانے میں دوپہر کی ضیافت کی تھی بہت تعلق و محبت سے پیش آئے تھے اور پروگرام میں ڈیٹرائٹ کو رکھنے کی تاکید کی تھی۔ اب یہاں ڈیٹرائٹ میں ہیں۔ یہاں کی دینی کوششوں میں شریک رہتے ہیں۔ اور نیک طبیعت اور فاضل شخص ہیں۔ خیال تھا کہ ایرپورٹ پر ہی مل جائیں گے۔ احتیاطاً ان کا ٹیلی فون نمبر بھی حاصل کر لیا تھا۔ ایرپورٹ پر وہ نظر نہیں آئے۔

خیال ہوا کہ پہونچنے میں شاید دیر ہو گئی، ذرا انتظار بھی کیا لیکن پھر بھی کوئی واقف شخص نظر نہیں آیا تب ایرپورٹ کے پبلک کال بوتھ سے ان کے مکان پر ٹیلی فون کیا تو ان کی اہلیہ سے بات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میرے بھائی محمد فاروق لینے کے لئے گئے ہیں کیا آپ لوگوں کو نہیں ملے، ڈاکٹر عاصم حسین صاحب کے متعلق انہوں نے بتایا کہ انکو ہاسپٹل جانا ضروری تھا اس لئے ان کو ایرپورٹ بھیجا ہے۔ خیر کچھ اطمینان ہوا ورنہ تشویش تھی کہ ایک ایسے بڑے شہر میں اگر کوئی ٹھکانہ نہ ملے تو خاصی پریشانی ہو سکتی ہے، اس خیال سے کہ شاید وہ کہیں تلاش نہ کر رہے ہوں ادھر ادھر دیکھنے کے لئے ہم نکلے۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ وہ آئے تھے اب ہم کو تلاش کرنے گئے ہیں۔ انہوں نے ایرپورٹ کے لاؤڈ اسپیکر سے ہمارے نام کا اعلان بھی کرایا اور اس سے قبل بھی جب انکو ایرپورٹ پہونچنے میں دیر لگی تو ٹیلی فون سے انہوں نے ایرپورٹ سے کہا تھا کہ ندوی صاحب کے نام کے ساتھ وہ اعلان کر دے کہ ان کو لینے کے لئے ایک صاحب آرہے ہیں، مطمئن رہیں، انتظار کریں، اعلان کو ہم لوگ ٹھیک سے سُن نہ سکے تھے ذرا شبہ سا ہوا تھا۔ بہرحال واپسی پر وہ مل گئے۔ انہوں نے اپنی تاخیر کی وجہ ٹرافک کی بعض رکاوٹیں بتائیں، وہ مکان لائے۔ یہ مکان پلائی موتھ (PLYMOTH) محلے میں ہے جس کے نام پر موٹر کا ایک مستقل کارخانہ ہے۔

عصر کے وقت ڈاکٹر عاصم صاحب آگئے۔ عزیزوں کی طرح محبت و تعلق سے پیش آئے۔ ان کی اہلیہ نے بھی عزیزوں جیسا خیال کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ دورے سے بہت تھکے ہوں گے۔ اب یہاں آرام کریئے۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ چند دن سکون کے ساتھ رہیئے۔ بہرحال یہاں دو روز کا پروگرام ہے اور اب سنیچر

کو شیکاگو جانا ہے آج کا دن آرام میں گذرا۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گفتگو رہی۔ ان کے بعض دوست بھی آگئے۔ ان میں ایک صاحب حیدرآباد کے ہیں، یہاں ڈاکٹر ہیں، خاص طور پر ملے اور سنیچر کے روز صبح ناشتہ کی دعوت طے کر گئے۔

امریکہ میں ہندوستان کی خبریں

آج ۱۶ جون ہو چکی ہے۔ ہندوستان میں صوبائی الکشنوں کے نتائج شائع ہو چکے ہوں گے، فکر تھی کہ معلوم ہو کہ کم از کم یوپی میں کیا ہوا اور دوسرے صوبوں کا کیا حال رہا لیکن امریکہ میں ہندوستان ایسا ناقابل ذکر ملک ہے کہ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ اتنے بڑے ملک میں جو آبادی کے لحاظ سے امریکہ سے ڈھائی گنا ہے، کیا ہو رہا ہے اور کیا حال ہے۔ یورپ اور امریکہ دونوں اپنی جتنی فکر رکھتے ہیں، اسکی چوتھائی بھی دنیا کے دوسرے خطوں کی ان کو فکر نہیں ہوتی، ہاں برطانیہ کا بی بی سی اور اس کی ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ اور امریکہ کا وہائٹ ہاؤس اور سی آئی اے جو کچھ بھی واقفیت اور دلچسپی رکھتا ہو وہ الگ ہے۔ اسکے واقف ہونے سے پتہ نہیں فائدہ کتنا ہے اور نقصان کتنا۔ یہاں کے عوام کو تقریباً اپنے ملک کے متعلق ہی معلومات ملتی ہیں اور وہ بھی . . . . لوٹ مار، اغوا اور قتل کی خبریں یا عوام کے مصائب یا مسرتوں کی باتیں، یہی سب کچھ یہاں کے اخبارات میں ہوتا ہے۔ ہوتا تو ہے ایک ایک روزنامہ ۶۰، ۴۰ صفحات کا لیکن کسی میں امریکہ سے باہر کی دنیا کے لئے ایک کالم اور کسی میں دو تین کالم ہوتے ہیں باقی سب اپنی ہی باتیں سینا کی، عدالتوں کی، دولتمندوں کی، ایکٹرسوں کی، حادثات کی،

بیماریوں کے خطرات کی، غذاؤں اور اشیار استعمال کے اشتہارات اور زندگی کے لطف وفائدہ کے لئے سائنس کی نئی نئی ایجادات کی، بہت بڑا حصہ تو اشتہارات کے حوالہ ہوجاتا ہے۔ اس کو اگر حذف کر دیا جائے تو بقیہ موضوعات کے لئے اخبار نصف سے بھی کم رہ جائے گا۔

امریکی روزنامہ کی ضخامت اور اجزاء

مثال کے طور پر روزنامہ واشنگٹن پوسٹ کے ایک مکمل شمارہ کا میں نے جائزہ لیا تو حسب ذیل تفصیل تھی جو دلچسپی کے لئے ہدیۂ ناظرین ہے:۔

A	سکشن	۲۴ صفحے	جنرل (عمومی مشتملات اخبار کا یہ حصہ مشترک فائدہ کا ہوتا ہے)
B	"	۸ "	آوٹ لوک
C	"	۴۸ "	مٹرو، لوکل نیوز اوبٹریز
D	"	۱۶ "	اسپورٹس
K	"	۱۴ "	اسٹائل، آرٹس وغیرہ
F	"	۱۶ "	اسٹائل، فیشن گارڈن
G	"	۱۲ "	موونگ ان اسٹائل ڈیزائن ٹریویل
H	"	۲۲ "	ایمپلائمنٹ، کلاسی فائڈ ایڈورٹائزمنٹ
E	"	۸ "	میوزک ورلڈ
L	"	۱۲	بزنس

(میزان) ۱۸۰ صفحات

۱۳ مزید ضمیمے، ۸ سے ۱۲ صفحات فی کس کے اعتبار سے یعنی سوا سو ڈیڑھ سو صفحات کے درمیان۔ دونوں کا مجموعہ تین سو صفحہ سے زیادہ ہوجاتا ہے۔ یہ اخبار اتوار کے دن کا تھا۔ سنیچر کے روز کا اس سے کم اور روزانہ کا صرف ۶۰۔۷۰ صفحات کے درمیان ہوتا ہے جس میں ضمیمے نہیں ہوتے۔

یہ مذکورہ بالا تفصیل صرف واشنگٹن پوسٹ ہی کی نہیں بلکہ ہر روزنامے میں اسی سے ملتی جلتی تفصیل ملے گی اور نیویارک ٹائمز تو اتوار کو ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔

بہرحال ہندوستان کے اس الکشن کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔ یہاں موجود پڑھے لکھے ہندوستانی بھی کچھ بتانے سے عاجز رہے۔

ڈیربن کی مسجد و مرکز

جمعہ ۱۷ جون

آج جمعہ کی نماز یہاں کے عربوں کے سنٹر امریکین مسلم سوسائٹی ڈیربن کی مسجد میں پڑھنی ہے۔ وہاں مولانا مدظلہ کی تقریر ہے، اصل مخاطب عرب ہوں گے۔ باقی لوگوں کے لئے انگریزی میں ترجمہ ہوگا چنانچہ نماز سے قبل جانا ہوا۔ سنٹر کے دفتر میں مسجد کے امام اور جامعہ اسلامیہ کے بھیجے ہوئے عالم شیخ عبد الغفور برکانی سے ملاقات ہوئی۔ جامعہ کے طالب علم رہ چکے ہیں۔ نوجوان یمنی عرب ہیں، ان کی طالب علمی کے زمانہ میں ہم لوگوں کا جامعہ جانا ہوا تھا لہذا انہوں نے پہچانا اور تعلق و خاطر سے پیش آئے۔ انہوں نے یہاں کی تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ مسجد رقص و تفریح کا مرکز بنی ہوئی تھی، یہ لوگ جو مسجد پر قابض تھے یہاں ناچنے گاتے تھے، بڑی مشکل سے یہ مسجد آزاد کرائی گئی

اور اس کا نیا انتظام شروع کیا گیا اب ماشاء اللہ صحیح طریقہ سے استعمال ہو رہی ہے۔ یہ امریکہ کی وسیع و بڑی مسجد ہے جو مسجد ہی کی شکل و نظام کی ہے ورنہ اکثر مساجد، عمومی ہال اور کمرے ہیں جو مسجد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہاں کے سفر میں کتابوں کی کمی کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ رابطہ اور جامعہ اسلامیہ سے کچھ کتابیں حاصل ہوئی ہیں اور مزید کی بھی امید ہے۔ ہم لوگوں نے اپنے لائق جو تعاون کرنا ممکن ہے کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ یمنی نوجوان اچھے جذبہ کے اور نیک آدمی ہیں۔ یہ یہاں امام اور استاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انجمن کے صدر ایک عرب ہیں جو یہاں کارخانہ میں اچھے عہدہ پر ہیں۔ یہاں کی تقریباً سب آبادی موٹر کمپنی کے ملازمین کی ہے۔ انکی شفٹیں ہوتی ہیں ان میں سے جو نمازی ہیں وہ شفٹ سے خالی اوقات میں مسجد آتے ہیں اور یہاں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دفتر میں انجمن کے صدر سے بھی ملاقات رہی یہ اچھے اور اسلامی جذبہ کے آدمی ہیں اور فلسطینی ہیں۔ ان کا نام فوزی مرعی ہے۔ آج دوپہر کا کھانا بھی نماز کے بعد انہی کے یہاں ہے۔ جمعہ کی نماز مولانا مدظلہٗ نے پڑھائی اور خطبہ دیا۔

کارخانوں یا کاروبار کی مصروفیت کی بناء پر جمع بین الصلاتین

نماز جمعہ کے بعد ایک خاصی تعداد نے دوبارہ جماعت کی نیت باندھلی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ کارخانوں میں حاضری کی دشواری کے سبب ایسا ہی کرتے ہیں معلوم ہوا کہ متعدد عرب علماء نے کام پر جانے والوں کے لئے یہ صورت اختیار کرنے کی اجازت دے رکھی ہے لوگ اس سے فائدہ

اٹھاتے ہیں اور معمولی حیلوں سے جمع بین الصلاتین کر لیتے ہیں۔ اس کی اجازت دینے والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس طرح ترک صلاۃ سے تو یہ لوگ محفوظ ہو جائیں گے۔ ورنہ یہ نماز ہی نہ پڑھتے۔ یہاں کے امام صاحب بھی اسی رائے کے ہیں۔ مولانا مدظلہ نے اختلاف رائے کیا اور کہا کہ شریعت میں نماز کا جو نظام مقرر ہے اس میں اس آسانی سے تبدیلی کر دینا یہ خطرناک بات ہو سکتی ہے۔ اس مقررہ نظام کو صحیح شکل میں قائم رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرنا چاہیئے۔ امریکہ میں یہ بات کہیں کہیں اس سے بھی بڑھ چکی ہے معلوم ہوا کہ بعض جگہوں پر لوگوں نے یہ وسعت کر رکھی ہے کہ جمعہ کی نماز اتوار کے روز ادا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا کریں چھٹی اس روز ہوتی ہے۔ ایسا نہ کریں تو جمعہ بالکل ہی چھوٹ جائے گا۔ بہر حال سہولت پسندی اور رخصت کی تلاش آدمی کو بہت دور تک پہونچا دیتی ہے۔

عربوں سے ملاقاتیں اور صدر انجمن کے یہاں کھانا

نماز کے بعد انجمن کے ہال میں ایک نشست ہوئی، اس میں حاضرین نے کچھ سوالات کئے جن کے جواب مولانا مدظلہٗ نے دیے۔ اس کے بعد صدر انجمن کے یہاں کھانے کے لئے جانا ہوا۔ کھانا عربی طرز کا تھا جس میں اہم جزء عربی پلاؤ تھا۔ وہاں مدعو حضرات تقریباً اکثر عرب تھے ان سے گفتگو رہی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم کسی عرب ملک میں ہیں۔ عربی زبان اور عربی طریقہ کا ماحول۔ اگرچہ یہاں سب پر چھاپ مغربی تمدن کی تھی لیکن یہ چھاپ اب تمام عرب ممالک میں عام ہو چکی ہے۔ یہ محلہ بھی عرب شہروں کے محلوں کے کچھ نہ کچھ اثرات رکھتا ہے، اور یہ کیوں نہ ہو اصل

اثر تو ساکنوں کا پڑتا ہے ورنہ مسکن خود کوئی اپنا رنگ نہیں رکھتا۔

قریبی قصبہ آن آربر میں انٹرنیشنل مسلم ہاؤس

عصر سے قبل قیام گاہ واپسی ہوگئی کیونکہ عصر پڑھ کر شہر کے باہر آن آربر (ANN ARBOR) مقام پر ڈیٹرائٹ یونیورسٹی جانا ہے۔ یہاں انٹرنیشنل مسلم ہاؤس میں مولانا مدظلہٗ کی تقریر ہے۔ یہ انٹرنیشنل مسلم ہاؤس مسلم طلبا ر کی انجمن نے قائم کیا ہے اور اس میں ایم۔ ایس۔ اے ان کی مدد کرتا ہے۔ اس کا مقصد اس بے خدا اور بے اسلام ماحول میں مسلمانوں کا اپنا ماحول بنانے کی کوشش ہے اور یہ بلاشبہ اچھا مقصد ہے۔ یہ وہی کام ہے جس کے لئے مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ بہت زور دیا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ نہ تعلیم اپنا اثر ڈالتی ہے اور نہ وعظ و نصیحت جتنا کہ اسلامی ماحول قائم کرنے کا بندوبست۔ وہ کہتے تھے کہ جگہ جگہ اسلامی ہوسٹل قائم کئے جائیں، مسلم طلباء اپنی رہائشی دشواریوں کے باعث وہاں رہنے کو پسند کریں گے ان کے لئے موثر اسلامی ماحول کا بندوبست کیا جائے اور ایسے حکیمانہ پروگرام رکھے جائیں جو ان طلباء پر بار نہ ہوں اور غیر شعوری طور پر ان کی تربیت ہو۔ یہ نوجوانوں کو اسلام اور دین کا وفادار بنانے کا سب سے موثر طریقہ ہے۔ معلوم نہیں اس ہوسٹل میں اس بات پر کس قدر عمل اور کس حد تک مقصد میں کامیابی ہو رہی ہے، بہرحال ہے یہ مفید اور اچھی چیز ہے

امریکی دیہات

ہوسٹل جاتے ہوئے ہم نے ڈاکٹر عاصم صاحب سے کہا کہ ذرا ایسے راستے سے

لے چلئے کہ امریکن دیہات کا مشاہدہ ہو سکے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ یہاں دیہات کیسے ہوتے ہیں چنانچہ انہوں نے ایسا راستہ اختیار کیا جو دیہات سے گذرتا تھا اور انہوں نے دیہاتی مکانات دکھائے۔ یہ کوئی جھونپڑے نہ تھے باقاعدہ بنگلے تھے جن کے پاس کھیتی باڑی کے لئے ٹریکٹر، آمد و رفت کی سہولتوں کے لئے موٹر اور دیگر اعلیٰ وسائل نظر آئے معلوم ہوا کہ یہاں دیہاتی بہت مالدار ہوتا ہے۔ وہ ایک طرح سے بڑے زمیندار اور تعلقہ دار سے کم نہیں، حد نظر تک پھیلے ہوئے کھیتوں میں مشینی وسائل سے کاشت کرتا ہے اور بے حد و بے حساب پیداوار حاصل کرتا ہے، حکومت سب خرید لیتی ہے، یہاں کی زمین خوب اگاتی ہے اور سال میں کئی کئی فصلیں ہوتی ہیں۔ حکومت وقت پیداوار کی مقدار پر نظر بھی رکھتی ہے اگر اس کے نزدیک کوئی غلّہ ضرورت کے مطابق موجود ہے تو اس کی مزید پیداوار سے منع کرتی ہے اور اس کے پیدا نہ کرنے کی صورت میں کھیت والے کو جو نقصان ہو سکتا ہے وہ اسٹیٹ کے خزانہ سے اس کو ادا کرتی ہے، اس لئے کھیت والے فائدہ ہی میں رہتے ہیں۔

یہ تذکرہ دراصل ان دیہاتوں کا ہے جو کاشت اور زراعت پر ہی زیادہ تر مشتمل ہیں۔ رہے ایسے دیہات جن کو ہمارے یہاں ہندوستان میں گاؤں سے تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ تو امریکہ میں تقریباً مفقود ہو چکے ہیں وہ سب اب ترقی کر کے چھوٹے چھوٹے سلیقہ مندانہ شہروں میں تبدیل ہو چکے ہیں اور ایسے چھوٹے شہروں کو ٹاؤن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں بھی بازار ہوتے ہیں، سڑکیں اور سلیقہ کی عمارتیں ہوتی ہیں، جن کا طرز ایسے بنگلوں کا ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے علیحدہ ساری آبادی میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں عموماً وسطی محلہ ذرا ترقی یافتہ اور پُررونق

ہوتا ہے۔ ان بستیوں میں بکثرت قریب کے بڑے شہروں میں کام کرنے والے افراد رہتے ہیں جو موٹر کے ذریعہ روز کام پر شہروں میں آتے جاتے ہیں۔

امریکہ اور یورپ کی دیہاتی زندگی میں غریبوں کے بجائے اب امیروں کا عمل دخل بڑھتا جا رہا ہے۔ ملک کے کم آمدنی والے لوگ شہروں میں آسانی محسوس کرتے ہیں ان کی آبادی وہاں بڑھتی ہے۔ اور دولت مند لوگوں نے دیہات کی پرسکون زندگی کی طلب میں اپنے مکانات دیہات میں بھی بنائے ہیں تاکہ شہر کے ہنگاموں سے بچ کر تعطیلات کا وقت یہاں گذاریں۔ اس لئے دیہات میں امراء آتے جا رہے ہیں۔ یہ بات ہمارے ہندوستان کے طرز کے متضاد ہے۔ ہمارے یہاں دیہات صرف غریبوں کا مسکن ہوتے ہیں جن میں چھوٹے کاشت کار یا مفلوک الحال لوگ رہتے ہیں۔

جیمی کارٹر مونگ پھلی کے کاشتکار

خود صدر امریکہ جیمی کارٹر بھی کاشت کے کام سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے کھیتوں میں مونگ پھلی کی زبردست کاشت ہوتی ہے۔ جب وہ صدر ہوئے تو لوگوں نے ان کا نام پی نٹ (مونگ پھلی) رکھ دیا۔ مونگ پھلی یوں بھی امریکہ میں بہت مقبول ہے۔ لوگ بھنی ہوئی مونگ پھلی رغبت سے کھاتے ہیں اور ہوائی جہازوں پر بھی بادام کی طرح اسکا پیکٹ پیش کیا جاتا ہے لیکن وہ ہمارے ملک کی طرح نہیں بکتی بلکہ بند کئے ہوئے ستھرے لفافوں یا پیکٹوں میں بھر کر بکتی ہے۔

مسلم ہاؤس ہال میں تقریر

مغرب کی نماز کے بعد مولانا مدظلہ نے تقریر کی۔ خاصا مجمع تھا جس میں ظاہر ہے

کہ عرب اور ہند و پاک کے لوگوں کی اکثریت تھی۔ جلسہ کے بعد یہاں مشترک کھانے کا بھی نظم تھا۔ سب نے کھایا ہم لوگوں نے احتیاط کی اس لئے کہ ابھی مطلق خواہش نہ تھی اور گھر کا پکا ہوا کھانا قابل ترجیح معلوم ہوا۔ ڈاکٹر عاصم صاحب کے مکان پر واپسی ہوئی اور کھانا کھایا۔

شیکاگو کا سفر ۲ منٹ کم مدت میں

شنبہ ۱۸ر جون

صبح سویرے حیدر آبادی ڈاکٹر صاحب کے یہاں چائے . . . سے فارغ ہو کر ایر پورٹ آئے اور شیکاگو کے لئے روانگی ہوئی۔ ایک گھنٹہ کی پرواز تھی لیکن ہمارا وقت اس میں کچھ نہیں کٹا بلکہ دو منٹ کی کفایت رہی۔ ہمارا جہاز ۹ بجکر ۵ منٹ پر چلا اور ۹ بجکر ۳ منٹ پر شیکاگو پہونچ گیا۔ وقت کا یہ الٹا حساب اصل دونوں علاقوں کے وقتوں کے فرق اور وقت کے لحاظ سے ان کی علاقائی تقسیم کی بنیاد رہا۔ میشیگن الٹی نوائے سے ایک گھنٹہ آگے ہے۔ جہاز ۵۸ منٹ میں پہونچا اور کفایت ایک گھنٹے کی ہوئی اس لئے ہم کو اپنے وقت کے اکاؤنٹ سے گویا کچھ خرچ نہ کرنا پڑا بلکہ دو منٹ مزید حاصل ہوئے۔

پرواز کی تیز رفتاری نماز کی ادائیگی کے سلسلہ میں فتوی کی طالب

ہوائی پرواز اب اس طرح کے مسائل پیدا کرنے لگی ہے اسی لئے لوگ پوچھتے ہیں کہ جو پروازیں دوسری جگہوں پر وقت سے پہلے پہنچا دیں ان سے سفر کرنے والوں

کو نمازوں کے سلسلہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ خاص طور پر یہ مسئلہ برطانیہ، فرانس کے بنائے
ہوئے تیز رو جہاز کانکرڈ (CONCORD) پر پیش آنے لگا ہے جس کی رفتار
سے آدمی مشرق سے مغرب وقت سے پہلے پہونچ جاتا ہے۔

کانکرڈ جہاز اور امریکہ

کانکرڈ باقاعدہ متعدد ہوائی راستوں پر گامزن ہے۔ لندن سے بحرین اسٹاپ
کرتے ہوئے مشرق اقصیٰ جاتا اور آتا ہے اور ادھر لندن سے واشنگٹن جاتا ہے۔ اس کا
کرایہ عام جہازوں کے کرایہ سے دوگنا ہے اور رفتار ڈھائی گنا زیادہ ہے۔ امریکہ
میں چونکہ پرائیوٹ کمپنیاں ہیں، ان کو اس کی پروازوں سے مسافروں کی کمی کا خطرہ
ہوا۔ خاص طور پر نیویارک کے لئے جہاں دولت مند اور سفر کے ضرورت مند
کاروباری بہت ہیں۔ وہ اپنے یورپ کے سفروں کے لئے اسی کو ترجیح دینا چاہتے
ہیں۔ چنانچہ نیویارک انتظامیہ نے اس جہاز کو نیویارک اترنے یا یہاں سے اڑنے
کی اجازت نہیں دی اور بہانہ یہ کیا کہ اس کی آواز سے عمارتوں کی کھڑکیوں اور
لوگوں کی صحتوں کو نقصان پہونچے گا اور اپنے اس اعتراض پر وہ ایسے اڑے کہ
اب تک اس جہاز کو نیویارک کی اجازت حاصل نہیں ہو سکی ہے اس کو واشنگٹن
پر اکتفا کرنا پڑتا ہے وہاں کے مسافر زیادہ نہیں ہوتے اور نیویارک کے لوگوں
کو واشنگٹن جاکر یہ جہاز پکڑنے میں وقت کی کفایت نہیں ہوتی۔ نیویارک انتظامیہ
کی یہ بات اس زبردستی اور تعصب کی ایک مثال ہے جو یہودی اور امریکی سرمایہ دار
بہت سے معاملات میں غیروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔

شیکاگو میں دوسری بار

شیکاگو دوسری بار پہونچنا ہوا۔ ایر پورٹ پر متعدد اہل تعلق اور دوست
آگئے تھے۔ ان میں قابل ذکر ڈاکٹر عبدالسلام انصاری صاحب، سید عظمت اللہ قادری
صاحب، سید ناظر الدین علی صاحب نائب صدر ایم۔ ایس۔ اے، نشاط احمد صاحب،
قاضی افضل بیابانی صاحب، فصیح صدیقی صاحب، عزیز الحق صاحب امیر جماعت
تبلیغ اور بعض دیگر حضرات تھے۔ قیام پہلے سے سید عظمت اللہ قادری صاحب کے
یہاں طے تھا اس لئے ان کے مکان کی طرف روانگی ہوئی۔ وہ ڈاکٹر عبدالسلام
انصاری اور ناظر الدین علی صاحب ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں۔ یہ محلہ شہر سے الگ
تھلگ اور سنجیدہ علاقہ میں ہے۔ یہاں آہستہ آہستہ مسلمانوں کے کئی خاندان قریب
قریب بس گئے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو شیکاگو میں یہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی
کالونی ہو جائے گی۔ یہاں برصغیر کے لوگوں میں سے آباد ہونے والے زیادہ تر
حیدرآبادی ہیں اور انجینئرنگ لائن میں مختلف محکموں میں ملازم ہیں۔

امریکہ میں ملازمت اور امیگریشن ضابطہ

امریکہ میں باہر کے آدمی کے لئے اپنے غیر امریکی ڈپلوما و سارٹی فیکٹ کو ایک
ٹسٹ دیکر ملازمت کے لئے تسلیم کرانا ہوتا ہے۔ پھر اس کو ملازمت کا حق ہو جاتا ہے
امریکہ میں غیر امریکی لوگوں کو کام کرنے اور رہنے کے لئے امیگریشن (IMMIGRATION)
کی اجازت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ امیگریشن ملنے پر آدمی امریکی شہری تو نہیں ہو جاتا

لیکن امریکی شہری جیسی سہولتیں اس کو ملنے لگتی ہیں۔ سنہ ۱۹۶۵ء سے قبل یہاں صرف یوروپین باشندوں کو یہ سہولت تھی۔ غیر سفید اقوام کے لئے یہ سہولت بہت ہی دشواری سے ملتی تھی۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں جانسن کے زمانہ میں امریکی پارلیمنٹ نے غیر سفید اقوام کو بھی یہ سہولت دینا قبول کی۔ اس وقت سے یہاں ایشیا اور افریقہ کے لوگوں کی آمد بڑھی اور اب تو ان کی تعداد خاصی ہوگئی ہے حتیٰ کہ پارلیمنٹ کے موجودہ اجلاس میں باہر کی اس آمد کی روک تھام کے لئے بل آرہا ہے۔ اس میں اس بات کا ضابطہ ہوگا کہ کن سخت شرائط کے بعد کوئی امیگریشن حاصل کرسکتا ہے۔ شہریت حاصل کرنے کا مسئلہ تو اس کے بعد کا ہے۔ امیگریشن جن لوگوں کو مل جاتا تھا وہ کچھ شرطوں اور کچھ مدت کی پابندی پر شہریت آسانی سے حاصل کرلیا کرتے تھے اب اس میں بھی غالباً رکاوٹیں پیدا کردی جائیں گی۔ امریکن پارلیمنٹ میں جب کسی بل کو پیش کیا جاتا ہے تو اس کی ایک ریڈنگ کے بعد ارکان کے مطالعہ کے لئے کئی ماہ اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے وہ پارلیمنٹ کے ارکان نیز ملک کی عام اہل الرائے میں زیر بحث رہتا ہے پھر دوبارہ ریڈنگ کے لئے پیش ہوتا ہے تاکہ اس پر غور و بحث مناسب طریقہ سے ہوجائے اور عجلت میں کوئی بل پاس نہ ہوجائے۔ چنانچہ اس بل کو بھی تقریباً سال بھر لگ جائے گا لیکن اس کے پہلی بار پیش ہونے پر اس کا اندازہ مل گیا ہے اور تقریبی نتیجہ بھی معلوم ہوگیا ہے۔

شیکاگو کی تمدنی و اخلاقی حالت

شیکاگو شہر امریکہ کا دوسرے نمبر کا متمدن اور بڑا شہر ہے۔ یہ بعض خصوصیات

میں نیویارک سے بھی ممتاز ہے۔ یہاں سلیقہ اور نظم نیویارک سے بہتر ہے۔ نیویارک شہر آبادی کاروبار اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے قابو سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ شیکاگو بھی امریکی تمدن و تہذیب کے بنے بنائے ایک جیسے راستہ پر ہے۔ شیکاگو جرائم پیشہ لوگوں کی بھی آماجگاہ ہے اور کچھ عرصہ قبل تو اس خصوصیت میں زیادہ شہرت رکھتا تھا۔ لیکن اب نیویارک بھی اس معاملہ میں اس سے کم نہیں ہے، بلکہ غالباً اس کا درجہ شیکاگو سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ دونوں شہر ہی کیا اس وقت تو پورا امریکی تمدن مجرمانہ کاموں میں اسی طرح امتیاز رکھتا ہے جیسا کہ اپنی سائنسی ایجادات و ترقیات میں۔ اگر قانون، عدالت اور پولیس کا ڈنڈا ہمہ وقت سر پر نہ رہے تو یہاں جرائم کی وہ گرم بازاری ہو کہ لوگ گھبرا کر امریکہ سے بھاگ نکلیں۔ چوری کوئی عیب نہیں بشرطیکہ چور پولیس کی زد میں نہ آئے اسی طرح آبروریزی اور ڈکیتی یہاں کوئی اہم واقعہ نہیں۔ لیکن عدالت اور پولیس کی کارکردگی امریکہ میں قابل اطمینان اور موثر ہے اس میں بہت کم جھول ہے۔ اس وقت امریکی تمدن کے جرائم کے دباؤ سے تباہ ہونے میں یہی دو طاقتیں مانع ہیں مجرم انہی کے ساتھ بے بس ہوجاتے ہیں۔

عدالت کی چستی اور اس کا غلط استعمال

عدالت کی چستی اور افادیت سے لوگ غلط فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ کسی کو کسی سے کوئی ضرر پہنچ جائے تو وہ فوراً عدالت کے ذریعہ تاوان وصول کرلیتا ہے۔ تاوان کی مقدار اس کی وکالت پر منحصر ہے کہ وہ اپنے نقصان کو کتنا بڑا ثابت کرسکتا ہے، کسی کی موٹر دوسرے کی موٹر سے ٹکرا جائے یا اس سے کسی آدمی کو

چوٹ یا دھکا لگ جائے، بس اس دھکا لگا دینے والے پر آفت آ ئی۔ دھکا کھانے والا یہ بھی دعویٰ کر سکتا ہے کہ میرے دماغ میں اندرونی چوٹ آئی جس سے مجھ کو فلاں نقصان ہوا اور جس کی تلافی کے لئے اتنی رقم کی ضرورت پڑے گی۔ یا یہ کہ دھکے کا اثر میرے دل پر پڑا اس کی تلافی رقم کی فلاں مقدار سے ہو سکے گی۔ چنانچہ موٹر چلانے والے احتیاط کرتے اور خائف رہتے ہیں کہ ان کی موٹر سے کسی کو دھکا نہ لگ جائے یا چوٹ نہ آجائے۔ عدالت ایسے موقعوں پر اپنی سمجھ کے مطابق جرمانہ کی مقدار طے کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق وقتاً فوقتاً عالمی اخباروں میں شائع ہونے والی ان خبروں سے تمام دنیا کو ہوتی رہتی ہے کہ فلاں کو اس کے نقصان پر عدالت نے اتنے ہزار یا اتنے لاکھ کی رقم دلائی اور یہ بات صرف امریکہ میں ہی نہیں ہے بلکہ یورپ میں اچھی خاصی پائی جاتی ہے۔

معمولی جسمانی ضرر کا بھی زبردست نقصان

ابھی حال میں لندن کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ ایک عورت کے ہونٹ ایک حادثہ میں کٹ جانے کی وجہ سے اس کو پلاسٹک سرجری کرانا پڑی۔ ہونٹ کے اپنی حس سے محروم ہو جانے کی تلافی میں عدالت نے اس کو تقریباً دس ہزار پونڈ کا معاوضہ مدعی علیہ سے دلوایا۔ اسی طرح ایک لڑکی کے کمر میں ایک حادثہ کے نتیجہ میں گھاؤ کا نشان پڑ جانے کی وجہ سے اس کے اپنے حصۂ جسم کی پردہ پوشی پر مجبور ہو جانے کے تلافی کے طور پر کئی سو پونڈ کا معاوضہ دلایا۔ اور یہ لینے اور دینے کا معاملہ صرف عدالت اور قانون کے اثر سے ہے ورنہ کوئی خوش دلی سے کسی کی رعایت کا قائل

نہیں۔ خواہش کے مطابق نہ ہو تو کوئی کتنا ہی ضرورت مند ہو، دوسرا اس کو نظرانداز کرتا ہوا گذر جائے گا کہ کون جھگڑے میں پڑے۔ اس سب کو پولیس کی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔

حکومت و پولیس کی چستی و ہمدردی

اس خودغرضانہ صورت حال کی وجہ سے حکومت کی طرف سے بڑے انتظامات ہیں اور جتنی اور جس کسی کو کسی بیچارگی کی حالت پیش آتی ہے تو نہیں جاتا فوراً مدد پہنچتی ہے اس کی چستی اور مستعدی دیکھ کر مشرقی ملک کے باشندے کو رشک آنے لگتا ہے کہ اس کے ملک میں باوجود لوگوں کی آپس کی ہمدردی اور تعاون کے جذبہ کے شہری نظم و نسق کی طرف سے وہ بے پرواہی اور بے خیالی کا برتاؤ ہوتا ہے کہ جیسے یہ باشندے انسان نہیں جانور ہیں۔ سڑکوں کی صفائی ہو یا گندگیوں کا علاج، مصیبت زدوں کی مدد ہو یا بے روزگاروں کی فکر، جرائم کی روک تھام کے مناسب انتظامات ہوں یا وسائل زندگی کا مناسب بندوبست، مشرق و مغرب کا مقابلہ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ مغربی ذمہ داران بہت تیز اور ذمہ داری کا احساس رکھنے والے اور مشرقی ذمہ داران بالکل لاپرواہ اور عموماً نااہل۔ اسی طرح قوم کی ذہنی تربیت کا معاملہ بھی دونوں جگہ بہت عجیب ہے۔

پبلک کی فکر کرنے میں مشرق و مغرب کا تضاد

مغرب میں تمام ذرائع تربیت و رہنمائی، دلکش شہری زندگی کا شعور پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں جب کہ مشرق میں ذرائع تربیت و رہنمائی اس فرض سے بالکل

لاپرواہ اس کے بعد اگر مذہبی قدروں کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ جائے تو پھر یہ شہری کیا بنیں گے، گھٹیا درجہ کے انسان یا جانور، مشرق و مغرب کے اس فرق کے باوجود اگر مغرب مذہبی قدروں کو اپنا لیتا تو تمدن اور شہری زندگی کی درستگی و خوبی کا وہ ماحول دنیا کو دیکھنے کو ملتا کہ انسانیت حیران رہ جاتی لیکن مذہبی قدریں ہوں تو کم از کم انسان کے تجربہ و عقل سے حاصل شدہ قدروں پر تو عمل ہو، اس لیے کہ اس سے کم از کم دلکشی اور ظاہری خوبی تو حاصل ہو جاتی ہے، نہ کہ اندرونی خوشی اور اطمینان، مشرق تو ظاہری خوبی سے بھی محروم ہوتا جا رہا ہے۔ اندرونی خوشی و اطمینان کی بات تو مذہبی قدروں پر عمل کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

مغربی تمدّن میں انسان صرف ایک مشین یا محض ایک تاجر

مغربی تمدن کا علمی اور نفسیاتی جائزہ لینے والے سب اس پر متفق ہیں کہ اس میں انسان کی حیثیت مشین کی بن گئی ہے کہ ایک مشین کے دل میں دوسری مشین کے لئے نہ اخلاص ہوتا ہے نہ محبت اور نہ اس کے کسی حصہ جسم میں لطیف انسانی احساسات کا کوئی گوشہ ہوتا ہے اور نہ گنجائش۔ یہاں ساری مغربی دنیا کا معاشرہ ایک تجارتی کمپنی کے اصولوں پر عامل ہے جس میں ایک حصہ دار دوسرے حصہ دار سے اپنے اور اس کے حصہ کے باہمی تعلق کی بنا پر تعلق رکھتا ہے۔ یہ مشترکہ مادی منفعت جس وقت بھی ختم ہو جائے دونوں مطلقاً بے تعلق ہو جاتے ہیں۔ طلاق کے اسباب کا جائزہ لینے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

ماں باپ اور اولاد کے مابین تعلق کا کاروباری رنگ

یہاں والدین اولاد کے صرف جوان ہونے تک اپنے کو ان کی پرورش کا ایک

حد تک ذمہ دار سمجھتے ہیں اور درمیان درمیان میں ان بچوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا کرتے رہتے ہیں کہ آدمی کو خود اپنی کمائی سے اپنے مصارف پورے کرنا چاہیئے ان کی تعطیلات میں ان کو وقتی طور پر ملازمت کر لینے یا کوئی آمدنی والا کام کرنے کا شوق دلاتے ہیں اور جیسے ہی ان کی عمر کمانے کی ہو جاتی ہے ان کو خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ اولاد بھی بڑی ہو کر اس رویہ کا جواب اپنے خود غرضانہ رویہ سے دیتی ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی سے فائدہ اٹھائے، نہ کما سکتا ہو تو حکومت اس کی ذمہ داری لے یا پھر اس کی قسمت ہے، بھگتے۔ کوئی ایک دوسرے کا کیسے ذمہ دار ہو سکتا ہے جب کہ ہر شخص کی کمائی اس کی ضرورت اور مصارف کے مطابق ہے اسی لئے ریٹائرڈ ہونے کے بعد لوگوں کی حالت عجیب ہوتی ہے۔ مصارف کا تو مسئلہ نہیں ہوتا، کیونکہ حکومت ان کو بڑھاپے کا وظیفہ دیتی ہے جو کہ برسرروزگار لوگوں کی آمدنیوں سے تقریباً ۱۸ فیصد کے اعتبار سے وصول کرتی رہتی ہے جس میں اس شخص کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ البتہ اعزہ سے ملاقات، اہل تعلق کی مزاج پرسی اور ہمدردی سے وہ بالکل محروم رہتا ہے۔ اپنا وقت خود ہی گذارنا پڑتا ہے۔

اولاد کی اپنے بوڑھے والدین سے افسوسناک بے تعلقی

بوڑھوں کی دلبستگی کے لئے اگر بیوی کے لئے شوہر اور شوہر کے لئے بیوی نہیں ہے تو کوئی دلبستگی کرنے والا نہیں۔ بہت کسی نے کیا تو اتوار کے روز چند منٹ آ کر مل گیا اور اپنے ساتھ کچھ پھول یا گلدستے اظہار تعلق کے لئے ہدیۃً لیتا آیا۔ ایک بوڑھے باپ کے متعلق لوگوں نے بتایا کہ اپنے بیٹے سے ملنے کے جذبہ نے زور کیا تو وہ ہوائی سفر کر کے اپنے بیٹے کے

شہر میں پہونچا اور اس کے مکان پر آیا۔ بیٹا اخلاق سے ملا لیکن واپسی پر باپ کو ایر پورٹ تک پہونچانے بھی نہیں گیا جبکہ اس کے پاس کار بھی تھی اور باپ کو ایرپورٹ جانے کے لئے اس کی ہمدردی کی ضرورت تھی۔ ایک بیمار ماں کا حال لوگوں نے بتایا کہ وہ علاج کے لئے اسپتال میں داخل تھی، بیٹا اتوار اتوار اس کی عیادت کو جاتا تھا، جب وہ صحت مند ہو کر اسپتال چھوڑنے کے قریب ہوئی تو اس کو مسرت تھی کہ اب مکان واپس جانا ہے، بیٹوں پوتوں کو دیکھنا ہے۔ اس دوران اس کا بیٹا حسب معمول اتوار کے روز آیا اس کو ڈاکٹر سے معلوم ہوا کہ ماں اب اسپتال سے واپس جانے کے لائق صحت کے قریب ہے۔ اس خبر سے اس پر ایسا اثر پڑا کہ چہرے اور زبان سے ظاہر ہو گیا۔ اس کی خبر جب ماں کو ہوئی تو اس پر ایسا ردِ عمل ہوا کہ اس کی بیماری پلٹ گئی۔ اور اس کے صحت مند ہونے کی توقعات پیدا ہو جانے کے باوجود ختم ہو گئیں۔

بوڑھوں کے ہوسٹل

اس صورت حال کا مداوا حکومتیں یہ کرنے لگی ہیں کہ بڑھاپے کی فیس کے اندوختہ سے بوڑھوں کے لئے اقامت خانے مہیا کرتی ہیں جو لوگ اپنی تنہائی کی زندگی سے پریشان ہوں، ان اقامت گاہوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وہاں ان کے ہم عمر اور ہم مذاق ہوتے ہیں۔ اور ان کی انسانی ضروریات کا پورا انتظام ہوتا ہے بوڑھوں کے ان ہوسٹلوں میں سب کچھ ہوتا ہے لیکن اعزہ اور اولاد کا قریبی ربط نہیں ہوتا جو بوڑھے لوگ اعزہ یا اولاد کے تعلق کی حس زیادہ رکھتے ہیں ان میں سے بعض کے بہت

افسوسناک واقعات سننے میں آئے ہیں۔

کالے امریکیوں کی آبادی اور ان سے بے اعتنائی کا ردِ عمل

شیکاگو شہر میں بھی کالے امریکیوں کی آبادی خاصی ہے۔ البتہ پورے امریکہ میں ان کی آبادی ۲-۳ کروڑ کے درمیان ہے۔ اسٹیٹ کے لحاظ سے سب سے زیادہ نیویارک اسٹیٹ میں بسے ہوئے ہیں۔ امریکہ میں جرائم کی کثرت بھی زیادہ تر ان ہی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ خاص طور پر شیکاگو زیادہ بدنام رہا ہے، کالے لوگ ملک میں زیادہ پس ماندہ بھی ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کیونکہ سفید امریکیوں کے مقابلے میں ان کی طرف سے جو عام بے اعتنائی برتی جاتی رہی ہے اور اب بھی ایک حد تک برتی جا رہی ہے، اس کے نتیجہ میں ان کا سفید امریکیوں کے مقابلے میں پس ماندہ اور غریب ہونا تعجب کی بات نہیں۔ بے اخلاق اور خدا فراموش زندگی کے ساتھ اگر غربت اور پس ماندگی بھی اکٹھا ہو جائے تو پھر مجرمانہ زندگی کی گنجائش بہت بڑھ جاتی ہے، چنانچہ شیکاگو اور نیویارک ہی نہیں سارے امریکہ میں سفید فاموں کو کالوں سے بڑی پریشانی ہے۔ ان کالوں کے ذریعہ چھوٹے اور عام جرائم خوب وجود میں آتے ہیں۔ تھوڑی رقم کے حصول کے لئے یا وقتی حظ حاصل کرنے کے لئے قتل اور آبرو ریزی کا چلن ہو گیا ہے۔ امریکہ میں چونکہ پھانسی کی سزا ختم کی جا چکی ہے۔ اس لئے قتل کی خواہش رکھنے والے کو بھی زیادہ خوف نہیں ہوتا۔ اگر معاش کی کسی کو تنگی بھی ہو تو پھر عمر قید کیا بری ہے کہ اس میں کم از کم معاشی تکفل تو رہتا ہے۔

سفید فام امریکیوں کا اقتدار و اثر

سفید فام امریکی بھی کسی سے کم نہیں ہیں لیکن وہ عموماً اقتدار اور دولت والے ہیں اس لئے ان کے جرائم اونچے درجے کے اور تمدنی سہولتوں کے سایے میں ہوتے ہیں۔ امریکہ میں دراصل جو طبقہ اصل وجاہت اور اقتدار کا مالک ہے وہ اینگلوسکسن ہے۔ دولت و حکومت کے کلیدی ذرائع انہی کے پاس ہیں۔

یہودی اور ان کے اثرات

ان کے بعد یہودیوں کا مرتبہ ہے جو اپنی ذہانت، علمی محنت، اور ہوش مندی یا چالاکی سے سیاست و دولت پر قابض اور اثر انداز ہیں۔ بینکنگ کے نظام پر، تعلیم پر اور نشر و اشاعت و ٹیلی ویژن پر ان کا تسلط اور غلبہ ہے اور یہی وہ وسائل ہیں جن پر قبضہ کے بعد ملک پر ان کی گرفت مضبوط ہے۔ ان کا ملی شعور بہت بیدار اور متحرک رہتا ہے۔ دنیا کے کسی حصہ میں ان کے ہم قوم کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آجائے یہاں اس کی زبردست گونج سننے کو ملے گی۔ ان کے ذہینوں کی ذہانتیں، اخباری لوگوں کے اخباری کالم، اہل علم کے اخباری مراسلات اور اہل فکر و سیاست کے ذمہ داروں کی حکومت سے ملاقاتیں فوراً سرگرم ہو جاتی ہیں۔ اور امریکہ کی حکومت اور رائے عامہ وہی رائے قائم کر لیتی ہے جو یہ چاہتے ہیں۔ ان کے اہل دولت بھی اپنے ملی شعور کا حق ادا کرتے ہیں کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ چنانچہ اسرائیل کا ملک ہے تو مشرق وسطیٰ میں لیکن عملاً امریکہ کی ہی ایک ریاست ثابت ہوتا ہے اور یہی وہ بات ہے جسکی وجہ

سے عربوں کو اپنے قضیہ میں امریکہ کی ایسی حمایت نہیں ملتی جس سے یہودیوں کا نقصان ہوتا ہو ورنہ امریکہ میں یہودیوں کی تعداد اتنی نہیں ہے کہ وہ امریکہ پر قابض سمجھے جائیں امریکہ میں ان کی کل تعداد صرف ۲۱ لاکھ ہے۔ یہ ضرور ہے کہ نیویارک جیسے اہم شہر میں انکی موثر تعداد ہے اور وہ اس اسٹیٹ کے انتخابات میں نتائج کا رخ اپنے مفاد کے مطابق کر لیتے ہیں۔

اپنے اثرات اور صلاحیتوں کو قومی مفاد کے لئے استعمال کرنے میں یہود اور مسلمانوں کا فرق

امریکہ میں یہودی اپنے با اثر ذرائع کو حکمت و ہوشیاری سے اپنے مفاد کے لئے یک جہتی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اگر دنیا کے مسلمان جن کی نمائندگی بین الاقوامی ادارہ کے ممبر ملکوں میں تقریباً ۲۵ فیصد ہے، اخلاص کے ساتھ تھوڑی سی یک جہتی اور فکرمندی اختیار کر لیں تو دنیا میں کہیں بھی ان کے مفاد کو نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے اور اس میں مزید اس بات کو شامل کر لیجئے کہ دنیا کی کئی قیمتی اور اہم ترین دولتوں پر انکی اجارہ داری بھی ہے جس کے دباؤ سے وہ حق بات منوانے پر بعض اوقات مجبور کر سکتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم مسلمان کرنے کا کام تو کرتے نہیں صرف اپنے دشمن کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہودیوں کی اپنے ہم مذہب لوگوں کی ہمدردی کی فکر کے سلسلہ میں یہ واقعہ تمام مسلمانوں کے لئے قابل عبرت ہے کہ جب ۱۹۷۳ء کی مصر و اسرائیل جنگ میں اسرائیل پریشانی میں مبتلا ہوا تو نیویارک سے طبی و دیگر ضروریات کا سامان اور ڈاکٹر لے کر ہر جمعہ کی شام کو جیٹ جہاز نیویارک سے تل ابیب جاتا تھا اور یہ لوگ اپنی سنیچر و اتوار کی چھٹی وہاں

اپنے لائق خدمات انجام دے کر دوشنبہ کی صبح کو اپنے کاموں پر ہوائی جہاز سے واپس آجاتے تھے اور اس طرح اپنے مذہبی مادر وطن کی ہنگامی دشواریوں کو دور کرنے میں اپنی استطاعت کے مطابق جو کر سکتے تھے، وہ انجام دیتے تھے۔ اس بات کو کوئی یہ کہہ کر اڑا نہیں سکتا کہ ان کے پاس دولت ہے اس لئے ہوائی جہاز سے چلے جاتے اور واپس آجاتے تھے۔ نیویارک سے تل ابیب کا ہوائی سفر تقریباً ۱۴-۱۵ گھنٹے لیتا ہوگا۔ یہ وقت مع اخراجات سفر کے ہر ہفتہ دو بار صرف کرنا خلوص، فکر مندی اور تعلق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ایک صاحب نے امریکہ میں یہودی کوششوں اور اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ سنیچر کی تعطیل کا اضافہ بھی دراصل یہودی چالاکی کا ایک شاخسانہ ہے۔ ان کا مقصد اپنی عبادت کے روز تعطیل کرانا تھا، نام کام کرنے والوں کی سہولت کا کیا اور اتوار کے ساتھ سنیچر کی تعطیل بھی طے کرالی۔ امریکہ پر ان یہودیوں کی ثقافتی اور مالی گرفت مضبوط ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ حیا سوزی یہاں کوئی قابل فکر بات نہیں رہی یہ دراصل یہودیوں کی سازش ہے کہ دنیا کو جس قدر کرپٹ کیا جا سکے کر دیا جائے تاکہ یہودی ذہن کی انتقامی پیاس بجھ سکے۔

شیکاگو شہر اور اس کا ڈاؤن ٹاؤن

بات شیکاگو سے شروع ہوئی اور کئی رُخ اختیار کر گئی جن کا تذکرہ فائدے سے خالی نہیں تھا۔ شیکاگو امریکہ کا اس وقت ایک معیاری شہر ہے۔ اس شہر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ کانفرنسوں کے لئے اس میں سلیقہ مند جگہیں زیادہ ہیں۔ اسلئے اگر کسی کانفرنس کے سلسلہ میں دوسرے شہر کو کوئی خاص وجہ ترجیح نہ ہو تو لوگ
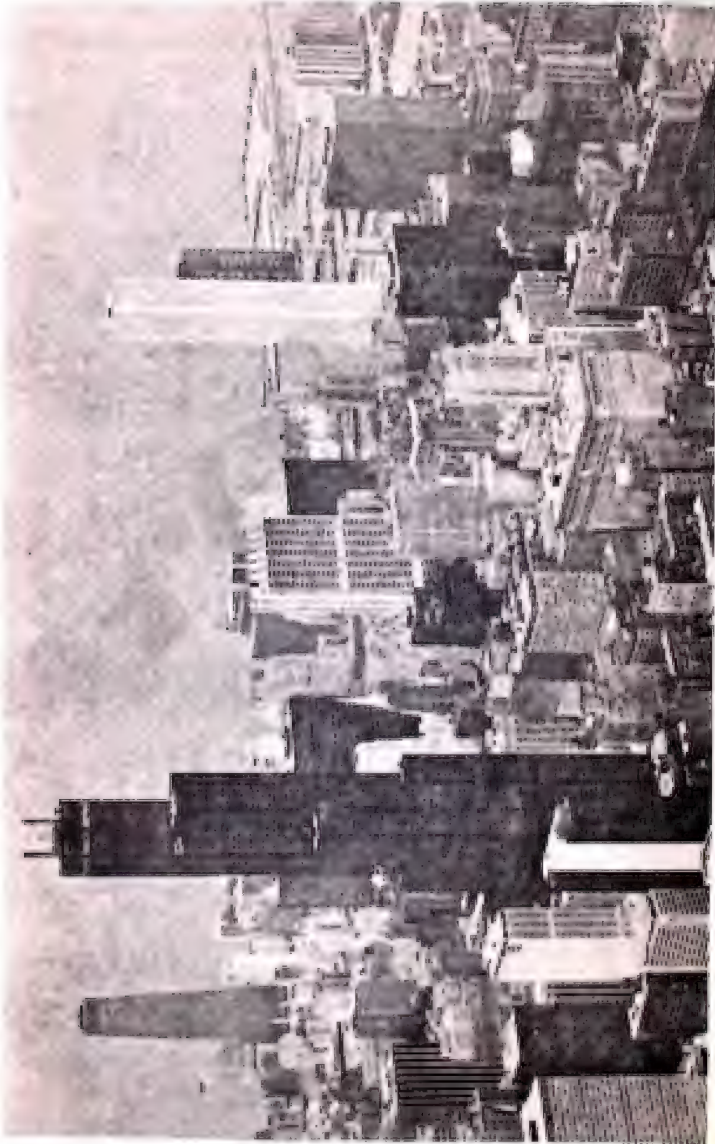
کانفرنس اسی شہر میں کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں اور شہر چونکہ بہت بڑا ہے اور تمدن کے وسائل بھی وہاں پورے ہیں اس لئے کوئی دشواری بھی نہیں ہوتی شہر کا وہ کنارہ جو مشیگن جھیل پر واقع ہے بلند عمارتوں سے معمور ہے اور یہی شہر کا ڈاؤن ٹاؤن کہلاتا ہے۔ اس کی تصویر دیکھئے نیویارک کے مین ہاٹن کی طرح عمارتوں کا باغ یا جنگل معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے ایک سر اٹھائے فلک کو تاک رہی ہے شاید اسی مفہوم کو اسکائی اسکریپر (SKYSCRAPER) کی اصطلاح سے ادا کیا گیا ہے۔

سیرس ٹاور دنیا کی بلند ترین رہائشی عمارت

جس طرح مین ہاٹن نیویارک میں سب سے بلند رہائشی و دفتری عمارت ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ ہے اسی طرح یہاں سیرس ٹاور (SEARS TOWER) ہے یہ اول الذکر سے بھی بلند ہے اور امریکہ کے ایک بہت بڑے اور مشہور جنرل مرچنٹ کمپنی سیرس (SEARS, ROEBUCK & CO) کی بنوائی ہوئی ہے۔ اسکی نچلی منزلوں کا پھیلاؤ اوپری منزلوں کے پھیلاؤ سے زیادہ رکھا گیا ہے اسمیں خاص سائنٹفک اصول کا لحاظ کیا گیا ہے سطح زمین سے اس عمارت کی بلندی ۱۳۵۳ فٹ ہے جو کہ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ نیویارک سے ۱۰۳ فٹ زیادہ ہے اور منزلیں ۱۰۳ یعنی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ سے ایک منزل زیادہ ہے اس لئے بلندی کی بنیاد پر یہ امریکہ کی سب سے بلند بلڈنگ ہے یوں اب بھی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ بعض اہمیتوں کی بنا پر ایک بہت ہی فائق عمارت سمجھی جاتی ہے۔

سیرس ٹاور کو اسکڈ مور اوونگس اینڈ مرل (SKIDMORE, OWING & MERRILL) نام کی تعمیری کمپنی نے تعمیر کیا ہے جس کے اصل آرکیٹکٹ ایک بنگالی مسلمان ہیں یہ اپنی بنیادوں سے ناپی جائے تو مجموعی طور پر ۱۴۵۴ فٹ (۴۴۳ میٹر) بلند ہے اس کی تعمیر میں ۱۶۰۰ مزدوروں نے چار سال تک کام کیا ہے۔ اس میں ۷۶ ہزار ٹن لوہا صرف ہوا اور سیمنٹ کی مقدار اتنی صرف ہوئی کہ اگر اس سے ہائی وے بنائی جاتی تو پانچ میل تک آٹھ لائنوں کی بن سکتی تھی۔ عمارت میں ۱۶ ہزار کھڑکیاں ہیں جن کو باہری رخ سے خود کار مشینیں سال بھر میں آٹھ بار صاف کرتی ہیں۔ اس بلڈنگ میں کام کرنے والے اور رہنے والوں کی تعداد ۱۲ ہزار ہے جن میں سے خود اس کی مالک فرم سیرز کے ملازمین ۷ ہزار ہیں جن سے عمارت کے نیچے کی ۵۰ منزلیں متعلق ہیں۔ سیرس ٹاور کے علاوہ اس سے کم بلند لیکن ممتاز بلندی والی یہاں کئی بلڈنگیں ہیں جن میں قابل ذکر واٹر ٹاور پلیس (WATER-TOWER PALACE) جان ہین کاک سنٹر (JOHN HANCOCK-CENTER) اسٹینڈرڈ آئل بلڈنگ (STANDARD OIL BUILDING) فرسٹ نیشنل بنک بلڈنگ (FIRST NATIONAL BANK BUILDING) اور بعض دیگر بلڈنگیں ہیں۔ سیرس ٹاور سے قبل جان ہین کاک سب سے بلند عمارت تھی اس کی ۱۰۰ منزلیں ہیں اور وہ سب قابل رہائش ہیں۔

شیکاگو و دیگر شہری آبادیوں کی پلاننگ

امریکہ کے اکثر پلاننگ کے مطابق بسے ہوئے شہروں کے وسط میں ایک

مرکزی نقطہ ہوتا ہے جو عام طور پر کارپوریشن کی عمارت ہوتی ہے اور سٹی ہال کہلاتا ہے۔
وہاں سے شہر کا پھیلاؤ بالترتیب شمار کیا جاتا ہے۔ اور وہاں سے اقصائے شہر تک
جانے والی سڑکوں اور ان پر واقع عمارتوں کے نمبر ترتیب کے اعتبار سے متعین ہوتے
ہیں جو ۱۰۰ ــ ۱۰۰ کے بلاک کے اعتبار سے تقسیم ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعہ آدمی یہ جان
سکتا ہے کہ وہ مرکزی نقطہ سے کس قدر دور ہے۔ سڑکوں کا نظام اسٹریٹ اور
ایونیو پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایونیو شہر کے طول میں اور اسٹریٹ عرض میں پھیلی ہوتی ہیں
اور ان کے نمبر ہوتے ہیں اور بہت سی سڑکوں کے ساتھ ساتھ نام بھی ہوتے ہیں۔
شہر کے مختلف خطوں یا قطعات تک پہونچنے اور ان کے جائے وقوع کا اندازہ
کرنے میں اس حساب سے آسانی ہو جاتی ہے اور یہ سارا نظام کم وبیش سارے
امریکہ میں رائج ہے۔

شہر کے باہر وسیع اور طویل سڑکوں کا جال ہوتا ہے جو شہر شہر اور قریہ قریہ
کو آپس میں جوڑتا اور ملاتا ہے۔ یہ سڑکیں اپنی طول وعرض کے لحاظ سے مختلف مرتبہ
کی ہوتی ہیں بعض اکسپریس وے کہلاتی ہیں بعض بائی وے۔ بعض پر گذرنے والے
ٹریفک کو ٹول (TOL) یعنی ٹیکس بھی دینا پڑتا ہے اور بعض بلا ٹیکس ہوتی ہیں،
جن کو فری وے کا نام دیا جاتا ہے۔ امریکہ کے تمدن میں جو چند باتیں بہت غیر معمولی
ہیں۔ ان میں ہائی ویز کا یہ پر شکوہ اور وسیع الاطراف جال بھی ہے جسکو دیکھ کر
انسان کی کارکردگی اور کاریگری کا کمال معلوم ہوتا ہے۔

شیکاگو ایرپورٹ غالباً دنیا کا سب سے بڑا ایرپورٹ ہے۔ دو منزلہ عمارت
میں کمپنیوں کے دفاتر اور کاونٹر ہیں۔ اس ایرپورٹ پر ہوائی ٹریفک کا اوسط

دنیا کے ہر ایرپورٹ سے زیادہ ہے۔

ناظر الدین علی صاحب کے یہاں دعوت اور ازہری استاذ شیخ احمد زکی حماد سے ملاقات

یہاں سے ہم لوگ سید عظمت اللہ صاحب قادری کے مکان پر پہونچے
تھوڑی دیر آرام کیا پھر ناظر الدین علی صاحب کے مکان پر جو کہ اسی محلہ میں دوسری
سڑک پر ہے جانا ہوا۔ ناظر الدین علی صاحب جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، ایم۔ ایس
اے کے نائب صدر ہیں اور مولانا کے دورہ کے سلسلہ میں انہوں نے خاص دلچسپی
لی تھی، حیدرآبادی ہیں اور اسی محلہ میں رہتے ہیں۔ ایم۔ ایس۔ اے کی حالیہ
کانفرنس کے عمومی صدر تھے انہوں نے اس وقت دعوت بھی کی ہے کہ کئی دوستوں
سے ملاقات کا موقع نکل آئے گا۔ چنانچہ دعوت میں دیگر کئی احباب کے علاوہ
شیخ احمد زکی حماد سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ ازہر کی طرف سے شیکاگو کے مسلم
کمیونٹی سنٹر میں مامور ہیں اخوانی ذہن کے متین اور سمجھدار عالم ہیں۔ عمر زیادہ
نہیں ہے۔ دعوت کا اچھا جذبہ رکھتے ہیں، مولانا مدظلہ سے ان کی کتابوں کے
توسط سے واقف تھے اور ملنے کا بہت اشتیاق رکھتے تھے۔ ملنے سے قبل ایک خواب
بھی دیکھا تھا جس میں مولانا کو دیکھا تھا، بہت محبت وتعلق سے ملے اور برابر اشتیاق
وگرویدگی کا اظہار کرتے رہے۔ کالے مسلمانوں کے لیڈر وارث الدین محمد کے
یہاں بھی ان کی آمد ورفت ہے ان کو صحیح دین سے قریب لانے کے لئے کوشاں
ہیں اور اچھی توقعات کا اظہار کرتے ہیں۔ انہوں نے ان کے والد کے حالات

اور خیالات کے بارے میں ذمہ دارانہ معلومات حاصل کی ہیں وہ بتاتے تھے بلکہ انہوں نے کچھ لکھ بھی لیا ہے جس کی ایک نقل مولانا مدظلہٗ کو دی۔

عظمت اللہ صاحب قادری کے مکان پر قیام

کھانے پر اور کئی آدمی آگئے تھے ان سے بھی ملاقات رہی پھر عظمت اللہ صاحب کے مکان پر واپسی ہوئی اور یہیں قیام ہے۔

مسلم کمیونٹی سنٹر

شیکاگو میں مسلم کمیونٹی سنٹر مسلمانوں کا اہم ادارہ ہے جس کے بارے میں گذشتہ صفحات میں کچھ ذکر آچکا ہے۔ یہ یہاں ہندو پاک کے کچھ مقامی مسلمانوں نے قائم کیا ہے۔ ان کا مقصد شیکاگو کے مسلمانوں کی دینی تربیت اور اسلامی خیالات کی ترویج اور ان کی نوخیز نسل کی اسلامی تعلیم کے انتظامات کرنا، غیر مسلموں کو اسلام سے قریب لانا ہے اس کے لئے انہوں نے ایک عمارت بھی حاصل کر رکھی ہے جہاں جلسے ہوتے ہیں، بچوں کے لئے اتوار اتوار اور سالانہ تعطیلات کے موقعوں پر باقاعدہ اسکول لگتا ہے جس سے طلبا اور طالبات کی اچھی تعداد فائدہ اٹھاتی ہے۔ امریکہ میں نوخیز مسلم نسل کے لئے ایک اچھا اسلامی نصاب تیار کرنا بھی اس سینٹر کے پیش نظر ہے۔ اس سینٹر کا میدان فی الحال شیکاگو کے ۶۰ ہزار مسلمان ہیں۔ اس کی انتظامیہ نے ایک اچھی زمین حاصل کی ہے جس میں سنٹر کی کشادہ عمارت تیار کرنے کا پروگرام ہے، سنٹر کے اخراجات شیکاگو کے مسلمان جمع کرتے ہیں، مسلم ممالک سے بھی کچھ مدد کبھی

کبھی مل جاتی ہے۔ سال رواں کے لئے اس کے صدر عتیق الرحمٰن صاحب اور جنرل سکریٹری سید عظمت اللہ قادری منتخب ہوئے ہیں۔ دونوں انجینیر ہیں اور شیکاگو میں ملازم ہیں۔ سنٹر کی موجودہ عمارت اچھی کشادہ اور مناسب جگہ واقع ہے۔ اس کو مسلمانوں کی دوسری تنظیمیں اپنے دعوتی و تربیتی کاموں کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ تبلیغی جماعت بھی اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اس کے ہال میں جمعہ کی نماز باقاعدہ ہوتی ہے۔ شہر میں نماز جمعہ کے لئے یہ بڑی اچھی جگہ ثابت ہو رہی ہے۔ سنٹر والوں کا طرز ہمارے یو پی کی دینی تعلیمی کونسل کے طرز سے ملتا جلتا ہے۔ سنٹر والے اب زیادہ بہتر جگہ ایک زیادہ کشادہ عمارت تعمیر کرنے والے ہیں۔

دورہ کی اہم اور اختتامی تقریر

آج شام کا پروگرام شیکاگو میں ہندو پاک کے مسلمانوں کی رعایت سے اردو میں رکھا گیا جس کا ترجمہ انگریزی میں کیا گیا۔ آئی۔آئی۔ٹی (T.I.T) کے ہرمن ہال آڈیٹوریم میں ناظرالدین علی صاحب اور عبدالسلام انصاری صاحب کے انتظام میں یہ جلسہ ہوا۔ یہی وہ ہال ہے جس میں دو سال قبل حدیث کانفرنس ہوئی تھی جس میں شرکت کے لئے مولانا مدظلہٗ آنے والے تھے اور بروقت سفر ملتوی ہوا تھا۔ مولانا مدظلہٗ نے ایک موثر تقریر کی جو دراصل ان کے دورۂ امریکہ سے حاصل کردہ تاثرات کا نتیجہ تھی۔ مولانا نے تقریر میں اپنے دورۂ امریکہ کے مشاہدات و تاثرات کا لب لباب بیان کیا اور بتایا کہ مجھے امریکہ میں کیا ملا اور کیا نہیں ملا۔ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز مولانا روم کے اس مشہور قطعہ سے کیا جس کا مطلع ہے کہ ؎

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزو ست

انہوں نے کہا کہ مجھے اس ملک میں علم و فن صنعت و حرفت ایجاد و اختراع کی ترقی اور عروج نظر آیا لیکن آدمیت اور قلب و روح کا زوال، میں نے مشینوں کی بہار دیکھی لیکن صاحب دل و باضمیر انسان یہاں عنقا ہے۔ پھر اس کے اسباب و نتائج کی علم و دین تاریخ و فلسفہ اور نفسیات انسانی کی روشنی میں نشاندہی کی اور اس صورت حال کا امریکہ سے باہر دنیا کی تہذیب و زندگی پر جو اثر پڑ رہا ہے اس پر بھی روشنی ڈالی اور مسلمانوں کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی[1]

شام کا کھانا ناظر الدین علی صاحب کے ایک بہاری دوست کے یہاں ہوا جو ان کے پڑوس ہی میں رہتے ہیں۔ ان کے یہاں کئی نئے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔

یکشنبہ ۱۹ر جون۔ ۱۱ بجے دن میں مسلم کمیونٹی سنٹر میں ایک سیمینار میں مولانا مدظلہ نے عورتوں کو خطاب کیا اور بتایا کہ اسلام میں عورت کا صحیح مقام اور ان کے حقوق و فرائض کیا ہیں[2] اور قیام گاہ واپس آ گئے۔ ہم کو عتیق الرحمن صاحب صدر انجمن اور سنٹر کے اسکول کے پرنسپل ڈاکٹر منیر احمد صاحب نے گفتگو اور مشورہ کے

---

[1] اس تقریر کا مفصل متن مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کی تازہ پیشکش "نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں" میں آ گیا ہے اس لئے یہاں ہم نے اجمال پر اکتفا کیا۔

[2] یہ تقریر بھی اردو تقریروں کے مجموعہ میں آ گئی ہے۔

کے لئے روک لیا۔ انہوں نے ہندوستان میں مسلمان نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے لئے جو کوشش کر رہے ہیں اس کے سلسلہ میں معلومات دریافت کیں اور یہاں کے حالات بتائے۔ ہم نے دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کے کام کی تفصیل بتائی اور مزید تفصیلات پوسٹ کے ذریعہ بھیجنے کا وعدہ کیا۔

عربوں سے خصوصی خطاب

تین بجے سہ پہر میں شیکاگو کے مقام سیسرو (CICERO) میں واقع ہوٹل ہالی ڈے ان میں عرب مسلمانوں کی نشست رکھی گئی ہے جس میں مولانا مدظلہ کو تقریر کرنا ہے۔ مولانا مدظلہ براہ راست وہاں آئے۔ ہم یہاں کے بعض رفقاء کے ساتھ ادھر سے پہونچے۔ جلسہ کو شیخ احمد زکی نے کنڈکٹ کیا۔ مولانا مدظلہ کا تعارف کرایا پھر تقریر ہوئی۔ مولانا مدظلہ نے عربوں کو ان کا منصب و مقام یاد دلایا اور بتایا کہ خدا نے ان سے کس نازک اور فیصلہ کن لمحہ میں دنیا کی ہدایت اور انسانیت کی رہنمائی کا کام لیا پھر اس پر زور دیا کہ جس طرح طوفان نوح میں کشتی نوح ہی ایک واحد جائے پناہ تھی اور حضرت نوحؑ نے اپنے باغی فرزند کو جو کہتا تھا کہ میں کسی پہاڑ کی آڑ لے لوں گا جو مجھے طوفان سے بچالے گا، کھلے لفظوں میں آگاہی دی تھی کہ لا عاصم الیوم الا من رحم (آج اللہ کے حکم سے کوئی چیز بچانے والی نہیں سوا اس کے کہ کسی کی طرف خدا کی رحمت متوجہ ہو) موجودہ بلاخیز طوفان میں جو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دامن تھامنے اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کے سوا کوئی کشتی

نجات نہیں۔

امریکی نومسلم ڈاکٹر عمر فاروق عبداللہ

تقریر کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر عمر فاروق عبداللہ نے کیا۔ یہ سفید فام امریکن نومسلم ہیں۔ قاہرہ میں تعلیم حاصل کی اب امریکہ میں ریسرچ کر رہے ہیں۔ فلاڈلفیا کی ٹمپل یونیورسٹی میں اسلامیات کے شعبہ میں اگست سے کام کریں گے۔ انکے تعلقات مصر ہی سے شیخ احمد زکی حماد سے ہیں۔ انگریزی تو ان کی مادری زبان ہے وہ عربی بھی اچھی بولتے ہیں۔ اصول فقہ پر کام کر رہے ہیں۔ اب تک جو مطالعہ انہوں نے اس سلسلہ میں کیا وہ اچھا خاصا ہے۔ قیام گاہ پر ایک روز آئے اور مولانا مدظلہ کے ساتھ ایک گھنٹہ تک اپنے موضوع کے سلسلہ میں استفسار و استفادہ کرتے رہے۔ مولانا نے ان کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں خصوصاً "حجۃ اللہ البالغہ" کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ تقریر کا ترجمہ انہوں نے بہت اچھا کیا۔

فخری صاحب کے مکان پر دعوت

جلسہ کے بعد ایک پاکستانی واقف کار فخری صاحب کے مکان پر جو یہاں سے پچاس میل کے فاصلہ پر شیکاگو کے مضافات میں ہے دعوت میں جانا تھا چنانچہ وہاں مغرب کے قریب پہونچنا ہوا اور مغرب کی نماز کے بعد کھانا ہوا۔ یہاں ایم۔سی۔سی کے عتیق الرحمٰن صاحب اور شیخ احمد زکی حماد صاحب بھی دعوت میں شریک تھے۔ فخری صاحب یونیورسٹی میں اصول تعلیم کے استاذ ہیں اور اچھے

پڑھے لکھے شخص ہیں۔ مکان ستھرا اور سلیقہ کا ہے۔ واپسی میں مولانا مدظلہ سے شیخ احمد زکی کو کچھ گفتگو کرنا تھی چنانچہ ان کی خواہش ہوئی کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھیں۔ لیکن احمد زکی صاحب ہم لوگوں کی قیام گاہ کا راستہ نہیں جانتے تھے اس لئے طے ہوا کہ ہمارے میزبان کی موٹر کی رہنمائی میں پیچھے پیچھے آئیں لیکن چوراہوں کی سُرخ لائٹوں نے ان کو بہت پیچھے کر دیا اور وہ راستہ بھول گئے، کچھ بھٹکے پھر ڈاکٹر عبدالسلام انصاری کے مکان پر پہونچے اور ان کے صاحبزادہ کی رہنمائی میں سید عظمت اللہ صاحب قادری کے مکان پر آئے۔

ایک روز مزید قیام کا فیصلہ

پہلے طے شدہ پروگرام کے لحاظ سے اگلے دن ہم لوگوں کو نیویارک واپس ہو جانا چاہیئے اور اس طرح اس دعوتی دورے کی ایک طرح سے تکمیل ہوتی جو دو ہفتے تک طوفانی طریقے سے اور بہت کسے ہوئے پروگراموں کے ساتھ گذرا۔ مولانا مدظلہ کا خیال تھا کہ یکم جولائی کو آپریشن کرانے سے قبل نیویارک میں ایک ہفتہ سکون اور آرام سے گذر جائے تاکہ آپریشن اور اس کے مابعد کی پابندیوں کے لئے کچھ تیاری ہو سکے۔ اس لئے ان کو نیویارک واپسی کی جلدی ہے لیکن شیکاگو جیسی وسیع جگہ کے لئے دو روز بالکل ناکافی ہوئے۔ اگرچہ نیت یہ ہے کہ آپریشن کے کچھ دن بعد آرام کرنے کے لئے امریکہ کے کسی شہر میں قیام کی پابندی ہوئی تو وہ وقت شیکاگو میں گذارا جائے گا۔ لیکن پھر بھی لوگوں نے اصرار کیا کہ حالیہ دو روزہ پروگرام میں ایک روز کا اضافہ کر لیا جائے۔ مولانا نے یہاں کے لوگوں

کے تعلق و محبت کو دیکھ کر منظور کر لیا۔ اور اب دوشنبہ بھی یہاں گذارنا ہے ٹیلیفون پر نیویارک ڈاکٹر مطیع صدیقی صاحب کو مطلع کر دیا کہ اب کل کے بجائے پرسوں انتظار کریں اور لگارڈیا ایرپورٹ پر لینے کے لئے آجائیں۔ جہاں نیویارک کے لئے جہاز کو اترنا ہوگا۔

دوشنبہ ۲۰ رجون ـــــ آج صبح کو شیخ احمد زکی صاحب کے مکان پر جانا ہوا صرف ہم دو تین آدمی تھے۔ شام کو ایم۔ ایس۔ اے اور ایم۔ سی۔ سی کے جو ارکان شیکاگو میں موجود ہوں ان کے سامنے ایک مخصوص خطاب کا پروگرام ہے جس میں اس غیر اسلامی ملک کے اندر دعوتی کام کرنے والوں کو حکمت عملی اور اتحاد اور اخلاص سے کام کرنے کے مشورے دیے جائیں گے۔ ان دو پروگراموں کے علاوہ دن کا بقیہ حصہ قیام گاہ پر آرام اور سکون کے ساتھ رہنے کے لئے خالی رکھا گیا۔

دعوتی کام کرنے والوں کو مفید مشورے اور اہم خطاب

عشاء کے بعد ایم۔ سی۔ سی کی عمارت میں دعوتی کام کرنے والوں کی نشست ہوئی اور اس میں مولانا نے تقریر کی جس میں اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے امریکہ جیسے ایک ترقی یافتہ اور دور افتادہ ملک میں رہنے والے ان مسلمانوں کے ذہن کو سامنے رکھ کر ہدایتیں اور مشورے دیے جو سالہا سال سے وہاں مقیم ہیں، دینی ماحول اور علماء راسخین کی صحبت و رہنمائی سے محروم ہیں اور جن کا سارا انحصار کتابوں کے مطالعہ اور اپنی ذہانت اور غور و فکر پر ہے، ان کتابوں میں بہت سا لٹریچر ایسا بھی ہوتا ہے جو غیر معتدل تنقیدی ذہن پیدا کر دیتا ہے اور جو اسلاف کے

کارناموں اور احیاء و تجدید دین کی کوششوں کی طرف سے بدگمان بنا دیتا ہے یا انکی قیمت کم کر دیتا ہے۔ مولانا نے سلف سے حسن ظن رکھنے اور ان کی مساعی جمیلہ کی قدر و قیمت پہچاننے اور ان کا شکر گذار ہونے پر زور دیا۔ اس کے ساتھ تعلق باللہ، اپنے کاموں میں اخلاص اور انابت کی روح پیدا کرنے اور اپنے قدیم وطن ہندوستان و پاکستان اور وہاں کے اہل دین اور اہل علم سے رابطہ قائم رکھنے کا مشورہ دیا جس میں بڑی حفاظت و سلامتی ہے۔[1]

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب انصاری نے بتایا کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی آئے ہوئے ہیں ان کو امریکہ میں کچھ ریسرچ کا کام کرنا ہے۔ چند روز ٹھیریں گے۔ مولانا سے ملاقات کے لئے قیام گاہ پر آئیں گے۔

سہ شنبہ ۲۱ رجون ـــــ صبح ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب آئے اور کچھ دیر اچھی نشست رہی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی اعظم گڈھ یوپی کے اصل باشندے ہیں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی پھر ازہر مصر میں کئی سال رہے وہاں سے تعلیم حاصل کر کے انگلستان سے حدیث پر پی۔ ایچ۔ ڈی کیا اب حدیث کے شعبہ میں ریاض یونیورسٹی میں استاد ہیں۔

احباب کا محبانہ تعلق اور شیکاگو سہ بارہ آمد کی نیت

آج نیویارک واپسی ہے۔ ایرپورٹ تک پہنچانے کے لئے متعدد دوست

---

[1] اس تقریر کا مفصل متن اردو تقاریر کے مجموعہ میں آگیا ہے۔

آئے۔ ان میں سید عظمت اللہ قادری، ڈاکٹر عبدالسلام انصاری، ناظر الدین علی، نشاط صاحب، قاضی بیا بانی، فصیح صدیقی اور متعدد تعلق والے حضرات تھے سب ہی نے محبت کا ثبوت دیا اور تعلق کا نقش چھوڑا۔ خاص طور پر نشاط صاحب تو تعلق محبت سے بھرپور اور جذبات میں ڈوبے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ یہ ہندوستان ہی سے گہرا اور عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا کی امریکہ آمد کو ایسی آمد محسوس کرتے رہے جیسے ان کے خاندان کا کوئی بزرگ یا مشفق عزیز آگیا ہو۔ ان کے ان جذبات کا ان کے دوستوں فصیح صدیقی اور قاضی بیابانی پر بھی اثر پڑ رہا تھا۔ ان لوگوں پر مولانا کی واپسی بڑی شاق گذر رہی تھی اور سب ہی دوست کہہ رہے تھے کہ آپریشن کے بعد آرام کا وقفہ یہیں شیکاگو میں گذارا جائے۔ ان کی یہ خواہش پوری ہونے کا امکان ہے کیونکہ تین روز شیکاگو میں ناکافی رہے، یہاں کی یونیورسٹی جو عالمی امتیاز کی مالک ہے، سیرس ٹاور اور دیگر متعدد مشہور چیزیں دیکھنا رہ گئی ہیں جو انشاء اللہ اگلی آمد پر انجام دی جائیں گی۔ اتنے بڑے شہر میں تو کئی ہفتے بھی کافی نہیں لیکن پھر بھی جتنا مشاہدہ و مطالعہ ہو سکے اچھا ہے۔

نیویارک واپسی اور واشنگٹن کا سفر

ڈاکٹر صدیقی کے مکان پر قیام

دوستوں سے رخصت ہو کر ڈیڑھ گھنٹے میں نیویارک کے لگارڈیا ایرپورٹ پر اترنا ہوا۔ اور ہم لوگ تیسری بار نیویارک پہونچے۔ اب ایک ہفتہ انشاء اللہ سکون خاطر سے ڈاکٹر مطیع صاحب کے مکان پر گذارنا ہے۔ وہ عزیزوں کی طرح تعلق رکھتے ہیں اور ان کا مکان شہر کے حدود سے باہر ووڈمیر (WOOD MERE) میں ہے جو کہ پرسکون اور سنجیدہ علاقہ ہے۔ مکان بھی سلیقہ اور قاعدہ کا ہے۔ ایرپورٹ سے باہر آنے پر تھوڑی دیر ڈاکٹر مطیع صاحب کا انتظار کرنا پڑا پھر وہ پہونچ گئے۔ ان سے ہندوستان اور لکھنؤ کی خیریت معلوم کی خطوط لئے۔ ماسٹر صاحب کے اب تک نہ پہونچنے سے افسوس ہوا ورنہ ان کے ذریعہ زیادہ تازہ اور تفصیلی حالات اور خیریت ملتی۔ مکان پر بچوں نے مسرت کے ساتھ استقبال کیا اور ہم لوگ اسی پرانی جگہ اوپری منزل کے ایک کمرہ میں آگئے۔

نیویارک کے خصوصی اہل تعلق کو ٹیلی فون کے ذریعہ اپنی آمد کی اطلاع کرائی۔ آج

کے دن کوئی نہ آسکا۔ ہم لوگوں کو بھی سکون و فرصت رہی اور صرف مطیع صاحب اور ان کے بعض دوستوں سے ملاقات رہی۔ انیس احمد صاحب سے ٹیلی فون پر بات ہوئی۔

نیویارک میں ایک ہفتہ قیام کا ارادہ

۲۲ رجون سے ۲۹ رجون تک کے لئے پہلے سے کوئی مقررہ پروگرام نہیں ہے لیکن نیویارک میں بظاہر یہ وقت بھی بالکل خالی نہ گذرے گا کیونکہ اس آمد سے قبل دوبار یہاں آنا ہوچکا ہے بیشتر لوگوں سے تعارف ہوگیا ہے اور کسی کا مطالبہ بھی ہے کہ نیویارک کو کچھ وقت دیا جائے لیکن مولانا کا ارادہ حتی الوسع اس مدت کو خالی ہی رکھنا ہے انہوں نے سب سے کہہ رکھا ہے کہ اس میں کوئی پروگرام نہ رکھا جائے البتہ اہل تعلق سے ملاقات اس سے مستثنیٰ ہے۔ ٹیلی فون سے لوگوں کو علم ہوجانے کی بنا پر اگلے روز سے احباب آنا شروع ہوئے۔ ان میں قابل ذکر سید ساجد حسین صاحب، محمد خورشید صاحب، اور سید مظہر حسین صاحب تھے تینوں کا تذکرہ نیویارک کی گذشتہ آمد کے موقع پر گذر چکا ہے۔

واشنگٹن کے پروگرام کی رائے

سید مظہر حسین صاحب نے اپنی اس تجویز کا اعادہ کیا کہ ایک سفر واشنگٹن کا بھی کرلیا جائے۔ وہاں ان کے دو صاحبزادے مقیم ہیں اس لئے قیام کی بھی دشواری نہ ہوگی۔ مزید یہ کہ وہ خود بھی واشنگٹن رہ چکے ہیں اور چونکہ بحیثیت ڈپلومیٹ کے رہے ہیں اس لئے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اس دارالحکومت کو وہ اچھے طریقے

سے دکھاسکیں گے۔ تجویز معقول تھی ادھر نیویارک کے اس مضافاتی قریہ میں خالی وقت گذارنے سے دو ہی روز میں طبیعت اکتانے لگی اس لئے تجویز کو قبول کرلینا معقول معلوم ہوا، خاص طور پر اس لئے بھی کہ واشنگٹن جیسا اہم شہر دیکھنے سے ابتک باقی ہے آپریشن بعد مشکل ہوگا اور ایک مہربان میزبان محبّت و تعلق کے ساتھ دعوت بھی دے رہا ہے۔ انہوں نے اس کام کے لئے جمعہ تا اتوار کا وقت مناسب خیال کیا کہ سنیچر و اتوار ان کی تعطیل کے دن ہوتے ہیں آسانی ہوگی۔ وہ خود اپنی کار پر خود ڈرائیو کرکے لے جائیں گے تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ ہے چند گھنٹوں میں طے ہوجائے گا چنانچہ جمعہ کی شام کو جانا اور اتوار کی شام تک نیویارک واپس آجانا طے ہوا۔ اس طرح فلاڈلفیا آپریشن کے لئے جانے سے قبل ۲۷، ۲۸، ۲۹ رجون تین روز اس واشنگٹن کے سفر کے بعد بھی مل جاتے ہیں لہٰذا اس درمیانی سفر سے بار یا دشواری نہ ہوگی۔

۲۳ رجون کو جمعہ تھا۔ یہ خیال ہوا کہ یہاں ووڈمیر میں کوئی مسجد نہیں ہے نیویارک شہر میں جمعہ پڑھنا چاہئے۔ محمد خورشید صاحب نیویارک کی دعوت کئی بار دے چکے تھے لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے مسجد کا انتخاب انہی کی رائے کے مطابق کیا جائے۔ جمعہ کی دوپہر کا کھانا بھی ان کی خواہش پر ان کے مکان پر رکھا جاسکتا ہے۔ دونوں باتوں سے ان کو خوشی ہوگی —— ہم لوگ جب نیویارک بالکل اجنبی کے طور پر پہلی بار پہونچے تھے تو وہ اور ان کی اہلیہ فرشتہ رحمت بن کر ایرپورٹ پر استقبال کے لئے ایک بجے رات کو کار لئے موجود تھے ورنہ نہ معلوم کیا دشواریاں ہوتیں پھر بلومنگٹن کے لئے لگارڈیا ایرپورٹ پر رخصت کرنے گئے تھے۔ ان کا یہ اخلاق ایک اجنبی نو وارد کے لئے قیمتی اخلاق تھا۔

خالی وقت گذاری سے اُکتاہٹ اور لوگوں کی مصروف زندگی

۲۲ جون سے ۲۴ جون تک دن کا حصہ ایک ہی روز کے قیام کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کہ ہم لوگ ایک طرح سے خانۂ قید ہوں۔ قریب میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں جاکر وقت کو تھوڑا بہت مصروف کیا جاسکے۔ ڈاکٹر مطیع اپنے اسپتال کی ڈیوٹی سے مجبور اور نیویارک رہنے والے دیگر احباب اپنی روزانہ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹیوں کے پابند، فاصلوں کی طوالت اور ٹریفک کی زیادتی الگ وقت کی طالب چنانچہ ہمدرد ترین لوگ بھی مغرب کے بعد پہونچ پاتے تھے اور عشاء تک ہی جانا ضروری ہوتا تاکہ زیادہ رات ہونے سے قبل اپنی قیام گاہوں کو پہونچ سکیں۔ صبح ۸ بجے تک ڈاکٹر مطیع کی موجودگی سے دلبستگی رہتی اس کے بعد صرف ہم دو نفر اور کمرہ۔ نماز کے اوقات میں نماز اور کھانے کے وقت کھانا۔ ۸½ بجے شام کو مغرب ہوتی اور نو بجے تک کوئی آنے والا نظر پڑتا۔ یہ تیرہ گھنٹے کی قید تنہائی ایک روز تو محسوس نہیں ہوئی دوسرے روز کاٹنے لگی۔ نیویارک جیسے بھرے ہوئے اور چمک دمک والے شہر سے قریب لیکن جیسے کہ آبادی ہی سے دور۔ مولانا تو اور بھی خالی وقت گذارنے سے گھبرانے والے، کہنے لگے کہ اس تنہائی سے تو وہ مشغولیت ہی بہتر تھی جس سے گھبرا کر یہ تنہائی قبول کی تھی۔

المرسٹ (ELMHURST) اسپتال کی مسجد اور مذہب کا خصوصی احترام

بالآخر جمعہ ۲۴ جون کو اس عزلت سے نکلنا ہوا۔ محمد خورشید صاحب دس بجے

دن میں آگئے اور ۱۱ بجے لے کر روانہ ہوئے، انہوں نے المرسٹ اسپتال کی مسجد میں جمعہ پڑھنا تجویز کیا تھا۔ اس مسجد سے ان کو ربط ہے وہ یہاں آنے والے نمازیوں کو اسلامی لٹریچر مہیا کرتے اور ان سے دعوتی ربط رکھتے ہیں۔ اس مسجد کی تاریخ وہ عجیب بتا رہے تھے، المرسٹ اسپتال میں عیسائیوں کی عبادت کے لئے ایک جگہ مقرر تھی یہودیوں نے بھی ایک جگہ متعین کر رکھی تھی۔ ایک چھوٹے عہدہ پر مامور ایک مسلمان اس بات اڑ گئے کہ نماز پڑھنے کے لئے بھی ایک کمرہ مخصوص ہونا چاہیئے انہوں نے یہ مسئلہ آ تنا چلایا کہ اسپتال کے لوگوں کو ان کا مطالبہ ماننا پڑا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ اگر عیسائی اور یہودی مذہب کے لئے عبادت گاہ دی جاسکتی ہے تو مسلمان کے لئے یہ گنجائش کیوں نہیں، خواہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو۔ اسپتال والوں کو ایک کمرہ دینا پڑا وہ اب باقاعدہ مسجد کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اسپتال والے اس کی اس حیثیت کا پورا لحاظ رکھتے ہیں اگرچہ وہ دل سے اس کو پسند نہیں کرتے ہوں گے، خاص طور پر اس لئے کہ یہ اور امریکہ کے بیشتر اسپتال یہودی اثر میں ہیں۔ یہودیوں نے میڈیکل پیشے پر تقریباً قبضہ سا کر رکھا ہے بیشتر ڈاکٹر انہی میں سے ہوتے ہیں۔ اور اسپتالوں کی کمیٹیوں پر عموماً انہی کا اثر ہے۔ لیکن امریکہ میں مذہبی آزادی کے قانون پر ایسا عمل ہے کہ با اثر لوگ بھی اس میں رکاوٹ ڈالنے سے ڈرتے ہیں کیونکہ یہاں کی عدالتوں سے رجوع کئے جانے پر وہ ماخوذ ہو سکتے ہیں۔ عدالت کے اثرات کے متعلق گذشتہ صفحات میں کچھ تذکرہ گذر چکا ہے اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مذہبی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی طور پر جس کا جو خیال ہو وہ اس پر بے تکلف عمل کرے کسی کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں ہے چنانچہ ڈاکٹر لوگ بھی احتیاط کرتے ہیں کہ کسی

مریض کو کسی ایسی بات سے روکیں جو اس کے مذہب میں ضروری ہو، پادریوں کی ظاہری عزّت اور لحاظ یہاں بہت ہے۔ بازار سے مال خریدنے میں ان کو پادری ہونے کی بناء پر کچھ چھوٹ دی جاتی ہے اور اس خرید پر گورنمنٹ ٹیکس بھی نہیں لگتا۔ عیسائی اپنے دل میں جو بھی خیال رکھتے ہوں لیکن ظاہری طور پر اپنے علماء کے ساتھ عزّت کا برتاؤ کرتے ہیں۔

ہمارے مشرقی لوگوں نے یورپ و امریکہ کی جو نقل کی ہے اس میں اپنے علماء کی عزت کرنے کی بات نہیں لی ہے۔ ہمارے ملکوں میں ماڈرن آدمی اپنے علماء کے استہزاء کو اپنی ماڈرن ازم کی علامت سمجھتا ہے۔ لوگوں کی خواہش پر نماز مولانا نے پڑھائی اور عربی میں خطبہ دیا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ عطّار سے ملاقات

یہاں (مسجد) میں منطقۂ مکہ مکرمہ تعلیمات کے ڈائرکٹر ڈاکٹر مصطفیٰ عطّار مل گئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ مصطفیٰ عطار حجاز کے مشہور ادیب اور مصنف استاد احمد عبد الغفور عطّار کے بھتیجے ہیں جو مولانا کے قدیم ترین حجازی دوستوں میں سے ہیں اور ان سے اور ندوہ سے گہرے روابط رکھتے ہیں۔ ۱۹۵۰ء کے طویل قیام حجاز کے دوران وہی مکہ مکرمہ کے ادبی حلقوں میں تعارف و ملاقات کا پہلا ذریعہ بنے تھے۔ مصطفیٰ عطّار یہاں مطالعہ اور مزید علمی ترقی کے لئے آئے ہوئے ہیں۔

مصطفیٰ عطّار نے خواہش ظاہر کی کہ ندوہ کے دراسات علیا کے نصاب

کی ایک کاپی فراہم کی جائے۔ ان کی رائے تھی کہ سعودی طلباء جو دراسات علیا کے لئے ملک کے باہر بھیجے جاتے ہیں ان میں کچھ کو ندوہ بھی بھیجا جانا چاہئے تاکہ علمی و تربیتی دونوں حیثیتوں سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ ہمارے پاس نصاب کی ایک کاپی تھی اس کو بعد میں زیراکس (طباعتی نقل) کرا کے ان کو بھجوا دی۔ امریکہ میں فوٹو اسٹیٹ کرنے کی اس صورت کا عام رواج ہے۔ دفتر دفتر زیراکس مشینیں رہتی ہیں کتب خانوں میں بسہولت مسودات اور دیگر ملتے جلتے کاغذات کی تصویر زیراکس مشین سے لے لی جاتی ہے بہت سی مشینوں میں سینٹ ڈالنے کا نظم ہوتا ہے اسلئے وہ خودکار ہوتی ہیں۔

جمعہ کی نماز کے بعد محمد خورشید صاحب کے مکان جانا ہوا جو کہ یہاں سے قریب ہی تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ایک گھنٹہ وہیں آرام کیا پھر وہ ڈمیر ڈاکٹر مطیع صدیقی کے مکان پر واپسی ہوئی۔

حجاز و ہندوستان کے خطوط کا انتظار اور آنکھ کے آپریشن کا مسئلہ

واپسی کی عجلت اس لئے تھی کہ ہندوستان یا حجاز سے اہل تعلق کے خطوط کا انتظار تھا جن سے فلاڈلفیا میں آنکھ کے آپریشن کرانے میں مولانا کو رائے قائم کرنے میں مدد لینا تھی۔ اس لئے کہ ابھی تک اس بارے میں تردد ہے۔ وطن اور اصل اہل تعلق سے اسقدر دور، غیر ملک پھر اس کے اسپتال کے اجنبی ماحول میں زیادہ اخراجات کے ساتھ آپریشن کرایا جائے جس کی ہر کس و ناکس تائید بلکہ تاکید کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس وقت دنیا میں امریکہ سے بہتر علاج

کا بندوبست کہیں نہیں، یورپ بھی بہت پیچھے ہے، یا ہندوستان میں آپریشن کرایا جائے جس میں علاج کا معیار تو کم ہوگا لیکن ثقافتی سہولتیں اور کفایت ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کے مکان پر عصر سے قبل پہونچنا ہوا لیکن خطوط کہیں سے نہیں آئے تھے اب جمعہ کے بجائے کل صبح سنیچر کو واشنگٹن جانا طے ہوا۔

بذریعہ کار واشنگٹن روانگی

شنبہ ۲۵ جون

صبح جانے کے وقت سید مظہر حسین صاحب مع اپنی اہلیہ اور اپنے ایک چھوٹے بچے عامر سلمہٗ کے ساتھ جو غالباً ۶۔۷ سال کے ہوں گے پہونچ گئے۔ ہم لوگ تیار ہوکر ۸½ بجے تک ان کی کار میں بیٹھ گئے۔ سید صاحب خود ڈرائیور کررہے تھے۔ ان کی اہلیہ ساتر لباس میں ان ہی کے قریب کی سیٹ پر تھیں اور ان کے پاس عامر میاں تھے۔ عامر میاں اچھا ذہین بچہ ہے ماں باپ کو بھی اپنے اس بچے سے کچھ زیادہ ہی تعلق ہے۔ مولانا مدظلہٗ اور ہم پیچھے کی نشست میں بیٹھے۔

راستے کے پل اور ہائی ویز اور ان کا ٹول

سید مظہر صاحب نے دو ڈمیر سے نیویارک کے اندر کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے باہر کا ساحلی راستہ اختیار کیا اور جلد ہی اکسپریس وے پھر ہائی وے پر آگئے۔ یہ راستہ ویرازانو برج[1] (VIRRAZANO NARROWS —

[1] ویرازانو اس شخص کا نام تھا جس نے مین ہاٹن جزیرہ کے سامنے سمندر کی جانب (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۴ پر)

BRIDGE) سے گذرتا ہے جو طویل ترین پل ہے اور دو کھمبوں پر قائم ہے اس کا طول ۴۲۶۰ فٹ ۴/۳ کیلومیٹر ہے پھر ایک اور پل طے کرکے نیویارک اسٹیٹ سے نیوجرسی اسٹیٹ میں آگئے۔ یہاں سے ہائی وے شہر کے بیرونی علاقے سے گذرنے لگی۔ ہر ۱۰۔۲۰ میل پر سروس ایریا — SERVIS ARIA (استراحت گاہ) ملتے تھے۔ لیکن ہم لوگوں کو راستہ میں کہیں رُکنے کی ضرورت نہیں۔ راستہ مسلسل شاداب اور دونوں طرف سرسبز زمینوں سے گھرا ہوا ملتا گیا اور چھوٹے بڑے مقامات کے لئے کچھ کچھ فاصلے پر راستے نکلتے رہے۔ ایسے ہر راستے کے آنے سے کئی میل قبل اسکی تختی آجاتی تھی جو بتاتی تھی کہ فلاں گاؤں یا شہر کے لئے راستہ اتنے میل بعد آئے گا۔ وہ جگہ آنے پر ایک بغلی راستہ علاحدہ ہوجاتا تھا جو اگر دائیں طرف جاتا ہو تو علاحدہ ہوکر اپنی سمت چلا جاتا تھا اور اگر بائیں طرف جانا ہو تو وہ دائیں طرف علاحدہ ہوکر پھر مڑکر پل کے ذریعہ اوپر سے نکل جاتا تھا اور اس طرح کہیں کراسنگ کا مسئلہ پیش نہیں آتا تھا۔ ہائی وے ۱۲ سے ۱۶ لائنوں تک چوڑی تھی۔ نصف لائنیں آنے کی تھیں اور نصف جانے کی اور درمیان میں چھوٹی سی ریلنگ ایک طرف سے دوسری طرف جانے سے مانع بنتی تھی۔ رُخ بدلنے کے لئے بغل سے نکلنے والی سڑک کے ذریعہ پل پر سے ہوتے ہوئے دوسرے رُخ والی سڑک پر آنا پڑتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳) ایک چھوٹا جزیرہ دریافت کیا جسکا نام اسٹیٹن آئی لینڈ (STATEN ISLAND) ہے جو کہ اب نیویارک سٹی کا جزء ہے، یہ طویل اور بھاری ترین پل اس جزیرہ کو نیویارک سٹی لانگ آئی لینڈ جزیرہ سے ملاتا ہے۔

تھا۔ راستہ میں بڑے شہروں میں سے فلاڈلفیا اور بالٹی مور گذرے لیکن سڑک ان کے باہر سے فاصلہ دے کر نکلی۔ درمیانی مقامات کے لئے ہائی وے کے پہلو سے سڑک نکلتی تھی ایسی اہم ہائی وے پر سے گذرنے والے ٹریفک کو ٹیکس دینا پڑتا ہے چنانچہ نیو جرسی اسٹیٹ سے نکلنے سے قبل ٹیکس لیا گیا جو ٹول (TOL) کہلاتا ہے اور اس ہائی وے کو ٹرن پائک (TURN PIKE) کا نام دیا جاتا ہے، ٹرن پائک کا ٹول لینے کے لئے ایک اسٹیٹ سے دوسری اسٹیٹ منتقل ہونے پر سڑک کی ہر لائن پر چھوٹی چوکی بنی ہوتی ہے جس کی وجہ سے بلا تاخیر بیٹھے بیٹھے یہ کام ہوجاتا ہے اور ایک منٹ سے کم میں موٹر اپنے سفر میں رواں ہوجاتی ہے۔

واشنگٹن پہونچنے پر مظہر حسین صاحب کے مکان پر قیام

۴ بجے کے بعد واشنگٹن پہونچنا ہوا، واشنگٹن شہر کسی اسٹیٹ کا جزء نہیں ہے بلکہ ایک مستقل ڈسٹرکٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ڈسٹرکٹ آف کولمبیا (DISTRICT OF COLUMBIA) کی زمین پر بسایا گیا ہے اس لئے اس کے نام کیساتھ ڈی سی کا لفظ لگتا ہے اس کی وجہ سے اس کے نام میں اور امریکہ کے شمال مغربی ساحل پر واقع واشنگٹن اسٹیٹ کے نام میں فرق ظاہر کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد کئی صوبوں سے گھرا ہوا ہے۔ واشنگٹن اور ورجینا اسٹیٹ کے شہر ارلنگٹن (ARLING-TON) کے درمیان دریائے پوٹومیک (POTOMAC) حائل ہے جس پر بنے ہوئے پل دونوں شہروں کو ملائے ہوئے ہیں اور وہ دونوں دیکھنے میں ایک ہی شہر معلوم ہوتے ہیں حالانکہ صرف شہر ہی نہیں بلکہ اسٹیٹ کا بھی فرق ہے۔

Verrazano - Narrows Bridge

سید مظہر حسین صاحب کے لڑکے ارلنگٹن کے ایک محلہ میں رہتے ہیں۔ ان کی قیام گاہ ایک فلیٹ میں ہے۔ ایک کا نام آصف حسین اور دوسرے کا عارف حسین ہے۔ امریکہ میں میڈیکل تعلیم پر اصل غلبہ یہودیوں کا ہے اس کے بعد بقیہ امریکیوں کا۔ امریکہ سے باہر کے طلباء کا اس تعلیم میں قبول کیا جانا بہت ہی غیر معمولی واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ موقع مظہر حسین صاحب کے بیٹے آصف صاحب کو بھی مل گیا چنانچہ جب مظہر صاحب کو واشنگٹن چھوڑنا پڑا تو انہوں نے یہاں قیام گاہ برقرار رکھی اور خود امریکہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر امریکہ ہی میں دوسری ملازمت کرلی۔ ہم لوگ جب اس قیام گاہ پر پہونچے تو مظہر صاحب کے دونوں صاحبزادگان موجود تھے۔ بہت اخلاق سے ملے مظہر صاحب کی اہلیہ کچھ کھانا اپنے ساتھ نیویارک سے تیار کر کے لائی تھیں اور کچھ یہاں کچن میں تیار کیا اور تھوڑی ہی دیر میں دسترخوان لگا اور ہم لوگوں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد آرام کیا۔ اب عصر کے وقت یہاں سے نکلنا ہے۔

اسلامک سنٹر واشنگٹن

اسلامک سنٹر میں بعد مغرب ۷ بجے اجتماع ہے جس میں مولانا کی تقریر ہے۔ واشنگٹن کا یہ اسلامی سنٹر مشہور سنٹر ہے اس کی مسجد بہت شاندار ہے اور مختلف اسلامی ملکوں کے تعاون سے بنی ہے۔ شاندار اور ایک منارے کی عمارت اندر بہترین قالینوں کا فرش اور اچھا اور ستھرا طرز ہے، اس کے ساتھ ایک اچھی لائبریری اور اسلامی دلچسپیوں کے دیگر سامان موجود ہیں اس کے موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد عبدالرؤف

ہیں۔ جو کہ مصری ہیں۔ اس مرکز کی علمی و ثقافتی سرپرستی مصر ہی کی طرف سے رہتی ہے۔ موجودہ ڈائرکٹر کے متعلق تجدّد پسندی کی شہرت ہے اور مسلمانوں کا صالح اور صحیح خیالات رکھنے والا طبقہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے قبل مصر کے ایک بڑے عالم شیخ سلیمان دنیا یہاں کے ڈائرکٹر تھے جو مصر کی طرف سے یہاں کے لئے طے کردہ پالیسی اور خیالات سے متفق نہ ہو سکے اس لئے ان کو چھوڑنا پڑا چھوٹنے کے بعد ان کو رابطہ عالم اسلامی نے جرسی سٹی کے اسلامک سنٹر کا ڈائرکٹر مقرر کر دیا۔ اس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں جرسی سٹی کے جلسہ کے موقع پر آچکا ہے۔ شیخ سلیمان دنیا یہاں کے گوشت کے سلسلہ میں بھی وہی سخت رائے رکھتے ہیں جو ہمارے ہند و پاک کے علماء کی ہے۔ واشنگٹن کا یہ اسلامک سنٹر یہاں کی ایک مشہور سڑک مساچوسیٹس اوینیو پر واقع ہے۔ اس سڑک پر اسلامی ممالک کے سفارت خانے ہیں۔

مغرب کے قریب اسلامی سنٹر پہونچنا ہوا۔ راستہ میں واشنگٹن کے کئی اہم مقامات دکھائی دیے لیکن ان سب کو اطمینان سے انشاء اللہ اگلے روز دیکھنا ہے۔ اس لئے اس وقت تو یہی پروگرام کافی ہے۔

جلسہ اور مولانا کی تقریر

مغرب کی نماز کے بعد سنٹر کے لکچر ہال میں جلسہ شروع ہوا۔ ایم۔ ایس۔ اے کی مقامی شاخ کے صدر نے کنڈکٹ کیا اور سید مظہر حسین صاحب نے مولانا کا تعارف کرایا۔ سلیقہ کا اور مناسب تعارف تھا جس میں ایک حد تک تعلق و محبت کا

بھی اظہار ہوتا تھا اور حاضرین کے سامنے مولانا کی خصوصیت کی صحیح وضاحت بھی۔ کنڈکٹ بھی دراصل سید مظہر صاحب ہی کرنے والے تھے لیکن ایم۔ ایس۔ اے کے مقامی صدر کی موجودگی میں انہی مظہر صاحب نے ترجیح دی۔

مصری قاری نے سورہ کہف کا رکوع "واضرب لهم مثلا الرجلين جعلنا لاحدهما جنتين الخ" تلاوت کی۔ مولانا نے انھیں آیتوں کو اپنی تقریر کی بنیاد بنایا اور کہا اور ان دو باغ والوں کے ساتھی کے اس قول کا حوالہ دیتے ہوئے کہ "تم جب اپنے باغ میں داخل ہوتے ہو تو ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ (سب اللہ کی مشیت پر منحصر ہے اور کسی میں کوئی طاقت نہیں ہے) کیوں نہیں کہتے" مولانا نے کہا کہ خدا نے امریکہ کو سب کچھ دیا ہے اس کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے، مگر خدا شناسی اور ایمان کی اس دولت سے وہ محروم ہے جو اس سے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" کہلائے نتیجہ یہ ہے کہ امریکی قوم نے اپنے کو ان نعمتوں کا حقیقی مالک اور خالق سمجھ لیا ہے اور وہ اس میں آزادانہ تصرف کرتی ہے، مولانا نے کہا کیا وجہ ہے کہ امریکہ بیسیوں ملکوں کی بڑی فیاضی اور فراخدلی سے مدد کرتا ہے، ان کو اسلحہ، آلات اور بعض اوقات غلّہ اور غذائی سامان بھی مہیا کرتا ہے لیکن وہ اس کے شکر گذار نہیں اور موقع ملتے ہی اس سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے امریکہ بڑا بد قسمت ملک ہے کہ کوئی اس کا احسان نہیں مانتا۔ وجہ یہ ہے وہ جو کچھ کرتا ہے خلوص و بے غرضی سے نہیں کرتا، سیاسی مقاصد سے کرتا ہے اور ملکوں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے برخلاف انبیاءؑ نے جو کچھ کیا وہ خلوص کے ساتھ کیا۔ آج تک دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ ان کا کلمہ پڑھتا ہے۔

مجھے خوشی اور فخر ہے کہ میں یہ باتیں "وہائٹ ہاؤس" سے تھوڑے فاصلہ پر اور اس کے زیر سایہ کہہ رہا ہوں۔

تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ رہا جو عربی اور اردو دونوں میں چلتا رہا۔ یہاں بالٹی مور کے ساجد حسین صاحب بھی اپنے بیٹے کے ساتھ آ گئے تھے۔ یہاں ملاقات پر اپنے والد صاحب کا خط دکھایا جس میں اس بات پر خوشی کا اظہار تھا کہ مولانا ان کے مکان پر ٹھہرے۔ بالٹی مور یہاں سے قریب ہے اس لئے ساجد صاحب کو یہاں آنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ ایم۔ ایس۔ اے کے پریس کے منیجر بھی یہاں ملے۔ یہ پریس واشنگٹن ہی میں ہے اور اس کے منیجر ایم۔ ایس۔ اے ہی کے ایک کارکن ہیں۔ یہ حیدر آباد کے ہیں اور یہاں ایک عرصہ سے مقیم ہیں۔ اسلامی سنٹر کے ڈپٹی ڈائرکٹر بھی ملے۔ اور انہوں نے سنٹر کے بعض شعبے دکھائے لیکن وقت کی کمی اور رات ہونے کے باعث سب نہیں دکھا سکتے تھے اس لئے اسی پر اکتفا کی۔ عشاء تک قیام گاہ واپسی ہوئی۔ واشنگٹن کا شہر طے کرتے ہوئے دریا کے پل سے گذر کر ارلنگٹن (ARLINGTON) میں داخل ہوئے۔ پل پر سے سامنے لب دریا واٹرگیٹ کی عمارت اور اس کے پیچھے کئی قومی و سرکاری نوعیت کی عمارتیں پس منظر میں نمایاں تھیں۔ آج ان سب کو دور ہی سے دیکھا۔

واٹرگیٹ کا مشاہدہ

اگلے روز ۱۰ بجے دن میں مولانا، ہم اور سید مظہر حسین صاحب روانہ ہوئے۔ ان کے صاحبزادگان اپنے کاموں پر روانہ ہو گئے تھے اس لئے صرف ہم تین ہی تھے
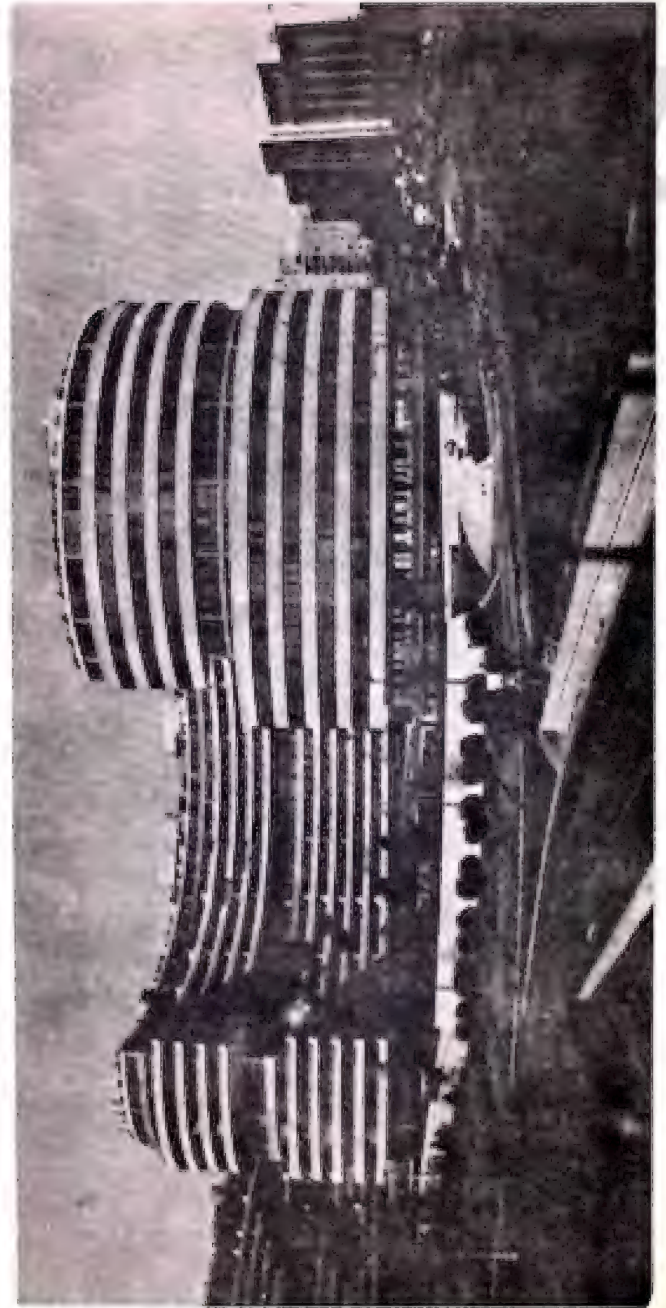
واٹرگیٹ عمارت : عمارت کا دوسرا کونہ دریا کے ساحل پر

سیوں تھے۔ درمیان کا پل پار کر کے واشنگٹن شہر میں آگئے اور سب سے پہلے واٹر گیٹ کے سامنے سے گذرے۔ یہ ایک خوبصورت چھجّے دار کئی منزلہ عمارت ہے۔ لب دریا ہونے کے باعث شبہ ہونے لگتا ہے کہ ایک خاص ڈیزائن کا بڑا اسٹیمر کھڑا ہے۔ سامنے نکلے ہوئے اس کے کئی منزلہ چھجّے اور ہلالی اور گول شکل کے اس کے موڑ اس طرح کی جھلکی پیش کرتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ دراصل ہوٹل کی عمارت ہے۔ اس کے کمروں میں مختلف اداروں کے دفاتر ہیں۔ انہی میں نکسن کی مخالف پارٹی ڈیماکریٹک پارٹی کا دفتر تھا جس کا اسوقت کا نمائندہ جیک گوان تھا جس کو ریپبلکن پارٹی کے نمائندے نکسن سے شکست ہوئی تھی اس شکست کے اسباب کے سلسلہ میں ایک اخبار نے کچھ عرصہ بعد نکسن پر الزام لگایا کہ انہوں نے اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھا کر مخالف کنڈیڈیٹ کے پارٹی آفس سے خفیہ کاغذات کی جاسوسی کی اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ عدالت میں مقدمہ دائر ہوا اور نکسن کو اس کے کئی مرحلوں میں شکست اور ذلّت ہوئی بالآخر استعفا دینا پڑا۔ اس واقعہ میں جہاں امریکہ کے ایسے بڑے عہدہ پر فائز شخص کی ایسی بددیانتی سامنے آتی ہے وہاں اخبار کی آزادی اور عدالت کے بے لاگ فیصلے نیز ملک کے سب سے بڑے حاکم کا بھی عوامی فیصلہ کے سامنے ناگواری اور تکلیف کے باوجود سر جھکا دینا بھی ایک قابل تعریف پہلو ہے ورنہ ہمارے ملک میں تو ہائی کورٹ کے فیصلہ کے بعد بھی ہر طرح کا جتن کر کے اقتدار باقی رکھا گیا اور اقتدار چھوڑنے کا مطالبہ کرنے والوں کو سزا ہی نہیں دی گئی بلکہ ان کے ہم قوم کروڑوں آدمیوں کی زبان اور ضمیر کو کچلنے کے لئے ایمرجنسی نافذ کر دی گئی، اور

اگر خدا کا فیصلہ تبدیلی کا نہ ہوتا تو انتخابات کی آزادی اور اس کے صحیح نتائج سے بھی قوم ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی، امریکہ کی بُری باتوں کو خوب بُرا کہنے کے ساتھ اس کی ان باتوں سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے جن سے جمہوریت، ملک کی ترقی، علم و صنعت میں امتیاز کا کھُلا مظاہرہ ہوتا ہے۔

شہر واشنگٹن

واشنگٹن کا شہر سنہ ۱۸۰۰ء سے تین چار سال قبل تعمیر کیا گیا اور اسی وقت سے ملک کا پایۂ تخت بنا۔ اس شہر کی آبادی شروع میں صرف مرکزی حکومت میں کام کرنے والوں پر مشتمل تھی۔ آہستہ آہستہ حسب ضرورت بڑھی اب ۷½ لاکھ سے زیادہ ہے اور شہر بھی زندگی کی جملہ ضرورتوں کے مطابق سہولتوں اور وسائل اور بازار پر مشتمل ہے۔ اکتوبر ۱۸۷۱ء میں ایک بھیانک آگ لگنے سے ۱۸ ہزار مکانات، ہوٹل، دکانیں، گرجا، ریلوے اسٹیشن اور سرکاری دفاتر جو تقریباً ساڑھے تین میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے تھے بالکل تباہ ہو گئے تھے، لیکن لوگوں نے ہمت نہیں ہاری اور اسے گذشتہ شہر سے بھی زیادہ خوبصورت اور پر رونق بنا دیا۔ پونے دو سو سال کی حکمرانی کے آثار اس شہر کی زینت بنے۔ شہر پلاننگ اور سلیقہ مندی سے بسایا گیا ہے۔ یہ نہ صرف امریکہ میں بلکہ دنیا کے ملکوں کے پایۂ تخت شہروں میں بھی امتیاز رکھتا ہے۔ اس کا نام اس کے بانی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی آزادی کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کے نام پر رکھا گیا۔ اس کا پارلیمنٹ ہاؤس جس کو کیپٹال (CAPITAL) کہتے ہیں نہایت بلند اور خوبصورت گنبد کے ساتھ

ایک بلند جگہ پر قائم ہے اس کا سنگ بنیاد بھی شہر کی بنیاد کے ساتھ رکھا گیا۔ یہ ہال اپرا ہاؤس اور پارلیمنٹ کے ضروری شعبوں اور حصوں پر مشتمل ہے۔ کیپٹال جاتے ہوئے واشنگٹن کی دو اہم یادگاریں لنکن میموریل (LINCOLN MEMORIAL) اور واشنگٹن مانومنٹ (WASHINGTON MONUMEMENT) ملتی ہیں، اول الذکر مشہور صدر امریکہ ابراہیم لنکن کی یادگاروں کا میوزیم ہے اور ثانی الذکر ۵۵۵ فٹ بلند مینار ہے جو سنگ مرمر کے چکنے پتھروں سے بنا مربع شکل میں ایک کھلی جگہ پر کھڑا ہے۔ اس کی پانچ سو فٹ بلندی پر جانے کے لئے اندر سیڑھیاں ہیں جن پر چڑھ کر اوپر سے سارے شہر کا نظارہ ہوتا ہے۔ ان دو یادگاروں سے آگے بڑھ کر پریسیڈنٹ آفس کی عظیم عمارت ملتی ہے جو خوبصورت اور خاص طرز تعمیر کی کئی منزلہ بنی ہوئی ہے۔

وہائٹ ہاؤس اور اس کا مکین

اسی کے پہلو میں وہائٹ ہاؤس ہے جو صدر کی رہائش گاہ ہے۔ یہ ایک سفید رنگ کا اور دو منزلہ سادہ بنگلہ ہے۔ یہ ۱۸۰۰ء سے ذرا قبل ہی تیار کر لیا گیا تھا اور اس میں اس وقت سے جتنے صدر ہوئے جارج واشنگٹن کے سوا سب نے قیام کیا، اس کو انگریزوں نے ۱۹ ویں صدی کی ابتدا ہی میں تباہ کر دیا تھا پھر دوبارہ مرمت اور درستگی کی گئی اور ابھی کچھ مدت قبل اس کو تقریباً از سر نو ٹھیک کیا گیا اور نئی مرمت و تعمیر کی گئی۔ اس مرمت و تعمیر جدید میں اس پر ۶۰ لاکھ کا خرچ آیا۔ اس عمارت کا ظاہری منظر ستھرا، سلیقہ مندانہ اور کھلی عمارت کا ہے جس کے سامنے اور اردگرد مناسب لان بھی ہیں اور ان کے گرد لوہے کے قدآدم کٹہرے ہیں جن میں آمد و رفت

کے لئے کسی جگہ پھاٹک ہیں ان پر سنتری ہیں لیکن حفاظتی عملہ یا طاقت وشوکت کا مظاہرہ نہیں ہے۔ لوگ آتے ہیں اور کٹہرے کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں اور عمارت کی تصویر بھی لیتے ہیں ۔ بعض بعض لوگ وہیں فٹ پاتھ پر تختیاں لئے ہوئے مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ ہم جس وقت پہونچے تو وہاں دو ایک یورپین اپنے ملک کے خلاف تختیاں لئے ہوئے بھوک ہڑتال کا پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ عمارت کے سامنے کے لان میں ہیلی پیڈ بھی ہے جس پر حسب ضرورت صدر کا ہیلی کاپٹر مہمان یا صدر کو لا اور لے جا سکتا ہے۔ جن دنوں ہمارا امریکہ ہی میں قیام تھا، یہاں وہائٹ ہاؤس میں بغیر اجازت ایک شخص صدر کے آفس میں چلا گیا تھا اور صدر سے اسی کے عملہ کے ایک شخص کا پتہ پوچھنے لگا تھا، صدر نے اس کا پتہ سکون کے ساتھ بتا دیا اور کوئی مزاحمت یا نکیر نہیں کی لیکن معاملہ خاصا سنگین تھا اس لئے پارلیمنٹ میں اس کا تذکرہ ہوا، اور بحث ہوئی۔

وہائٹ ہاؤس دیکھنے میں تو شہر کی ایک سلیقہ مند اور عام عمارت معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی چہار دیواری کے اندر دنیا میں بڑی اور دور رس تبدیلیوں کی کاروائیاں ہوتی ہیں، ور وہ ہاٹ لائن ہے جو دنیا کے تقریباً اسی سطح کے دوسری عمارت سے جس کو رڈ ہاؤس کہنا چاہیئے، ہمہ وقت اس مکان کو مربوط رکھتی ہے یہ دونوں ہاؤس اپنے سے کمزور قوموں اور ملکوں کی قسمت کے فیصلے اپنی خود غرضانہ اور ذاتی مصلحت شناسی کی روشنی میں کرتے رہتے ہیں۔ جب تک ان دونوں کے مالکوں اور ان کے وہائٹ ہاؤسوں کو زوال نہیں ہوتا بظاہر اس وقت تک دنیا کے پیچیدہ مسائل حل ہونا مشکل ہیں۔ امریکہ کے وہائٹ ہاؤس کے مکین کے طرز انتخاب

کے لئے جو دولت صرف کیجاتی ہے اس کا اندازہ دس سے بیس ملین ڈالر یعنی ڈیڑھ کھرب روپے بتایا گیا ہے جس کا فائدہ صرف اسی قدر ہے کہ چار سال کے لئے اس مکان کا مکین ایک امریکی کے بجائے دوسرا امریکی ہو جائے اور بس۔ اس مکان کے مکین یعنی صدر امریکہ کا سالانہ مشاہرہ ۲ لاکھ ڈالر ہے جس کے ساتھ پچاس ہزار ڈالر ضمنی اخراجات کے لئے چالیس ہزار ڈالر سفروں اور دفتر سے متعلق اخراجات کے لئے ملتے ہیں۔ البتہ نائب صدر کو کل ملا کر صرف بہتر ہزار ڈالر سالانہ ملتے ہیں۔ وہائٹ ہاؤس کی عمارت پنسلوانیا اوینیو (PINSYLVANIA AVENUE) نامی سڑک پر واقع ہے۔ یہاں متعدد سڑکیں امریکہ کی مختلف اسٹیٹس کے ناموں پر ہیں۔ انہی میں یہ نام بھی ہے۔ وہائٹ ہاؤس دیکھ کر ہم لوگ آگے بڑھے تھوڑے ہی فاصلہ پر فٹ پاتھ کے قریب کھڑے ایک اسٹال سے ٹھنڈا مشروب لے کر پیا اس اسٹال کا مالک گونگا بہرا تھا، اشاروں میں یہ سب بیع و شراء کر رہا تھا اور ایسے مہذب طریقے سے کہ غور کرنے کے بعد ہی پتہ چلتا تھا کہ یہ شخص سن بول نہیں سکتا۔

سڑکوں پر کچھ پھینکنے کا جرم

اس مشروب کے خالی ڈبے موٹر کے اندر ہی ڈال دیئے کیونکہ سڑک پر یا نالی میں پھینک نہیں سکتے تھے۔ یہ یہاں کے شہروں میں صرف عیب ہی نہیں ہے بلکہ شہر کا انتظامیہ خاصا جرمانہ کرتا ہے۔ اور ہائی وے پر کچھ پھینک دینے پر بعض وقت پانچ سو ڈالر تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے اور ڈرائیور کی گرفتاری بھی عمل میں آسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں پولیس بہت اور فرض شناس

ہے۔ لوگوں نے ایک لطیفہ سنایا کہ ایک تیز رو موٹر سوار کا پولیس نے پیچھا کیا اور ایک خاصا فاصلہ طے کرکے ایک جگہ اس کو پکڑا، اور اس کو بتایا کہ وہ اتنے فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہا ہے کیونکہ وہ مقررہ رفتار (یعنی ۵۵ میل فی گھنٹہ) سے زیادہ رفتار سے گاڑی لے جا رہا تھا لہذا تیس ڈالر جرمانہ ادا کرے اس پر وہ موٹر سوار ذرا جھنجھلائے ہاتھ میں سگریٹ تھا اس کو اظہار بیزاری کرتے ہوئے سڑک پر پھینک دیا۔ پولیس کے آدمی نے فوراً کہا کہ ۵۰ ڈالر مزید اس لٹرنگ LITTERING (زمین پر کوئی استعمال شدہ چیز پھینکنے) کے بھی دیجئے۔

امریکی پارلیمنٹ کی عمارت کیپٹال

یہاں سے ہم لوگ کیپٹال گئے۔ یہ امریکہ میں اسمبلی یا پارلیمنٹ کی عمارت کے لئے اصطلاح ہے۔ یہ اسٹیٹس کی اسمبلی ہاؤسوں کے لئے اور یہاں پارلیمنٹ کے لئے مستعمل ہے۔ کیپٹال کی کرسی خاصی بلند ہے، عمارت کے وسطی حصہ پر ایک بلند گنبد ہے جو زمین سے ۲۵۰ فٹ بلندی رکھتا ہے۔ اس کی عمارت ۷۵۱ فٹ طول میں اور ۳۵۰ فٹ عرض میں پھیلی ہوئی ہے۔ گنبد کی نچلی چھت پر تصویریں بنی ہوئی ہیں جو یہاں کی قومی تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں۔ عمارت کی گیلریوں اور بعض کمروں میں تاریخی یادگاریں ہیں اور قومی تاریخ سے تعلق رکھنے والے مناظر اور دالانوں میں مشاہیر کے مجسمے ہیں۔ عمارت کے دائیں بائیں حصوں میں کانگریس ہال اور اپر ہاؤس ہال ہیں جن میں ارکان کے لئے مناسب سیٹوں کا انتظام ہے، دونوں ہالوں کی اوپری گیلریوں سے ہالوں کو دیکھا یہاں جو روایتی انداز

نظر آیا اس سے امریکہ جیسے جدت پسند اور دولت مند ملک کا اندازہ نہیں ہوتا۔ کانگریس ہال میں اسپیکر کی نشست کے سرہانے دیوار پر خدا کے نام سے تعلق کے الفاظ (IN GOD WE TRUST) درج تھے۔ دونوں ہالوں کو دیکھ کر ہم لوگ واپس نیچے آئے۔

امریکی کیپٹال کے باہر قریب ہی کانگریس لائبریری اور سپریم کورٹ کی عمارتیں ہیں، کانگریس لائبریری دنیا کی بہترین اور عظیم لائبریریوں میں شمار کی جاتی ہے یہ اصلاً صدر و ذمہ داران حکومت نیز ارکان پارلیمان کی ضرورت کے لئے قائم کی گئی ہے اور اپنی متعدد خصوصیات میں دنیا میں ممتاز ہے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے اس کی باقاعدہ سیر و استفادہ ممکن نہ تھا چنانچہ وہاں سے نکل کر واشنگٹن کے ریلوے اسٹیشن کی عمارت پر نظر ڈالتے ہوئے قیامگاہ پر واپس آگئے۔

امریکہ کی تمدنی وسعت اور بعض اعداد و شمار

امریکہ کے تمدن کی ترقی و وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پورے ملک میں صبح و شام ملا کر ۱۷۶۴ روزنامے نکلتے ہیں جن کے قارئین کی تعداد ۶ کروڑ بتائی جاتی ہے[1]۔ کاروباری سطح کے ریڈیو اسٹیشنوں کی تعداد سات ہزار سے اوپر ہے جن میں سات سو ٹیلی ویژن بقیہ ریڈیو ہیں۔ سنہ ۱۹۷۳ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں چھوٹے بڑے سب ملا کر دس ہزار ہوائی مستقر ہیں جن میں سے دو سو پچاس تنہا نیویارک اسٹیٹ میں ہیں۔ ملک میں سات لاکھ سے زیادہ ہوا باز رجسٹرڈ ہیں جن میں ۳ لاکھ کے قریب نجی پروازوں کے لئے ہیں۔ شہری ضرورت کے لئے پرواز کرنے

---

[1] اخبار کے حجم کے بارے میں تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

والے جہازوں کی تعداد پونے دو لاکھ ہے۔

تمدن کی خرابیوں کے اعداد وشمار ۷۳ء کی رپورٹ حسب ذیل معلومات فراہم کرتی ہے :۔

قتل اوسطاً ایک لاکھ سے زیادہ ،

عصمت دری پانچ لاکھ سے زیادہ ،

لوٹ مار کے واقعات چار لاکھ کے قریب ،

دیگر جرائم کی فہرستیں اس کے علاوہ ہیں۔

امریکن آبادی کا اندازہ ۷۵ء میں ۲۱ کروڑ ۳۶ لاکھ بتایا گیا ہے جن میں ۱۸ کروڑ سے زیادہ سفید فام، تین کروڑ سے زیادہ سیاہ فام اور دیگر اقسام ہیں۔

شہر کی سیر سے واپس آکر قیام گاہ پر ظہر کی نماز ادا کی اور تقریباً ۲½ بجے نیویارک کے لئے واپس روانہ ہوئے۔

نیویارک واپسی کے دوران سروس ایریا پر وقفہ

حسب سابق ہائی وے ہی سے نیویارک واپس جانا تھا لہٰذا پہلے تو شہر سے نکلنے والی ایکسپریس وے سے واشنگٹن بلٹ[1] پر آئے۔ یہ بلٹ پورے شہر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ شہر کی ساری سڑکیں اس میں آکر ملتی ہیں اور یہ بلٹ ایکسپریس وے کے ذریعہ ہائی وے سے جا کر ملتی ہے۔ ہائی وے پر موٹر کی رفتار

[1] تمام بڑے شہروں کو باہر سے ایک سڑک سے گھیر دیا گیا ہے۔ باہر کی سڑک اور اندر کی سڑکیں اس سے ملتی ہیں، اس کو بلٹ کہتے ہیں۔

۵۵ میل فی گھنٹہ کی مقرر ہے۔ اندازہ یہ تھا کہ مغرب تک نیویارک پہونچنا ہوگا، عصر کی نماز راستہ میں کسی سروس ایریا پر ادا کرنا ہوگا اس موقع سے اگر ضرورت ہوئی تو چائے یا ٹھنڈا مشروب پی لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ نیویارک سے تقریباً ۵۰ میل قبل ایک سروس ایریا پر رکنا ہوا۔

ہر کام پیسے سے

وضو کے لئے وہاں کے واش بیسن (منھ دھونے کی جگہ) پر گئے۔ چار چھ برابر برابر بیسن لگے تھے اور انہی کے قریب چار پانچ لیٹرن (استنجا خانے) بنے تھے جن کے کواڑ کھل اور بند ہو سکتے تھے۔ ان میں سے کئی میں آٹومیٹک قفل لگے تھے جو پیسے ڈالنے سے کھلتے تھے اس کو دیکھ کر امریکی تاجرانہ ذہنیت کا خیال تازہ ہوگیا۔ یہاں ہر کام پیسے سے ہوتا ہے۔ کوئی کام محض انسانی ہمدردی کے جذبے سے نہیں ہوتا۔ اگر محض انسانی جذبہ سے کوئی کام نظر آتا ہو تو جستجو اور تحقیق کے بعد اسکے پیچھے کوئی دنیاوی منفعت ہی ملے گی حکومت وقت بھی انسانی کاموں کے نام پر بھی پبلک سے رقم ان کی آمدنی کے لحاظ سے لیتی ہے اور اسکے عوض ان کی واقعی مجبوریوں پر ضروری مدد کرتی ہے۔ امریکہ کی یہ مادہ پرستانہ ذہنیت انسانی احساس واخلاق کے لحاظ سے قابل تنقید ہو سکتی ہے لیکن ہمارے مشرق میں انسانی جذبہ کے نام پر جو افراتفری ہے اور جو بددیانتی اور زیادتی ہے اس سے ہزار درجہ بہتر یہ صورت ہے کہ پیسہ دو ہمدردی لو۔

سید مظہر حسین صاحب کے گھڑی کی چوری

وضو کرتے ہوئے سید مظہر حسین صاحب نے واش بیسن کے اوپری کارنش پر

اپنی گھڑی رکھ دی اور وضو کرکے اٹھانا بھول گئے اور نماز کے خیال سے باہر لان پر آ گئے لیکن پہونچتے ہی یاد آیا فوراً واپس گئے تو گھڑی غائب تھی وہاں کے ملازم سے پوچھا۔ ادھر اُدھر دریافت کیا سب بے سود نکلا۔ انچارج سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ ہم خیال رکھیں گے اگر کہیں ملی تو مطلع کریں گے۔ بہرحال مایوس واپس آنا پڑا۔ ہم لوگوں کی نظر میں یہ اہم واقعہ تھا کیونکہ امریکہ کی تہذیب وتمدن کو اوپر سے دیکھنے والے کو ہماری طرح یہ حسن ظن ہوتا ہے کہ چھوٹی چیزوں کی یہ چوری کیا کریں گے لیکن لوگوں نے بتایا اور گہرے مشاہدے سے معلوم ہوا بھی کہ یہ سب بے حد چور ہیں، اور یہی کیا بلکہ دنیا کے وہ سب لوگ جو آخرت وخوف خدا سے عاری ہیں، زندگی کی کسی لغویت اور بُرائی سے دور نہیں، اور کیوں ہوں جس کو آخرت پر ایمان نہ ہو وہ یہاں کی زندگی کو کیوں محرومی اور پرہیز میں گذارے۔ چنانچہ یہ لوگ صرف یہی نہیں کہ ان برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ ان میں کچھ عیب بھی نہیں سمجھتے۔ بس ان کا اصول یہ ہے کہ پکڑے نہ جائیں، اور بُرائی کا الزام بھی نہ لگے۔ اور الزام نہ لگنے کی بات آدمی صرف اپنے متعلق چاہتا ہے، اگر یہ الزام دوسرے پر لگتا ہے یا وہ پکڑا جاتا ہے تو حرج نہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ نیویارک میں بجلی غائب ہوئی تو وہ اودھم مچا کہ الامان الحفیظ، لوگ دکانوں کو توڑ کر قیمتی اشیاء بغلوں میں دبائے جاتے نظر آتے تھے اور پولیس کسی کو پکڑتی تھی تو وہ برا مانتا تھا کہ اس میں کیا عیب ہے جیسے کہ ہمارے برصغیر میں پتنگ کٹنے پر بچوں کا ایک انبوہ جھپٹ پڑتا ہے اور پتنگ کا مالک اسکی ملکیت ثابت کرکے پتنگ واپس نہیں لے سکتا۔

جرم و چوری کی ذہنیت

یہاں اخبارات عوام کی رائے اور رجحانات کا پتہ چلانے کے لئے کچھ کچھ عرصہ کے فرق سے مختلف امور کے سلسلہ میں رائے شماری کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ملک کے چلانے کے لئے پڑھے لکھے طبقہ کو برابر عوام کے رجحانات کے رُخ اور سطح کا علم رہتا ہے جس سے حکومت اپنے نظم و سیاست میں اور تاجر اپنے طریقۂ تجارت میں فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ ایک اخبار نے یہ سوالنامہ جاری کیا کہ بتایئے آپ کو کسی وقت اگر چوری کرنے کا موقع ملے اور پکڑے جانے کا خطرہ نہ ہو تو آپ کا رویہ کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں تقریباً ۳۰۔۴۰ فیصد آراء یہ آئیں کہ ہم ضرور چوری کریں گے۔

بہرحال سید مظہر حسین صاحب کو اپنی قیمتی گھڑی کا نقصان برداشت کرنا پڑا اور ہم لوگوں کو خاص طور پر یہ ملال ہوا کہ وہ اپنے اس سفر میں جو انہوں نے ہم لوگوں کی خاطر داری میں کیا تھا اس نقصان سے دوچار ہوئے۔ بہرحال مقدر کی بات تھی۔

نیویارک واپسی

ہم لوگ آہستہ آہستہ نیویارک سے قریب ہوتے گئے اور مغرب ہونے کے بعد متصلاً نیویارک شہر کے قریب نیوجرسی کے شمالی کنارے پہونچ گئے۔ نیویارک شہر میں جانے کے دو راستے سامنے تھے یا تو پل والا راستہ اختیار کرتے جس سے

آئے تھے یا وسط شہر کو زیر سمندر جانے والی دو سرنگوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ جاتے۔ بالآخر یہی موخر الذکر صورت اختیار کی گئی اور ہم لوگ ہالینڈ ٹنل (سرنگ) کے ذریعہ مین ہاٹن میں داخل ہوئے۔ نیویارک شہر کے اس وسطی و مرکزی خطے کے عرض کو اسٹریٹ نمبر ۴۲ کے ذریعہ عبور کیا۔ یہ سڑک اپنے اول نصف حصہ میں سینما گھروں، تھیٹروں اور اسی طرح کے ہالوں سے بھری ہوئی ہے۔ جہاں ہر شدنی ناشدنی دکھائی جاتی ہے۔ مغرب و عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ روشنی کا ایک سیلاب تھا اور مجمع آزاد اور مست، بہرحال وہاں سے ہم لوگ ٹریفک کی جھنجھٹوں کو پار کرتے ہوئے مین ہاٹن کے دوسرے کنارے آئے اور پل کے ذریعہ کوئینس کے علاقہ میں اور پھر کوئینس سے نکل کر ووڈمیر پہنچے اس طرح تقریباً ۸ بجے رات کو مستقر پر پہونچنا ہوا اور یہ ۲۶ر کا دن ختم ہوا۔

۲۷ر جون ـــــــ لکھنؤ اور رائے بریلی یا حجاز سے اب تک کوئی ایسا خط نہیں آیا جس میں آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں کوئی مشورہ ہو۔ آپریشن کی تاریخ بالکل قریب آ جانے کی وجہ سے مولانا کو تشویش بڑھنا شروع ہوئی اور فیصلہ کرنے میں خاصا تردد پیدا ہو گیا لیکن انہیں احمد صاحب سے ٹیلی فون پر جب گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ فلاڈلفیا میں ڈاکٹر شیخ سے سب بات طے ہو چکی ہے، آپریشن کرانا ہی مناسب ہے۔

بہرحال جب یہ بات تقریباً طے ہو گئی کہ آپریشن کرانا ہی ہے تو لکھنؤ اس مضمون کا تار دے دیا گیا کہ جمعہ کے دن یکم جولائی کو آپریشن ہے دعا کا اہتمام کیا جائے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں تھے

ان سے عبدالغنی نور ولی صاحب کی جدہ کی فرم کے ذریعہ ٹیلی فون سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن باوجود اس کے کہ امریکہ میں رہ کر ہر ملک سے ٹیلی فون کا سلسلہ بآسانی قائم کیا جاسکتا ہے، کامیابی نہیں ہوئی بالآخر مزمل حسین صدیقی نے اس کا ذمہ لیا کہ وہ رابطہ کے دفتر اقوام متحدہ سے رابطہ کے دفتر واقع مکہ مکرمہ کو ٹیلکس بھیج دیں گے اور رابطہ سے شیخ الحدیث صاحب کو یہ اطلاع پہونچا دی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپریشن سے چند گھنٹے پہلے جب کہ مکہ مکرمہ میں رات تھی یہ پیغام شیخ الحدیث صاحب کو مل گیا اور انہوں نے اسی وقت سے خود بھی دعا کا اہتمام فرمایا اور اپنے خدام اور حاضرین مجلس کو ہدایت دی کہ حرم شریف جاکر اہتمام کے ساتھ آپریشن کی کامیابی کے لئے دعا کریں بعد میں خطوط سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم اور دوسرے مقامات پر بھی ختم و دعا کا بڑا اہتمام رہا۔

فلاڈلفیا اور شیکاگو میں ایک ماہ قیام

بذریعہ ریل فلاڈلفیا کا سفر

بہر حال بہت تردد کے بعد فلاڈلفیا جانا طے کر لیا گیا۔ یہ سفر ۲۸ر کی شام کو ریل سے کرنا مناسب معلوم ہوا، تاکہ ۲۹ر کو معائنہ وغیرہ اور ۳۰ر کو اسپتال میں داخلہ ممکن ہوسکے۔ ساجد صاحب نے ۲۸ر کی شام کو میڈیسن اسکوائر اسٹیشن پر بٹھا دیا۔ کمپارٹمنٹ اپنے نظم کے اعتبار سے ویسا ہی تھا جیسا کہ بالٹی مور سے نیویارک کے سفر میں بیان کیا گیا۔ البتہ اندر دو دو اشخاص کے گنجائش کی سیٹیں تھیں جو کہ صوفوں کی طرح تھیں۔ اس سفر میں بھی مولانا مدظلہ اور ہم تھے تیسرا آدمی کوئی نہ تھا۔ ٹکٹ فی کس ۱۴ ڈالر کا تھا جس میں نیویارک سے فلاڈلفیا تک ۹۰ میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ راستہ میں بارش کا موسم تھا اور ہلکی ہلکی پھوار پڑتی معلوم ہو رہی تھی۔ امریکہ کے مشرقی علاقہ میں بارش کا کوئی مخصوص زمانہ نہیں ہے۔ تقریباً پورے سال وقفوں وقفوں سے بارش ہوتی رہتی ہے۔

تقریباً ڈیڑھ پونے دو گھنٹے میں فلاڈلفیا پہونچنا ہوا۔ اسٹیشن پر انیس احمد صاحب آگئے تھے۔ فلاڈلفیا کا اسٹیشن بھی اچھا شاندار اسٹیشن ہے۔ یہاں بھی پلیٹ فارم

اور ریلوے لائن انڈر گراؤنڈ ہے۔ ہم لوگ اوپر چڑھ کر ہال سے ہوتے ہوئے باہر آئے۔ اس وقت سخت کڑک کے ساتھ بارش ہو رہی تھی، اسی میں ہم لوگ انیس احمد صاحب کی کرایہ کی کار پر انہی کے ہمراہ ہوٹل روانہ ہوئے، ہوٹل "ہالی ڈے اِن" ہی انتخاب ہوا لیکن یہ دوسرا ہوٹل اور اسپتال سے قریب واقع تھا اس کے ۱۵ ویں فلور پر ایک کمرے میں جگہ ملی۔

ڈاکرٹشے آئی انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ

رات کو آرام کیا ۲۹ جون کو بعض ضروری کام انجام دیے اور اہل تعلق سے ملاقات رہی اسپتال میں داخلہ ملا کمرہ نمبر ۱۴۰۴ تھا کمرہ میں دو بیڈ تھے۔ ڈاکٹر نے مولانا کے ساتھ یہ خصوصیت برتی کہ ان کی سہولت کی خاطر ہم کو بحیثیت معاون کے دوسرے بیڈ پر پورا اختیار دے دیا۔ کمرہ مختصر تھا لیکن ضرورت کی تمام چیزوں سے مرتب تھا۔ دو بستروں کے لئے علیحدہ علیحدہ ٹیلی فون اور ٹیلی ویژن چلانے کے لئے علیحدہ علیحدہ سوئچ اور منھ دھونے اور دیگر ضروریات کے لئے علیحدہ علیحدہ سامان۔ ٹائلٹ حمام مشترک تھا۔

اسپتال کا نظام اچھا اور چست تھا۔ ۲۴ گھنٹے نرسوں کی تین شفٹوں پر تقسیم تھے۔ ہر شفٹ میں دو نرسیں خبر گیری کے لئے موجود رہتی تھیں، خوش اخلاقی اور فرض شناسی سے خدمت انجام دیتی تھیں۔ اسپتال کی چیف ریزیڈنٹ (CHIEF RESIDENT) ایک لیڈی ڈاکٹر تھی جس کا نام ڈاکٹر یوونگ (Dr. MS. EVING) تھا، وہ اسپتال کے سربراہ اور ڈائرکٹر ڈاکرٹشے کی خصوصی معتمد علیہا اور اسسٹنٹ تھی۔ ڈاکرٹشے کا اسپتال پر خاصا اثر ہے اس کو سارا عملہ بہت مانتا ہے۔ ڈاکرٹشے کو مولانا سے

تعارف ایسا کرایا گیا تھا کہ ان کو مولانا کے اس کیس سے خصوصی دلچسپی ہو گئی چنانچہ آپریشن سے لے کر ڈسچارج ہونے تک انہوں نے خصوصی فکر رکھی اور اس کے اثر سے اسپتال بھی متوجہ رہا۔

آپریشن کے انتظامات اور صحت کے مختلف امتحانات

۳۰ جون کی دوپہر کو چند ابتدائی ٹسٹ کر کے مولانا کو اسپتال کے کمرہ میں منتقل کیا گیا تھا اور یہ بتا دیا گیا تھا کہ آپریشن کے اصل انتظامات صبح سویرے چار بجے سے شروع ہوں گے اور ۷½ بجے آپریشن ہوگا۔ چنانچہ صبح چار بجے ہی سے نرسوں نے کام شروع کر دیا انجکشن لگائے، ٹمپریچر لیا۔ الکٹرو کارڈیوگرام لیا، پیشاب کا ٹسٹ کیا۔ وزن اور بلڈ پریشر چیک کیا اور آخر میں گلوکوز کی بوتل چڑھانے کے لئے سرہانے لٹکا کر اس کی سوئی ہاتھ میں لگا دی گئی یہ عمل گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا اور ۷ بجے تک ان سب باتوں سے فراغت ہو گئی، سینہ پر سماعت کا آلہ لگا کر سانس اور پھیپھڑے کا عمل بھی چیک کر لیا گیا اور اس سب کا اندراج رجسٹر میں کیا جاتا رہا۔ ۷½ بجے دو ملازم اسٹریچر لائے اور اس پر خالی معظم کو لے گئے۔ یہاں اس موقع پر ہم، سید ساجد حسین صاحب اور انیس احمد صاحب موجود تھے۔ تینوں کمرے ہی میں رہے۔ سید ساجد حسین صاحب نے جمعہ کی چھٹی لے لی تھی اور سنیچر اتوار کی چھٹی پہلے سے تھی۔ تینوں دنوں کے لئے وہ فلاڈلفیا آگئے تھے تاکہ اس موقع پر موجود رہیں۔ انیس صاحب کو آپریشن کی تکمیل کے بعد اطمینان کر کے آج ہی واپس جانا تھا۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ ساجد صاحب کم از کم دو روز تو رہیں گے ورنہ ہمارے لئے ملک بھی نیا ہے اور ماحول بھی نیا اور اس

کام سے واسطہ بھی کم پڑا ہے۔ بظاہر دقت ہوتی۔ اگرچہ یہاں امریکہ میں اسپتال کا عملہ بہت فرض شناس اور مستعد نظر آتا ہے۔ مریض کو اگر کسی مدد کی ضرورت ہو تو اس کو خود نرسوں سے ہی بڑی حد تک حاصل ہو جاتی ہے۔ مولانا کو چونکہ ایک مانوس اور اپنی ضروریات کو سمجھنے والے آدمی کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے تاکیداً فرمائش کی کہ انکے ساتھ ان کی پسند کا کوئی آدمی ہو، جو ان کو نماز، وضو اور دیگر ضرورتوں میں قریبی تعاون دے سکے۔ ہم چونکہ سفر میں بھی ساتھ تھے اس لئے فطری طور پر اس کام کے لئے ہم کو منتخب کیا گیا، اور کوئی دوسرا آدمی اس طرح حاصل بھی نہ تھا۔ ہمارے تمام نقائص کے باوجود خدا کے فضل سے کام چل گیا۔ فلاڈلفیا کے متعارف مسلمان حضرات نے بھی برابر خبرگیری رکھی۔

اسپتال میں کھانے کا مسئلہ اور کوشر

اسپتال کی فیس میں مریض کا کھانا شامل تھا، لہٰذا مولانا کے لئے وہی آتا تھا اگرچہ وہ ان کے پسند کے مطابق نہیں ہوتا تھا۔ ہم جن اشیاء کو ناشتہ کی چیز محسوس کرتے ہیں اس طرح کی چیزیں یہاں امریکہ میں کھانے کا جز و ہیں۔ چاول کا رواج امریکہ میں بہت ہی کم دیکھا۔ کھانے میں گوشت کا ایک ٹکڑا، توس مکھن، سلاد پھل اور چائے یہی عام طور پر کھانے کے اقسام تھے۔ گوشت کے لئے ذبیحہ کی تاکید تھی لہٰذا کوشر (یہودی طریقہ پر حلال کیا ہوا) گوشت آتا تھا جو یہودی عالم کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوتا۔ وہ سربمہر پلیٹ میں آتا، مہر یہودی عالم کے سامنے لگائی ہوئی ہوتی تھی۔ امریکہ میں کوشر کا اچھا نظم ہے غالباً یہودیوں نے کر دا رکھا ہے۔ ہر جگہ طلب کرنے پر حاصل ہو سکتا ہے۔ کوشر کے سربمہر پیکٹوں پر یہودی عالم کی طرف سے اس کے حلال ہونے کی صراحت اور وضاحت لکھی ہوتی ہے۔ کوشر

میں جو اہتمام ہوتا ہے اس کی وجہ سے وہ دوسرے گوشت سے گراں پڑتا ہے۔ کوشر کا مطلب ہی یہودی شریعت کے مطابق حلال چیز کے ہیں۔ مولانا کو کوشر پسند نہیں آیا۔ دوستوں نے توجہ و محبت کا ثبوت دیا اور اس معاملہ میں بھی آرام پہونچانے کی کوشش کی۔

مجدی خطیب اور عبدالوحید صاحب خصوصی فکر رکھنے والے

ضروریات و آرام کی خبرگیری رکھنے والوں میں عراقی نژاد امریکی دوست استاذ مجدی خطیب اور جموں کشمیر کے جناب عبدالوحید صاحب سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے دوران قیام فلاڈلفیا بس محبت اور انس کا مظاہرہ کیا اور برابر مولانا مدظلہ اور ہمارے آرام و پسند کی چیزوں کے مہیا کرنے کی طرف توجہ کی وہ بہت ہی قابل قدر ہے۔ مجدی صاحب اور عبدالوحید صاحب وقتاً فوقتاً چاول پر مشتمل کھانا لاتے اور اس طرح مولانا مدظلہ کے ذوق کی رعایت ہو جاتی۔ عبدالوحید صاحب نے پہلے روز سے کاغذ کی بہت سی پلیٹیں، رومال اور پلاسٹک کے چمچے کانٹے اور چھریاں لا کر رکھ دی تھیں کہ کسی وقت ضرورت پڑنے پر ان سے مدد ملے۔ وہ جس مسرت کے ساتھ ہم لوگوں کے ذوق و راحت کی فکر کرتے اس سے ایسا محسوس ہوتا کہ گویا ہمارا ان پر حق ہے اور احسان ہے۔ عبدالوحید صاحب کا ہمارے محترم استاد اور مولانا مدظلہ کے شاگرد مولانا شاہ سید مظفر حسین کشمیری ندوی سے قریبی تعلق رہا ہے۔ عبدالوحید صاحب ان کا ذکر بھی کرتے تھے غالباً ان کی ہم لوگوں سے دلچسپی کا ایک سبب یہ بھی تھا۔

میکڈانلڈ فرم (MACDONALD FIRM)

دو ایک بار دوپہر کے وقت ہم میکڈانلڈ (MACDONALD) گئے وہاں مچھلی کے سینڈوچ سے فائدہ اٹھایا۔ ہلکی پھلکی غذا کے لئے یہ ایک اچھا طریقہ ہے۔ امریکہ میں میکڈانلڈ فرم اپنی دکانیں جگہ جگہ شہر شہر کھولے ہوئے ہے۔ دن کے کام کرنے والے دوپہر کے وقفہ میں پھرتی اور سہولت کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھالیتے ہیں اور کم وقت میں کام چل جاتا ہے۔ میکڈانلڈ کا سارا کاروبار اسی پر منحصر ہے۔ بڑی فروخت ہوتی ہے۔ میکڈانلڈ کے یہاں عام طور پر مچھلی و دیگر اشیاء کے سینڈوچ کا انتظام ہوتا ہے اس کے ساتھ کوکاکولا یا اسی طرح کا کوئی مشروب شامل رہتا ہے اس طرح کے مشروبات کا رواج پورے امریکہ میں کھانے کے ساتھ پانی کی جگہ پر رائج ہے یہ سب سامان کاغذ اور پلاسٹک کے بند پیکٹوں میں ملتا ہے اور حالتِ سفر میں اور زیادہ موزوں ثابت ہوتا ہے۔

شکر کی مضرت کی تشہیر

اسپتال کی طرف سے ملنے والی چائے کے لئے جو شکر آتی تھی وہ اس مقدار سے کم ہوتی تھی جس کے ہم لوگ عادی ہیں۔ بات یہ ہے کہ اسپتال ہو یا کیفیٹریا چائے اور کافی کے ساتھ شکر کی مقدار کم دی جاتی ہے۔ البتہ اس کے ساتھ اکثر جگہ متبادل مصنوعی شکر کا انتظام بھی ہوتا ہے کیونکہ یہاں ڈاکٹروں اور ریسرچ کرنے والوں نے یہ طے کر دیا ہے کہ شکر جسم انسانی کے لئے مضر ہے۔ بعض مضامین میں تو اس کو ایک سست رفتار سنگین زہر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نشر و اشاعت کے وسیع ذرائع امریکیوں کو یہی باور کراتے رہتے ہیں چنانچہ کھانے میں صحت کے لئے مفید و مضر کی بہت فکر رکھنے والے لوگ اب شکر کے استعمال میں بھی اس طرح کمی یا پرہیز کرنے لگے ہیں جس طرح بہت سے معمر لوگ نمک اور گھی مکھن اور انڈے کے استعمال میں طبی مصلحت سے پرہیز کرتے ہیں۔

یوں مجموعی طور پر امریکہ میں شکر کا صرفہ دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ یہاں شکر بکثرت ماکولات اور مشروبات کے ضروری جزء کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ میٹھے مشروبات کا اعلان بھی اس ملک میں بہت زیادہ ہے جو عموماً پانی کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آئس کریم روزمرہ کی عام استعمالی چیز بن گئی ہے۔ غالباً شکر کے اس کثیر اور وسیع استعمال ہی کی وجہ سے اس کے مضرات نمایاں ہو کر سامنے آئے ہیں اور ریسرچ کرنے والوں نے اس سے زیادہ ڈرانا شروع کر دیا ہے۔ امریکہ میں شکر اس قدر استعمال ہوتی ہے کہ اگر اس میں احتیاط اختیار کرلی جائے اور مناسب کمی کرکے دنیا کو پہونچائی جائے تو دنیا کے دوسرے ملکوں کی شکر کی کمی اس سے بالکل رفع ہو جائے گی۔ بہرحال ہم یہاں ضرورت پر مزید شکر طلب کرتے تھے جو کہ بآسانی مل جاتی اور اس طرح پر ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔

اسپتال کا ضمنی باورچی خانہ

کمرہ کے دروازہ کے سامنے ایک ضمنی باورچی خانہ نیز کافی، چائے، دودھ اور ٹھنڈے مشروبات کا اسٹور بھی تھا۔ گیلی چیزیں فریج میں رہتی تھیں اور کافی چائے

کے لیے گیس کا چولہا تھا اس لئے گرم یا ٹھنڈے مشروبات بروقت حاصل کرنے کے لیے کسی وقت زحمت نہیں ہوتی تھی۔ یہ انتظام مریضوں کے لئے اسپتال کی طرف سے تھا جس کا علحدہ کوئی حساب نہیں کیا جاتا تھا۔

آنکھ کا آپریشن اور شروع کی پریشانی

مولانا مدظلہ کی آنکھ کا آپریشن اچھا رہا ڈاکٹر بھی مطمئن ہوا۔ آپریشن کے دوران مولانا تو اس خیال میں تھے کہ ابھی آپریشن کی تیاری ہے آپریشن اس کے بعد ہوگا کہ اتنے میں ڈاکٹر نے FINISHED یعنی مکمل ہوگیا، کہا۔ مولانا مدظلہ نے اسکی کامیابی کے متعلق دریافت کیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ EVERY THING WENT VERY FINE ہر چیز بہت خوبی سے ہوگئی۔ دوسرے روز صبح کو پٹی کھل گئی لیکن آپریشن کے ٹانکے تکلیف دیتے تھے اور اس کی وجہ سے آنسو جاری تھے۔ یہ بات دن میں اتنی بڑھی کہ مولانا کو اس کا اختلاج ہوگیا کہ یہ آپریشن کی ناکامی کا نتیجہ نہ ہو لیکن نرسوں نے اطمینان دلایا۔ مولانا کے بار بار تکلیف کے اظہار پر مرہم لگایا گیا اس سے آرام ملا دوسرے روز آنسو قابو میں آگئے۔ روشنی تیز نظر آتی تھی لیکن چیزیں صاف نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ مولانا کو پھر خطرہ معلوم ہوا اور یہ احساس اختلاج کی حد تک بڑھ گیا انہوں نے آپریشن چونکہ بہت تردد کے ساتھ کرایا تھا اس لئے یہ احساس ہونے لگا کہ ہم نے غلطی کی اور خود رائی سے کام لیا۔ اب اگر یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظر خراب ہوگئی تو یہ ایسا بڑا حادثہ ہوگا کہ اس کا برداشت کرنا اور آنکھوں کے کام نہ کرنے کے ساتھ امریکہ سے اتنا طویل واپسی کا سفر کرنا سخت دشوار ہوگا۔ ہم نے اطمینان دلانے

کی کوشش کی کہ ہمارے والد صاحب کو بھی آپریشن کرانے پر پہلا سابقہ اسی سے پڑا تھا، نرسوں نے بھی کچھ اطمینان دلایا۔ مولانا نے ڈاکٹر شوکت خاں سے بالمشافہ ٹیلیفون ملا کر دریافت کیا انہوں نے بھی اطمینان دلایا اور دوسرے روز آنے کا وعدہ کیا۔ پھر وہ آئے بھی بہر حال آنکھ کی روشنی آہستہ آہستہ بہتر ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ خطرہ کا یہ احساس کم ہوتا گیا حتی کہ یہ اطمینان حاصل ہوگیا کہ نظر میں جو کچھ بے اعتدالی معلوم ہوتی ہے وہ آپریشن کے ٹانکوں کے سبب سے ہے۔

اسپتال میں بارہ روز قیام

یہاں آپریشن کے ۶ روز بعد ٹانکے کاٹنے کا معمول ہے لیکن ڈاکٹر شے نے احتیاطاً مزید ۶ روز اضافہ کا مشورہ دیا اور اس طرح پر یہ مدت بارہ روز کی بنا دی لیکن اس میں شروع کے تین روز کے علاوہ بقیہ دن تشویش نہیں رہی۔

مجدی فوزی خطیب کی فکر

اسپتال میں قیام کی اس بارہ روزہ مدت میں عبدالوحید صاحب برابر آتے رہے اور خبر گیری کرتے رہے۔ انہی کی طرح عراقی دوست مجدی خطیب بھی برابر آتے رہے اور بہت ہی محبت و تعلق سے پیش آتے رہے۔ یہ اخوانی ذہن کے آدمی ہیں اور اب امریکی قومیت اختیار کر چکے ہیں، کمپیوٹر کے انجینیر ہیں۔ ایک فرم میں کام کرتے ہیں۔ ایک عرب نژاد امریکی مسلمان خاتون سے شادی کرلی ہے، وہ بھی نیک اور صالح خاتون ہیں۔ خطیب صاحب کے خیالات ہم لوگوں کے خیالات

سے بہت قریب تھے چنانچہ ان سے بہت انس و محبت رہی اور انھوں نے بھی بہت عزیزانہ تعلق برتا۔ امریکہ کے جن دوستوں کے تعلق نے دل کو زیادہ متاثر کیا ان میں ان کا نام بھی شامل ہے۔

دیگر محبین کی طرف سے عیادت اور خبر گیری

فلاڈلفیا میں تبلیغی جماعت کے امیر ایک سفید فام امریکن ہیں جن کا اسلامی نام ولی محمد ہے پاکستان میں کئی سال رہے اور مسلمان ہوئے اب وہ بالکل پاکستانی علماء کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ یہاں ان کی ذبیحہ گوشت کی دوکان ہے بڑے اچھے اور صالح آدمی ہیں وہ بھی ملنے آئے۔ ان کے علاوہ فلاڈلفیا میں مقیم دیگر مسلمان بھی وقتاً فوقتاً آتے رہے ان میں غلام حیدر آسی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ ٹمپل یونیورسٹی میں ریسرچ کر رہے ہیں اور اصلاً عالم دین ہیں۔ محبت و تعلق کے نوجوان ثابت ہوئے۔

اسپتال کی بارہ روزہ مدت قیام میں پہلے روز کا جمعہ تو اسپتال میں ہی ظہر کی شکل میں ادا کیا کیونکہ مولانا کا آپریشن اسی وقت ہوا تھا وہاں سے ہٹنا ناممکن تھا۔ البتہ دوسرا جمعہ پڑھنے پنسلوانیا یونیورسٹی کی عمارت میں جانا ہوا۔ وہاں اس کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر لیا گیا ہے۔ لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ فلاڈلفیا میں یوں تو دو جگہ باقاعدہ مسجدیں ہیں لیکن وہ دور تھیں اس طرح پر پنسلوانیا یونیورسٹی کو سرسری طور پر دیکھنے کا موقع بھی مل گیا۔ اپنی بعض خصوصیات میں دوسری یونیورسٹیوں پر امتیاز بھی رکھتی ہے۔ اس کی لائبریری بھی ایک امتیاز رکھتی ہے۔

اسپتال کے مدت قیام میں حجاز کے ملک عبدالحق اور امریکہ میں تبلیغی جماعت کے لوگوں میں کرنل امیر الدین جو کہ ٹورنٹو کناڈا میں مقیم ہیں، اور نیو جرسی کے عبدالرقیب صاحب امیر جماعت امریکہ بھی ملنے آئے، یہ سیاہ فام امریکی ہیں، اور ملک میں ایک علمی حیثیت رکھتے ہیں، بڑے صالح اور متشرع مسلمان ہیں، علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر اور سابق وائس چانسلر پروفیسر خلیق نظامی کے بیٹے احتشام نظامی صاحب بھی فلاڈلفیا میں زیر تعلیم ہیں، وہ بھی ملنے آئے، نیویارک سے سید مظہر حسین صاحب بھی ایک بار آئے اور کھانا بھی ساتھ لائے کہ شاید گھر کا پکا ہوا کھانا یہاں نہ مہیا ہوتا ہو، شکاگو سے نشاط صاحب، بیابانی صاحب، فصیح صاحب اور ان لوگوں کے ایک رفیق بذریعہ کار ۸۰ سو میل کا فاصلہ طے کر کے آئے اور بڑے خلوص و محبت کے ساتھ دو روز کے قریب وقت گذارا، پھر اتنا ہی فاصلہ واپسی میں طے کیا، بالٹی مور سے ڈاکٹر شوکت صاحب اور ساجد حسین صاحب بھی آئے، ڈاکٹر شوکت صاحب کی آمد سے مولانا کو طبی مشورہ میں بھی مدد ملی، نیویارک سے محمد خورشید صاحب آئے، نیو جرسی سے مزمل حسین صدیقی اور ان کے والد صاحب اور ٹورنٹو کے سمیع اللہ صاحب مع اپنے صاحبزادگان کے عیادت کے لئے آئے، مقامی اہل تعلق کی آمد تو ایک دو روز کے فرق سے برابر جاری رہی ان میں عبدالوحید صاحب و فوزی مجدی خطیب صاحب خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں، ان دوستوں نے اپنے کو ایک طرح سے خصوصی میزبان کا درجہ دے رکھا تھا، اور ہر طرح کی راحت کا خیال کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان ملنے آنے والوں سے روزانہ شام کا وقت کچھ دلچسپی و انس میں گذر جاتا تھا، یہ آنے والے بعض دنوں میں دو ایک سے زیادہ

نہ ہوتے اور بعض دنوں میں کئی کئی جمع ہوجاتے، بعض دن خالی بھی گذرتے، ان میں سے بعض لوگ دیر تک بیٹھتے بعض صرف عیادت کرکے چلے جاتے، اسپتال میں ملنے کا وقت روزانہ ۲ بجے سے ۸ بجے شام تک ہوتا تھا، ملنے آنے والوں کے علاوہ ٹیلی فون کے ذریعہ مختلف شہروں اور مقامات میں مقیم اہل تعلق کی طرف سے برابر مزاج پرسی کا سلسلہ رہتا، یہ بھی دل بستگی کا ایک بڑا ذریعہ تھا، لیکن رات سے دن ۲، ۳ بجے تک کا وقت ایک جگہ محدود رہ کر اور بیکار گذارنا سخت شاق ہوتا تھا، طبیعت بار محسوس کرتی تھی، بعد کے دنوں میں پڑوس کے کمروں کے بعض مریضوں سے کسی کسی وقت سلام وکلام ہوجاتا اور وہ اخلاق سے پیش آتے۔

ہندوستان وعرب میں آپریشن کی کامیابی کی دعائیں اور ان کا اثر

ہندوستان میں رائے بریلی اور لکھنؤ کے اہل تعلق نے آپریشن کی کامیابی کی بہت دعائیں کیں، مولانا معین اللہ صاحب نے مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ کو آپریشن کے فیصلہ اور تاریخ سے مطلع کیا ہے، چنانچہ انھوں نے اور دیگر حضرات نظام الدین نے دعا کی، ان سب دعاؤں کا اثر بالکل صاف نظر آیا اور اسپتال کے یہ دن شروع میں بڑے صبر اور اہل تعلق سے دوری کے احساس میں گذرے پھر آہستہ آہستہ خدا کی خصوصی مدد کا خوب مشاہدہ ہوا۔

اسپتال کے باہر کی زندگی

اسپتال کے دنوں میں کبھی کسی ضرورت سے اور کبھی اسپتال کے گھرے ہوئے

ماحول سے گھبراکر چند لمحات کے لئے اسپتال کی عمارت سے باہر کی دنیا میں ہم چلے جاتے کبھی قریب کی دو ایک سڑکوں پر ٹہل کر واپس آجاتے اور کبھی کھانے کی بند اشیاء کی دوکان سے کچھ خریدنا ہوتا تو وہاں تک چلے جاتے، وہ بھی قریب ہی تھی، کھانے پینے کی بند اشیاء کی دوکانیں گروسریز (GROSARIES) ہر شہر میں آبادی کی سہولت کے لحاظ سے پھیلی ہوئی ہیں، ان میں کھانے پینے اور گھر کی ضروریات کی اکثر اشیاء مل جاتی ہیں، یہ ایرکنڈیشنڈ دوکانیں ہوتی ہیں، ہال میں الماریوں کی قطاروں میں سب چیزیں مع قیمت کی وضاحت کے سجی ہوتی ہیں، آدمی خود انتخاب کرکے اٹھالاتا ہے، اور کاؤنٹر پر قیمت ادا کردیتا ہے۔

اسپتال سے بالکل قریب ایک مکان کارخانہ میں ڈھلے ڈھلائے ٹکڑوں سے بنایا جارہا تھا، بڑے بڑے ٹرک دیواروں کے اور چھتوں کے سیمنٹ سے ڈھلے تختے لاتے تھے، ان کو کاریگر کرین کی مدد سے تلے اوپر فٹ کرتے جاتے تھے، اور مکان بنتا جاتا تھا، اسپتال کے قیام کے شروع دنوں میں اس مکان کی پہلی منزل زیر تعمیر تھی، لیکن اسپتال سے نکلتے وقت تیسری منزل فٹ ہورہی تھی، نہ کہیں موررنگ وسیمنٹ سے چھت یا ستون ڈھالنا اور نہ اینٹوں یا پتھروں کو سیمنٹ سے تلے اوپر جوڑنا بلکہ صرف ریڈی میڈ ٹکڑوں سے مرتب کرنے کا کام تھا، معلوم ہوا کہ یہ ایک عام طریقۂ تعمیر ہے جو بہت مقبول ہے، کچھ آگے بڑھ کر ایک کئی منزلہ عمارت پرانی ہونے کی وجہ سے توڑی جارہی تھی، اسپتال کے شروع دنوں میں اس کا ایک پہلو منہدم ہوا تھا، لیکن اسپتال چھوڑتے چھوڑتے وہاں صرف سطح زمین تھی، عمارت سرے سے غائب تھی، توڑے

جانے کے دنوں میں وہاں سے گذرنا ہوا تو ایک طرف بل ڈوزر دھکے مار مار کر مکان کے بڑے بڑے ٹکڑے گرا رہے تھے، دوسری طرف بہت اونچا کرین ان گرائے ہوئے ٹکڑوں کو اٹھا اٹھا کر سامنے ٹرکوں میں بھر رہا تھا اور وہ ٹرک یہ ملبہ ہٹاتے جا رہے تھے، عمارت کی چہار جانب سڑکوں کے کنارے لکڑی کے تختوں کی فصیل لگی تھی، جو ملبہ کے ٹکڑوں سے سڑکوں پر چلنے والوں کو محفوظ رکھے ہوئے تھی، تمام کاموں میں فرض شناسی اور تیزی کا رواج نظر آیا، مکانات کے گرد کی لانوں میں جو گھاس اپنی حد سے بڑھ جاتی اس کو مشینوں سے برابر کرتے ہوئے لوگ نظر آئے، ایک چائے خانے کے سامنے کے چھوٹے سے لان کی گھاس کو ایک شخص چھوٹی قینچی سے بہت توجہ سے کتر رہا اور برابر کر رہا تھا، اس کا یہ عمل عجیب سا معلوم ہوا اور قدر بھی آئی، اپنی تہذیب کی قدروں کو یہ لوگ خوب نبھاتے ہیں، یہ بات سبق لینے کی ہے۔

اسپتال کے آوٹ ڈور میں اخبارات کا مطالعہ

اسپتال کے دوران قیام ہم تقریباً روزانہ صبح ناشتہ کے بعد نیچے کی منزل میں آوٹ ڈور میں چلے جاتے وہاں مختلف روزنامے رکھے ملتے، فلاڈلفیا انکوائرر (PHILADELPHIA ENQUIRER) نیویارک ٹائمز (NEW YORK TIMES) اور دیگر روزنامے، ان میں مشرق کی خبریں تلاش کرتے، مشرق کے حالات جاننے کا یہی ایک ذریعہ تھا، مولانا کو بھی انتظار رہتا جو اہم خبریں ہوتیں ہم آکر بتاتے یہیں شیخ حسین ذہبی سابق مصری وزیر ازہر کی شہادت کی خبر اور جماعت

التکفیر والہجرۃ پر امریکی پریس کی رائے زنی دیکھی یہیں پاکستان کا فوجی انقلاب اور جنرل ضیاء الحق کا حکومت کو اپنے اختیار میں لینا پڑھا اور جب کوئی اہم خبر آتی تو مجددی خطیب صاحب بھی شام کو اخبار لے آتے اس سے تفصیلی طور پر اخبار دیکھنے میں سہولت ہوتی۔

اسپتال سے فرصت اور شہر کے اندر ایک ہفتہ کا قیام

اسپتال میں ۱۲ روز قیام کے بعد ڈاکٹر نے سات میں سے ۳ ٹانکے کاٹے اور اسپتال سے وقتی طور پر فارغ کر دیا اس طرح پر ۱۳ر جون کو اسپتال سے چھٹی ملی یہاں سے نکل کر پہلے آنکھ کے ایک ڈاکٹر کے پاس بعض امور کے سلسلہ میں مشورہ کے لئے جانا ہوا وہاں سے مجددی خطیب صاحب کے مکان پر کچھ وقت کے لئے رکنا ہوا، دوپہر کا کھانا انہی کے یہاں ہوا، عصر کے بعد ٹمپل یونیورسٹی کے پاس پارک ٹاؤن نامی بلڈنگ کی چوتھی منزل میں سید صفوت علی صاحب کے فلیٹ میں منتقل ہوئے، سید صفوت علی صاحب غیر شادی شدہ نوجوان ہیں ان کا خاندان اصلاً خیر آباد سیتاپور کا ہے، لیکن ان کے والد لاہور منتقل ہو گئے تھے، سید صفوت علی صاحب اس طرح پر اب پنجابی ہیں، اردو اور پنجابی یکساں قدرت اور ان کے صحیح لہجہ میں بولتے ہیں، ٹمپل یونیورسٹی میں کمپیوٹر ڈپارٹمنٹ میں انجینیر ہیں، اور انیس احمد صاحب سے ان کے تعلقات ہیں، اس فلیٹ میں وہ کرایہ پر تنہا رہتے ہیں، ان کے تنہا ہونے کے سبب ہم لوگوں کا ایک ہفتہ کا قیام یہاں طے ہو گیا، ایک ہفتہ کے بعد

ڈاکٹر شے مولانا کی آنکھ کا معائنہ کرے گا، اگر مزید قیام کے لئے کہا تو دوبارہ شیکاگو کا سفر ہوگا، اور اگر اجازت دے دی تو بغیر کسی مزید پروگرام کے انشاء اللہ ہندوستان واپسی ہو جائے گی۔

پارک ٹاؤن بلڈنگ اور قریب میں کالوں کا محلہ اور ان کی خرابیاں

پارک ٹاؤن کی یہ بلڈنگ دو حصوں پر مشتمل ہے اس کے بالکل سامنے سڑک کے دوسری طرف ٹمپل یونیورسٹی ہے، اور اس کے اور ٹمپل یونیورسٹی کے بائیں جانب کالے امریکیوں کی وسیع آبادی ہے جس کے مناظر اس بلڈنگ کی بالکنی سے برابر نظر آتے ہیں سڑک پر سائیکلیں دوڑاتے ہوئے لڑکے آپس میں تھپڑ ڈھیلے بازی کا کھیل کرتے ہوئے بچے اور بہت گھومتے اور اٹھکیلیاں کرتے ہوئے جوڑے یہ اس سڑک کے مناظر میں ہیں، وقتاً فوقتاً سفید فام لوگ بھی نظر آتے، کالوں کی بستی کے قریب ایک ہفتہ گذارنے سے کالوں کے بارے میں رائے بہت خراب ہوئی یہ صرف سفید فاموں کے لئے ہی نہیں امریکہ کے لئے بھی خطرہ بن سکتے ہیں، امریکی لوگ ان سے ڈرتے بھی ہیں، اور ان کی وجہ سے مصیبت میں بھی پڑے رہتے ہیں، ان میں غربت بھی زیادہ ہے، اور جہالت بھی، یہ بھی سننے میں آیا کہ ہند و پاک کی طرح امریکہ میں بھی پڑھے لکھے جاہل ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جو قانون کی مجبوری سے اسکول تو جاتے رہتے ہیں لیکن پڑھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، ان کے اساتذہ ان سے ڈر کر یا ان سے عاجز ہو کر پاس کرتے رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں، ہائی اسکول کی سند مل جانے پر ان کو قانون کے جبر سے خلاصی مل جاتی ہے، یہاں ملازمت

اور روزگار کچھ مشکل نہیں، امریکہ میں جھاڑو دینے کا پیشہ بھی ذلیل پیشہ نہیں ہے جس میں آمدنی بھی ضرورت سے کم نہیں ہوتی، اور یہ بھی نہ ہو تو بے روزگاری کی پنیشن تو کہیں گئی نہیں تو پھر کیوں نہ آزادمنشی اور سفاکانہ تفریحیں کی جائیں، سفاکانہ تفریحیں اس طرح کہ محض مشق و تجربہ کے لئے کبھی کبھی کسی کی جان لے لی کبھی صرف ایک گلاس شراب کی قیمت کے حصول کے لئے کسی کو چاقو مار دیا، پھانسی کی سزا نہ ہونے پر معاملہ اور بھی آسان ہو گیا ہے، یہ کالے لوگ اپنی بساط و مزاق کے مطابق اور گورے لوگ اپنے معیار کی حرکتیں کرتے ہیں، اور سب امریکی بلکہ مغربی تہذیب کے تربیت یافتہ ہیں، اس مغربی تہذیب کی تربیت ٹیلی ویژن اور سینما اور اخبارات کے ذریعہ ہوتی ہے، یہ تربیت اب ہمارے مشرقی ملک بھی خوب حاصل کرنے لگے ہیں، چنانچہ مشرقی قوموں کے نوجوان مغربی قوموں کے نوجوانوں کے برابر نہ سہی شاگرد تو ہو ہی گئے ہیں۔

نیویارک کی بجلی فیل ہونے کا واقعہ اور لوٹ

پارک ٹاؤن بلڈنگ میں قیام کے دوران ہی نیویارک سٹی میں بجلی ایک رات غائب ہو جانے کا واقعہ پیش آیا ۱۴ر جولائی کو دن میں ایک دوست نے بتایا کہ آج نیویارک ٹائمز نہیں آیا کیونکہ رات میں نیویارک سٹی پاور ہاؤس پر بقول اس کے بجلی گری تھی، جس سے مین ہاٹن جو کہ نیویارک کا قلب شہر ہے تاریک ہو گیا اور خوب لوٹ مار ہوئی، پولیس نے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو جرم کرتے ہوئے پکڑا، دوکانیں توڑ توڑ کر مال لوٹا گیا تقریباً ۲ کروڑ ڈالر کا مال چوری گیا

اور چار کردار کا مال چوری کی کوششوں میں برباد ہوا اور ایسی خراب اور بدنما تصویر سامنے آئی جس سے امریکن تہذیب اپنی پوری گندگی کے ساتھ برہنہ نظر آنے لگی۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ پاور ہاؤس پر بجلی نہیں گری تھی، یہ پاور ہاؤس کے مالکوں کی شرارت ہے، ملازمین کے مطالبات کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے خود بجلی خراب کر دی تھی تاکہ اس سے وہ انتظامی و سیاسی فائدہ اٹھا سکیں اور زبان بند کر سکیں، امریکہ کے تمدن کی ملمع کاری کے پیچھے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

امریکہ میں بجلی کا صرفہ بہت ہے اس کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ تنہا نیویارک ہی میں اتنی بجلی صرف ہوتی ہے جتنی پاکستان کے پورے ملک میں صرف ہوتی ہے، جبکہ پاکستان کی آبادی ۷ کروڑ ہے، اور نیویارک کی آبادی صرف اسی لاکھ۔

امریکہ کی سفاکانہ زندگی اور چند مثالیں

جنسی زندگی کا بگاڑ اور بے محابا آبادی اور ان کے مہیب نتائج جن کی گذشتہ صفحات میں بعض مثالیں دی گئی ہیں، دوسری طرف فریب، چوری، زور دستی اور مار دھاڑ یہ سب موجودہ امریکی زندگی میں ایک فیشن بنتا جا رہا ہے، جب ٹیلی ویژن کی عکاسیاں اور اخبارات کی خبریں، جنسی واقعات، قتل اور مار دھاڑ کے حوادث دکھاتی ہوں اور دوسری طرف مال و متاع کی ہوس پوری طرح چھائی ہوئی ہو اور مذہب کی طاقت جو دنیا کی محبت کم کرتی ہے موجود نہ ہو تو بلاشبہ وہی نتائج سامنے آنے چاہئیں جن کی واضح علامتیں اس وقت

امریکی زندگی میں نظر آ رہی ہیں اور اس کا بڑا میدان ملک کے زیادہ ترقی یافتہ حصے بن رہے ہیں، امریکی ذہن ایک طرف جنسی بے راہ روی کے خطرناک نتائج سے پریشان ہونے لگا ہے، دوسری طرف قتل اور لوٹ مار سے گھبرایا ہوا ہے، کیونکہ وہاں گھومنے پھرنے والے آدمی کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس وقت کوئی قاتل ہاتھ اس کو نشانہ بنائے گا، خواہ نیویارک میں ہو یا لاس انجلس میں، شکاگو میں ہو یا بوسٹن یا کسی اور شہر میں، اس کی دلیل کے طور پر ذیل میں ٹمپل یونیورسٹی کے ایک مقامی اخبار نیوز کی ۳ رجولائی ۷۷ء کی اشاعت کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے، اخبار نے ایک سرخی قائم کی ہے "نیویارک خوف کی گرفت میں" اخبار نے لکھا ہے۔

"امریکہ کا سب سے بڑا شہر خوفزدہ ہے، امریکہ کا سب سے بڑا شہر کانپ رہا ہے، اس لئے کہ وہ شخص جس نے اپنا نام سام زادہ رکھا ہے، تیرہ آدمیوں کی جان لے چکا ہے، اور یہ تیرہ آدمی وہ ہیں، جو ابھی زندگی کی خواہش اور ایک دوسرے سے محبت و تعلق کا آغاز ہی کر رہے تھے، سام زادہ نام کا یہ شخص اس وقت نیویارک کی تاریخ کا سب سے بڑا قاتل شکاری بن چکا ہے"۔

"نیویارک کے میئر "ابراہام بیم" نے اس سام زادہ کو نمبر اول کا مطلوب شخص قرار دیا ہے، سٹی پولیس کے ۲۸ ہزار جوان، ۳۰۰ پولیس افسران اور ایک سو مزید پولیس کے آدمیوں کو اس کے پکڑنے کے لئے چست کر دیا ہے، ٹیلی فون اور اخبارات اس کے تذکرے کر رہے ہیں، اور بوسٹن کے گذشتہ دنوں کے اسی طرح کے ایک قاتل سے اس نئے قاتل کا موازنہ کر رہے ہیں، یہاں نیویارک کے قلب میں اس سام زادہ کے قصے اندرون زمین ٹرینوں میں،

بسوں میں، ریلوں میں، ہوٹلوں کی نشست گاہوں میں، چائے خانوں میں اور بہت مصروف سڑکوں کے کناروں پر بیان کئے جا رہے ہیں۔"

آگے چل کر رپورٹ کہتی ہے۔

"اس قاتل کے تمام حملے ان نوجوانوں پر ہوئے جن کی عمریں ۲۰ سال کے آگے پیچھے تھیں اور سوائے ایک خاتون کے جو ٹہلتی ہوئی اپنے مکان جا رہی تھی، تمام افراد وہ تھے، جو اپنی ٹھہرائی ہوئی کاروں میں دوستوں کے ساتھ سکون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔"

"اپنے ایک بالکل تازہ خط میں سام زادہ نے دھمکی دی ہے کہ میں پھر حملہ کروں گا، چنانچہ اس شہر کا دھیان اب ہر وقت یہ رہنے لگا ہے کہ یہ سام زادہ اگلا حملہ کہاں کرتا ہے، یہ شہر کا سب سے بڑا سوال ہے۔"

اسی اخبار نے سرخی لگائی ہے کہ نیویارک سٹی کی عورتیں کہتی ہیں کہ وہ شہر میں نکلنے سے خوفزدہ ہیں، اخبار نے یہ بھی اشارہ دیا ہے کہ غالباً یہ سام زادہ اس شخص کے نقش قدم پر چل رہا ہے جس نے ۱۹۵۵ء میں سام کے نام سے شکاگو میں تباہی مچائی تھی۔

اسی طرح کے حالات کے سلسلہ کا ایک دوسرا اقتباس پیش ہے جو نیویارک ٹائمز کی ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی اشاعت سے لیا جا رہا ہے، اخبار مذکور لاس انجلس، کیلی فورنیا کی ایک خبر میں ذکر کرتا ہے کہ:

"ہم جنسی کی عادت میں مبتلا دو شخص دوسرے قتل کے جرم میں ماخوذ ہو کر ایک عدالت میں پیش کئے گئے ہیں، پولیس کا کہنا ہے کہ ان پر مزید ۲۶ قتل

کے ارتکاب کا بھی الزام آتا ہے، یہ قتل مختلف اوقات میں عام طور پر کمسنوں کے کئے گئے ہیں، خبر میں آگے چل کر کہا گیا ہے کہ ۲۸ افراد کے قتل کا یہ کیس پوری قوم کی تاریخ میں مجرمانہ وسعت کے لحاظ سے اب تک کا سب سے بڑا کیس ہے۔"

یہ مذکورہ خبر جنسی بے راہ روی اور قتل و سفاکی کی عجیب و غریب مثال ہے، جس میں دوسروں کی جانیں محض نفس کی تسکین کے لئے لی گئی ہیں، ایک دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو۔

ایک شخص قتل کے جرم میں عدالت میں پیش کیا گیا، اس نے سڑک کے کنارے ایک عمارت پر چڑھتی ہوئی ایک معمر خاتون کو گولی کا نشانہ بنایا تھا اس سے عدالت نے حسب وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ میرا نشانہ کیسا لگتا ہے، یہ شوق کہاں سے پیدا ہوا؟ ظاہر ہے کہ ٹیلی ویژن سے، البتہ امریکی زندگی میں امن وامان کے قیام میں پولیس کا رول بھی چست اور اچھا ہے، واردات ہوتے ہی پولیس آن پہونچتی ہے، کچھ عرصہ قبل یہ قاتل اور غنڈے پولیس کے آدمی کو بھی بآسانی گولی کا نشانہ بنا دیتے تھے، کیونکہ وہ پھانسی کی سزا سے مطمئن ہوتے تھے، لیکن اب حکومت نے پولیس کو اس معاملہ میں مستثنیٰ کر دیا ہے، لہٰذا یہ لوگ پولیس کے آدمی کو مارتے ہوئے گھبرانے لگے ہیں، مگر پولیس کا تذکرہ برے طریقے سے کرتے ہیں، اور اس کو سور کا نام دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ برے نام کے طور پر سور کا لفظ یہاں بھی مستعمل ہے، حالانکہ ہمارا خیال تھا کہ کم از کم سور کے کھانے والے تو اس کے نام کو برا نہ سمجھتے ہوں گے، لیکن بات اس کے خلاف معلوم ہوئی۔

امریکن پولیس

امریکن پولیس یوروپین پولیس ہی کی طرح پبلک کی ہمدرد اور معاون ہے، ضرورت مندوں کو اس سے مدد ملتی ہے، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں پولیس کی حیثیت پبلک رضا کاروں کی ہے، لیکن ہمارے ملک نیز اکثر مشرقی ملکوں میں محض پکڑ دھکڑ کرنے اور صرف سختی کرنے والوں کی، بلکہ اگر موقع مل جائے تو مجرموں کی مدد کرنے والوں کی۔

پارک ٹاؤن بلڈنگ میں رہائشی سہولتوں کا نظم

پارک ٹاؤن بلڈنگ میں ہر طرح کے لوگ رہتے ہیں، کالے بھی، گورے بھی، سنجیدہ بھی اور آزاد منش بھی، نیچے ایک سوئمنگ پول بھی ہے، خوب استعمال ہوتا ہے، موسم گرمی کا ہے اس لئے اس کو خاصی مقبولیت حاصل ہے، اسی بلڈنگ میں نچلی منزل کا ایک کمرہ مسجد کے طور پر استعمال میں ہے، اس میں چند دیندار مسلمان نماز با جماعت ادا کرتے ہیں، اور اسلامی خیالات کی اشاعت کے لئے ضروری لٹریچر رکھتے ہیں اور اجتماع کرتے رہتے ہیں، ان لوگوں میں پیش پیش بعض برصغیر کے لوگ ہیں بعض انڈونیشیا، ملیشیا کے اور بعض سعودی عرب کے، یہ سب اچھے لوگ ہیں، سب طلبا ہیں، اس کمرہ کو انھوں نے ایک طرح سے اسلامی سنٹر کا درجہ بھی دے رکھا ہے کمرہ کا کرایہ خود ادا کرتے ہیں۔

عمارت کی ہر منزل پر کپڑے دھونے کے لئے ایک کونہ علیحدہ ہے

جس میں کئی کئی مشینیں لگی ہیں، پیسے ڈال کر مشین کے اندر کپڑے ڈالئے تھوڑی دیر میں دھل جائیں گے، دوسری مشین میں پیسے ڈال کر سکھا لیجئے

ٹمپل یونیورسٹی اس کا مذاہب کالج نیز امریکہ کی مذہبی اکیڈمی

اس عمارت میں قیام کے دوران ایک بار ہم ٹمپل یونیورسٹی گئے اور وہاں لائبریری، کلاس روم، ریسرچ اسکالروں کے کام کی جگہ اور طریقہ دیکھا، یہ ایک بڑی اور مشہور یونیورسٹی ہے، ۳۵ ہزار طلبہ ہوں گے، اس میں مختلف ادیان کی تعلیم و ریسرچ کا ایک مستقل کالج ہے اس کی بنا پر بھی اس یونیورسٹی کو امتیاز حاصل ہے، ریلیجن کالج میں مختلف ادیان کے مطالعے و تحقیق کے علیحدہ شعبے ہیں ہر شعبہ کا صدر عموماً اسی مذہب کا کوئی اچھا فاضل ہوتا ہے، مطالعۂ اسلامی کے شعبہ کے سربراہ اسمٰعیل راجی فاروقی صاحب ہیں، یہ وہی فلسطینی فاضل ہیں جن کا ذکر ایم ایس اے کی سالانہ کانفرنس کے موقع پر آیا ہے، یہ امریکہ کی اکثر مسلم تنظیموں میں بھی نمایاں فرد کی حیثیت سے شریک ہیں۔

ان میں امریکہ کی مذہبیات کی کل امریکہ سطح کی ایک تنظیم بھی ہے جس کے ۲۵ ہزار ممبر ہیں، اور اسے جرنل آف امریکن اکیڈمی آف ریلیجن (JOURNAL OF AMERICAN ACADEMY OF RELIGION) کے نام سے ایک وقیع علمی رسالہ بھی نکلتا ہے، اس تنظیم کے ماتحت ہر سال ایک سیمینار ہوتا ہے جس میں ۸ سو مضامین پڑھے جانے کا اوسط ہے، یہ مضامین ۲۵ علیحدہ علیحدہ شعبوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں، اکیڈمی کی بہت سی اسٹیرنگ کمیٹیاں ہیں، اس کی

اسلامیات کی اسٹیئرنگ کمیٹی میں اسمٰعیل فاروقی صاحب رکھے گئے، اس کمیٹی میں صرف دو مسلمان ہیں ایک یہ دوسرے انیس احمد صاحب بقیہ میں ایک عیسائی اور ایک یہودی ہے۔

ریلیجن اکیڈیمی کی طرح مختلف علمی شعبوں کی علیحدہ علیحدہ اسی طرح کی آل امریکن اکیڈیمیاں ہیں جو امریکہ کی علمی زندگی کی رہنمائی اور مدد کو اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہیں اور ان کے ٹھوس اور با محنت کام سے امریکہ کی علمی زندگی کو بہت فروغ حاصل ہے، ہم لوگوں کے محب انیس احمد صاحب بھی اپنا ریسرچ کا کام ٹمپل یونیورسٹی سے کر رہے ہیں، اور ان کے علمی رہبر اسمٰعیل راجی فاروقی صاحب ہی ہیں۔

ٹمپل یونیورسٹی کے مذہبیات کالج کے دیگر شعبوں میں ایک اسلامی ثقافت کی تاریخ کا شعبہ بھی ہے جس کے ڈائریکٹر فتحی عثمان ہیں یہی دو شعبے مسلمانوں کے پاس ہیں باقی میں ہندوازم، بدھ ازم اور مغرب و مشرق کے مختلف مذاہب ہیں، یہ سب تقریباً ۲۲ شعبے ہیں، ہندوازم کے ڈائریکٹر یادو خاندان کے ایک ہندو ہیں۔

یونیورسٹی تنخواہوں کے اسکیل

یونیورسٹی تنخواہوں کا اسکیل کے بارے میں معلوم ہوا کہ پروفیسر کو سالانہ ۲۲ ہزار سے ۳۵ ہزار ڈالر تک (اشتریک پروفیسر (ASSOSIATING PROF) کو سالانہ ۱۸ ہزار ڈالر سے ۲۲ ہزار ڈالر تک اور معاون پروفیسر (ASSISTING PROF.)

کو ۱۲ ہزار سے ۱۸ ہزار ڈالر سالانہ تک ملتے ہیں، مشرق سے جانے والے اسکالروں کو وظیفہ ۱۲ سو سے ۳۶ سو ڈالر سالانہ تک دیا جاتا ہے۔

غلام حیدر آسی صاحب اور صفوت علی صاحب

بہرحال ٹمپل یونیورسٹی کو دیکھنے کا موقع ملا اور اس کی لائبریری میں کچھ وقت بھی گذارنے کا موقع حاصل ہوا، اس سب کام میں غلام حیدر آسی صاحب ہمارے رہبر اور مددگار رہے، وہ اسی یونیورسٹی میں ریلیجن کالج میں ریسرچ کر رہے ہیں، لاہور سے اسلامی علوم میں فاضل کرنے کے بعد وہاں کی یونیورسٹی سے ایم اے کیا پھر وہیں لکچرر مقرر ہوئے اور اب ایک سال سے یہاں وظیفہ پر ریسرچ کے لئے آئے ہوئے ہیں "ہالی ڈے ان" میں پہلے روز کی ملاقات میں تھے، اور اسپتال میں بھی آ آ کر ملتے رہے تھے، اسی بلڈنگ کے قریب کالون کے محلہ میں رہتے ہیں اور اب اس بلڈنگ میں ہم لوگوں کے دوران قیام ہم لوگوں کے معاون و مددگار رہیں، ٹمپل یونیورسٹی کی ایم ایس اے شاخ کے صدر بھی ہیں، علمی صلاحیت بھی اچھی ہے اور دینی خیالات بھی اچھے اور پختہ ہیں، ان سے یہاں بہت انس رہا اور خاصا ساتھ رہا، مختلف موضوعات پر گفتگو رہی اور امریکہ کے حالات کے متعلق معلومات میں اضافہ ہوا۔ یہ اسکالروں کو ملنے والے وظیفہ کے بارے میں بتا رہے تھے کہ امریکہ کی گرانی کو دیکھتے ہوئے یہ غیر معمولی حد تک کم ہے امریکہ کی اس پالیسی کے بہت شاکی تھے کہ امریکیوں کے مقابلے میں مشرقی لوگوں کے ساتھ معاملہ میں بڑا فرق کرتے ہیں، آسی صاحب، صفوت علی صاحب

کے دوست اور محب ہیں، صفوت صاحب بھی بہت اچھے نوجوان ہیں دیندار ہیں، اور با اخلاق، انھوں نے ہم لوگوں کو اپنے اس فلیٹ میں اس طرح ٹھیرا رکھا ہے کہ گویا وہ مہمان ہیں، اور ہم میزبان، دلچسپ گفتگو کرتے ہیں، خوش رہتے ہیں، اور خوش رکھنے کے عادی ہیں، چند روز سے انھوں نے ایک چینی کو بھی ٹھیرا رکھا تھا، لیکن آج کل وہ چینی اپنے کاموں کے سلسلہ میں فلاڈلفیا سے باہر گیا ہوا ہے، اس لئے ہم لوگوں کو اس کی معیت کی زحمت نہیں ہو رہی ہے، صفوت صاحب کے تعلقات سید اعزاز الحسن صاحب نیر آبادی وکیل سیتاپور اور مولانا سید نجم الحسن صاحب رضوی مقیم سیتاپور سے بہت قریبی ہیں، اکثر مولانا کا تذکرہ رہتا ہے۔

امریکہ میں آمدنی کا اوسط اور اشیاء کی قیمتیں اور ٹیکسوں کا نظام

آسی صاحب کے ساتھ ایک دو بار شہر بھی جانا ہوا اور گروسری کی دوکان سے کھانے پینے کا سامان انھوں نے خریدا، اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے مقابلہ میں یہاں قیمتوں کا موازنہ کیا جو سامان انھوں نے دس ڈالر میں خریدا وہ ہمارے اندازے کے مطابق ہندوستان میں ۵۰۔۔۶۰ روپے میں ملتا دس ڈالر کے ہندوستانی روپے پچاسی ہوتے ہیں، اس حساب سے یہ مال جو ہندوستان میں ۵۰/۶۰ روپے کا ہوتا، یہاں گویا ۸۵۔۔۹۰ روپے کا ملا، لیکن یاقتی کا معاملہ یہ ہے کہ جس طرح کے ملازم کو ہندوستان میں ۷۔۔۸ سو روپے ملتے ہیں، اس طرح کے ملازم کو امریکہ میں ۱۰-۱۲ سو ڈالر یعنی ۹۔۔۱۰ ہزار روپے ملتے ہیں، ایسی صورت

میں آمدنی ہندوستان کے مقابلے میں ۱۰-۱۲ گنا زیادہ اور اشیاء کی قیمت صرف ڈیڑھ دو گنا زیادہ ہے۔

امریکہ میں آمدنی کا تقریباً ۳۰ فیصد حصہ حکومت کے مختلف ٹیکسوں میں کٹ جاتا ہے، یہ ہندوستان کے مقابلے میں خاصا زیادہ ہے لیکن پھر بھی آمدنی میں بڑی گنجائش باقی رہتی ہے، چنانچہ ہر آدمی اعلیٰ وسائل و راحت کے ساتھ زندگی گذارتا ہے جبکہ ہندوستان میں آمدنی واقعی مصارف کو پورا کرنے میں ناکافی ہوتی ہے، اسی لئے امریکہ میں معیاری خوشحالی عام ہے، اشیاء صرف کا استعمال اتنی فراوانی و اسراف کے ساتھ ہوتا ہے کہ بے دردی معلوم ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ امریکہ میں جتنا کھانا و غذائی اشیاء فاضل سمجھ کر ضائع کی جاتی ہیں، اگر صرف وہی بچا کر دنیا میں ضرورت مندوں کو دی جائیں تو دنیا سے غذائی فقر و فاقہ دور ہو جائے، ایک اندازے کے مطابق تنہا امریکہ میں دنیا کی ۶۰ فیصد زیر استعمال اشیاء استعمال میں لائی جاتی ہیں، باقی ۴۰ فیصد بقیہ دنیا کے کام آتی ہیں۔

امریکہ میں قانوناً ضروری ہے کہ کوئی کسی کو اس کا حق محنت تقریباً پونے تین ڈالر سے کم نہ دے، تنخواہوں کا معیار کام کرنے والوں کی محنت و صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے اور چونکہ امریکہ میں سب کام پرائیویٹ ہوتے ہیں، اس لئے علی العموم لوگ پرائیوٹ فرموں میں ملازم ہوتے ہیں، ان کی ملازمت آسانی سے مل بھی جاتی ہیں، البتہ شخصی ملازمتوں میں کام لینے میں سختی بھی زیادہ ہے اس لئے پورے ملک میں احساس فرض اور صحیح کارکردگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

نرسوں، موٹر ڈرائیوروں اور اس سطح کے لوگوں کی تنخواہیں عموماً ایک ہزار ڈالر کے لگ بھگ ہیں، عمومی انجنیروں اور متوسط کلرکوں کی عموماً ۱۲ سو ڈالر سننے میں آئیں، یونیورسٹی کے اساتذہ کی تنخواہوں کا معیار گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے، بے روزگاری کا وظیفہ حکومت کے ذمہ ۶۵ ہفتے تک ہے، جو ۱۰۰ ڈالر فی ہفتہ کے اعتبار سے دیا جاتا ہے، یہ دراصل اس وقفہ کے لئے ہے جس میں بے روزگار آدمی کو روزگار تلاش کرنا پڑتا ہے، معذوروں اور ریٹائرڈ لوگوں کے وظائف بھی دیے جانے کا نظم ہے، یہ سب وظیفے بغیر کسی خاص دوڑ دھوپ کے آسانی حاصل ہو جاتے ہیں، ہمارے ملک کی طرح نہیں کہ بعض وقت پنشن کے حقدار کی پنشن کا اجراء اس کے انتقال کے بعد ہی ہوتا ہے، امریکی حکومت ایسے تمام اخراجات کے لئے فیڈرل ٹیکس (FADERAL TAX) کے نام سے ہر برسر روزگار شخص کی آمدنی سے ۱۸ فیصد اور اسٹیٹ ٹیکس (STATE TAX) اور سٹی ٹیکس کے نام سے مزید ۱۰، ۱۲ فیصد وصول کرتی ہے، اس کے ساتھ اشیاء کی خریداری کے وقت اشیاء کی قیمت پر ۷ فیصد مزید ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، اہم شاہراہوں اور پلوں پر سے گذرنے کا ٹیکس علیحدہ لیا جاتا ہے، لیکن اس سب کے باوجود خوشحال زندگی کے مصارف بھی آمدنی کے اندر رہتے ہیں۔

امریکہ کی دولت مندی اور حکومت کی آمدنی

امریکہ بہت دولت مند ملک ہے، چنانچہ اس کی حکومت کی آمدنی بھی

اسی کے اعتبار سے بہت ہے حکومت کوئی منفعت بخش کام قانوناً نہیں کر سکتی، اس لئے اس کی تمام تر آمدنی صرف ٹیکسوں سے ہے، جو اشخاص کی آمدنیوں پر سے کاروباری کے منافع سے ہو اور دولت مندوں کی دولت سے حاصل ہوتا ہے، جس کا تذکرہ اوپر ہوا، حکومت کی دولت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سال رواں اس کا بجٹ ۴ ½ سو ملین ڈالر تھا، جو ۳۶ کھرب ہندوستانی روپے کے مساوی ہے، جبکہ ہندوستان کا جو کہ امریکہ سے آبادی میں ڈھائی گنا بڑا ہے صرف سوا کھرب روپے کا بجٹ تھا جو کہ امریکہ کے تنہا ایک بڑے شہر نیویارک کی کارپوریشن کے بجٹ کے مساوی ہے اور جتنا امریکہ صرف فوج پر سالانہ خرچ کر رہا ہے، فرموں میں سب سے دولت مند فرم T.N.I.T ہے جو ٹیلی فون تیار کرتی ہے، نمبر دو پر جنرل موٹرس ہے جس کے سال رواں کا نفع ایک ارب ڈالر رہا ہے، اس کے بعد بہت سی فرمیں ہیں۔

گرانی و بے روزگاری

لیکن اس سب کے ساتھ ساتھ امریکہ کو بھی گرانی اور بے روزگاری سے سابقہ پڑتا ہے، بلکہ امریکہ کے ایک تازہ جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ سالہا سال سے گرانی بتدریج بڑھتی جا رہی ہے، ۱۹۶۹ء میں ایک ڈالر کی جو قوت خرید تھی، وہ اب گھٹ کر ۶۱ سنٹ رہ گئی ہے، یعنی جو چیز پہلے ۱۹۶۹ء میں ۶۱ سنٹ میں مل جاتی تھی، آٹھ سال کی مدت میں اس کے لئے اب ۱۰۰ سنٹ یعنی ڈیوڑھی سے زیادہ رقم چاہئے، لیکن امریکہ میں گرانی کے اضافہ کے

ساتھ آمدنی کا بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

امریکہ میں بے روزگاری بھی بتدریج بڑھتی جا رہی ہے، امریکی حکومت اگرچہ بے روزگاروں کو وظیفہ دیتی ہے، لیکن وہ عارضی ہوتا ہے، اور ضرورت اس کی سمجھی جاتی ہے کہ جلد از جلد بے روزگار، روزگار سے لگ جائیں، سرکاری اندازوں کے مطابق سال رواں ۹ کروڑ ۶۲ لاکھ آدمی برسر روزگار تھے۔

فلاڈلفیا کا اٹالین مارکیٹ

اسی دوران قیام ایک روز صفوت علی صاحب نے کہا کہ چلئے آپ کو یہاں کا اٹالین مارکیٹ بھی دکھلائیں، اٹالین مارکیٹ یہاں کی ترکاری منڈی ہے، اٹلی کے لوگ یہاں مشرقی طریقہ سے سبزی گوشت فروخت کرتے ہیں، بہرحال ہم ان کے ہمراہ ہو لئے، وہاں پہونچ کر امریکہ میں ہندوستان کا منظر دیکھا، ٹھیلے پر تربوز بک رہے ہیں، لکڑی کے اسٹالوں پر پیاز، ٹماٹر فروخت ہو رہے ہیں، اسی کے قریب دوکانوں پر گوشت بک رہا ہے فروخت کرنے والے وقتاً فوقتاً آواز بھی لگا دیتے ہیں، صرف پتلون پہنے کرتا غائب مست کام میں لگے ہیں، جسم بھی پسینہ سے متاثر، موقع آئے تو کوئی فقرہ بھی کہہ دیتے ہیں، ہم نے کہا خوب! یہ بھی دیکھنے کی جگہ تھی، ورنہ امریکہ کی شہرت کے متعلق نظم و صفائی کا ایک ہی تصور رہتا۔

امریکیوں کی لباس میں لاپرواہی

امریکیوں کو لباس کے معاملہ میں بالکل بے تکلف گھومتے پھرتے

دیکھا، یورپ کی طرح یہاں سختی نہیں نظر آئی اگرچہ یہاں ہپیوں کو بھی نہیں دیکھا، معلوم نہیں، یہاں کا جو آدمی ہپی بنتا ہے، وہ ضرور مشرق کے کسی ملک میں چلا جاتا ہے یا یہاں رہتے ہوئے ہپی ہونا پسند نہیں کرتا، مردوں کو گرمی کے احساس سے بے قمیص کام کرتے ہوئے بارہا دیکھا، عورتیں گرمی کے احساس میں نیم برہنہ گھومتی پھرتی ہیں، آفسوں اور تعلیم گاہوں میں بھی اسی حال میں رہتی ہیں، کوئی نئی بات نہیں سمجھی جاتی۔

حیا سوزی و اختلاط

سوئمنگ پولوں (غسل کے حوض) یا بیچ (ساحلوں) پر نوجوانوں جیسی بے لباسی و بے تکلفی عام ہے، ماؤں کو اپنے بچوں کی موجودگی سے بھی شرم نہیں اور لڑکیوں کو اپنے والدین کی موجودگی کی پرواہ نہیں، بلکہ ماں باپ اپنے لڑکوں کے لئے یہی آداب مناسب سمجھتے ہیں، وہ اپنی نوخیز اولاد کے لئے سن کے فرق کے ساتھ آپس کی دوستیوں کو ضروری اور مصلحت کے قرین جانتے ہیں، ایسا نہ ہونے پر ان کو تشویش ہوتی ہے، لہٰذا یہاں کے ماں باپ خود بھی نوخیز لڑکوں، لڑکیوں کی آپس کی دوستیوں اور تفریحات کے لئے تنہا جانے کو (جس کو یہاں ڈیٹنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے) پسند کرتے ہیں اور اگر کسی لڑکے یا لڑکی کی زندگی میں اس کی کمی نظر آتی ہے تو ان کو تشویش ہوتی ہے کہ کہیں اس کی اپنے ہم عمروں میں نامقبولیت کی دلیل تو نہیں ہے، امریکہ میں لڑکوں لڑکیوں

کے آزادانہ اختلاط اور ڈیٹنگ (یعنی تنہا کہیں گھومنے جانے کا پروگرام) کی کثرت ہی کا نتیجہ ہے کہ ناجائز تعلقات کی بھرمار ہو چکی ہے، اور اس کے سنگین نتائج اس کثرت سے سامنے آ رہے ہیں کہ اخبارات تک اس پر اپنی پریشانی کا اظہار کرنے لگے ہیں۔

ناجائز تعلقات کے نتائج

اختلاط کے نتائج بد کی کثرت کا اندازہ اس جائزہ رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے، جو ایک امریکی ادارہ نے کیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ ایک سال کی مدت میں کم عمری ہی میں بن بیاہی لڑکیاں دس لاکھ سے زیادہ تعداد میں ماں بننے کے حالات سے دوچار ہوئیں، جن سے چھ لاکھ کی تعداد میں بچے پیدا ہوئے رپورٹ میں یہ جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ بن بیاہی ماؤں کے بچے پیدا ہونے کے بعد عام طور پر وہ مرد جوان بچوں کی پیدائش کے باعث بنے، ان سے ترک تعلق کر لیتے ہیں اور تنہا ان چھوٹی عمر کی ماؤں پر ذمہ داری پڑ جاتی ہے، اس نئے بوجھ میں ان کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہیں ہوتا چنانچہ ان لڑکیوں کو کم عمری ہی میں روزگار کی فکر کرنا پڑتی ہے تاکہ خود اپنے اور اپنے بچے کے مصارف کا نظم کر سکیں۔

فلاڈلفیا انکوائرر مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۸۴ء میں سرابیو ریونس کنیڈی (Y. KENNEDY SURVEYOR) نے اپنے ایک مضمون میں کم عمر عورتوں کے مذکورہ مسئلہ کے بارے میں مضمون لکھتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ کم عمر عورتوں کی اس بڑی تعداد کا ایک سال کے اندر اس میں مبتلا ہو جانا بہت غیر معمولی بات ہے،

بعض مفکروں نے اس کو وبا سے تعبیر کیا ہے اور بعض نے طاعون سے، اور لوگ چیخ اٹھے ہیں کہ کچھ کرنا چاہیے، بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ نئی نسل کی رہنمائی کریں اور سمجھائیں۔

مضمون نگار نے آگے چل کر لکھا ہے کہ اس میں محض نئی نسل کو قصوروار قرار دینا صحیح نہیں ہے جبکہ ہم نے جنسیات کو تجارت کی ترقی کا ذریعہ بنا لیا ہے، ٹوتھ پیسٹ سے لے کر DOOD ORANTS تک، کپڑوں سے لے کر کاروں تک ہم اپنی مصنوعات میں ان پہلوؤں کو نمایاں کر کے فروخت کرتے ہیں جو جنس کے دائرہ میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ زندگی کے آزادانہ طریقے سے ہم نے وہ فضا بنادی ہے کہ طلاق، حمل، اسقاط جیسی خبروں سے اس طرح باخبر کیا جاتا ہے، جیسے موسم کے حالات سے۔

دوسری طرف سوسائٹی کی طرف سے اخلاقی روک وسہارے کی ایسی کمی ہے کہ وہ مذکورہ بالا دشواریوں میں بدرقہ نہیں بن سکتی ہیں۔

اس نے آگے چل کر مثالیں دیتے ہوئے لکھا ہے کہ نوخیز نسل میں بڑی صلاحیتیں ہیں، اور ان کا اس نے ثبوت بارہا دیا ہے، لیکن جب ان کے جنسی مسائل کی خطرناکی سامنے آتی ہے تو سب ہاتھ چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ایسا جامع منصوبہ سامنے آئے، جو اس خطرہ کے نتائج کو دبا سکے وہ یہ نہیں کرتے کہ اس کے اسباب کو سمجھ کر ان کا سدباب کریں۔

اولاد کا ماں کی طرف انتساب

امریکہ میں بغیر متعین باپ کے بچوں کی بہت زیادہ کثرت ہی کا نتیجہ ہے کہ

وہاں قانوناً لڑکے کا انتساب ماں کی طرف بہ نسبت باپ کی طرف کرنے کے ضروری اور اہم سمجھا جاتا ہے، مذکورہ بالا دشواری سے بچنے کے لئے امریکن قانون ماں کی طرف انتساب کا سہارا لینے پر مجبور ہوا، باپ کی طرف اولاد کا انتساب کرنا قانون کی نظر میں کفایت نہیں کرتا البتہ ماں کی طرف انتساب کرنا اس ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

مغربی تہذیب میں عورت کا مقام

امریکہ نے اپنے معاشرے میں عورت کو ایک جنس عام کی حیثیت دے رکھی ہے، وہاں اس کی انسانی قدروں پر جنسی خصوصیت کو ترجیح حاصل ہے، چنانچہ وہاں عورت کو زندگی اور معاشرہ میں اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے خاصی فکر و محنت کرنا پڑتی ہے، امریکی مزاج عورت کے معاملہ میں ترجیحی ہے چنانچہ جو عورت اپنے ظاہری رکھ رکھاؤ اور خوش اخلاق طرز عمل سے زیادہ متوجہ کر سکتی ہو اردگرد کا ماحول اسی کو لائق اعتنا سمجھتا ہے، اس کے علاوہ دوسرے کو نظر انداز کرتا ہے۔

پروفائل آف امریکا میں جے پی بریسٹ[ل] نے اپنے ایک مضمون میں امریکی عورت کی محنت، ہمت اور سخت کوشی کی داد دی ہے کہ اس کو شادی سے قبل اپنے ظاہر و طرز عمل کو مؤثر بنانے کی فکر اور شادی کے بعد کی زندگی میں بچوں اور گھر کے معاملات کی فکر پر بڑی توجہ کرنا ہوتی ہے اس نے لکھا ہے، عورت دنیا کے

ل PROFILE OF AMERICA J. P. BREST

دیگر خطوں میں مصیبت میں ہے لیکن امریکہ میں وہ جہنم میں ہے۔

مغربی تہذیب میں عورت کی دراصل بہت حق تلفی کی جارہی ہے، اور مزہ کی بات یہ ہے کہ اس کو خوبصورت الفاظ و تعریفی کلمات اور ظاہری خاطر داریوں سے دھوکے میں مبتلا کیا گیا ہے، مشرق میں جس چیز کو عورت کی آبرو سے تعبیر کرتے ہیں، اس کا یہاں مطلقاً وجود نہیں ہے، دراصل مغربی تہذیب میں عورت کی اس رسوائی میں خود عورت کی کم فہمی کو دخل ہے، مغربی تہذیب میں جس کی قیادت اس وقت امریکہ کے ہاتھ میں ہے عورت کو اپنی خواہش نفس اور ترقی تجارت کے لئے ایک نفع بخش ذریعہ بنایا گیا ہے، اشتہارات کو جاذب نظر بنانے میں، اپنے مال کی مقبولیت میں اضافہ کرنے میں عورت کو مختلف طریقہ سے نمایاں کیا جاتا ہے اور ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، عورت اس کو اپنی مقبولیت اور قدردانی سمجھتی ہے، حالانکہ عورت کے ساتھ معاملہ جتنا مغربی تہذیب میں حق تلفی کا ہے، دنیا کی کسی اور تہذیب میں نہیں، موٹر ڈرائیوری ہو یا بار برداری و محنت کے کام یہاں یہ سب عورت کو کرنا پڑتے ہیں جن میں فوج و پولیس کی خدمات بھی شامل ہیں، کاروبار زندگی کے درجہ دوم کے کاموں میں عورتیں خاص طور پر رکھی جاتی ہیں، لیے ہے درجہ اول کے کام تو ان میں عورتوں کو بہت کم موقع دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ اعلان کیا جاتا رہتا ہے کہ وہ تعلیم و ذہانت میں مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں، لیکن دنیا کے دوسرے ملک تو الگ رہے خود امریکہ میں یہ حال ہے کہ ملک کے ۲۲۹ کلیدی مناصب میں صرف ۳۰ منصب عورتوں کو حاصل ہو سکے ہیں، یعنی اس اعزاز و اکرام میں ان کا اوسط مردوں کے

مقابلے میں صرف ۱۳ فیصد ہے، جب کہ آبادی تقریباً ۵۰ فیصد، رہا چوٹی کے عہدوں پر فائز ہونے کا موقع تو وہ یہاں بھی کسی عورت کو ملنا ایک نادر ترین بات ہے، اس امتیازی معاملہ میں یورپ بھی امریکہ سے کم نہیں۔

ماسٹر محمد سمیع صاحب و دیگر محبین کی آمد

پارک ٹاؤن کی اس بلڈنگ میں قیام کے دوران اتوار کے روز ہمارے ماسٹر محمد سمیع صدیقی صاحب مع اپنے دو صاحبزادگان ڈاکٹر احمد مطیع صدیقی اور محمد رضی صدیقی کے تشریف لائے، ماسٹر صاحب زید مجدہ چار پانچ روز ہوئے نیویارک پہونچے تھے، اور ہم لوگوں کی ڈاک بھی لکھنؤ سے لائے تھے، ان سے ملنے کا اشتیاق تو ایک ماہ سے جاری تھا، ڈاک کے علم نے اس کو مزید بڑھا دیا دن کے کئی گھنٹے انھوں نے ساتھ گذارے ڈاک بھی پڑھی اور ان سے زبانی حالات وخیریت بھی سنی لطف رہا، ان کے بعد ڈاکٹر شوکت صاحب بھی بالٹی مور سے آئے ان کے ساتھ ساجد حسین صاحب بھی تھے، اتوار کے روز نیویارک سے ہمارے سید ساجد حسین صاحب بھی آئے۔

ملی کنونشن کے سلسلہ میں دہلی سے ٹیلی فونی رابطہ

اسی قیام کے دوران ۱۳ رجولائی کو دہلی ہندوستان سے ٹیلی فون کے ذریعہ رابطہ بھی قائم ہوا، یہ رابطہ دراصل دہلی سے جمعیۃ العلماء ہند کے ذمہ داروں نے قائم کیا، وہ مولانا مدظلہ سے ملی کنونشن میں شرکت بلکہ صدارت چاہتے تھے،

یہ ملی کنونشن مولانا کے دوران سفر امریکہ، دہلی میں ہونے والے ایک مشورہ میں جمعیۃ العلماء اور جماعت اسلامی کے مشترکہ انتظام میں طے ہوا تھا، جمعیۃ العلماء کی طرف سے مولانا علی میاں صاحب کی صدارت کی تجویز تھی، تاریخ انعقاد اندازاً آخر جولائی تھی، مولانا نے اپنی آنکھ کی طبی دشواریوں کے باعث واپسی کی صحیح تاریخ فی الفور بتانے سے معذوری ظاہر کی چنانچہ ۲۰ رجولائی کو ٹیلی فون سے بات ہوئی، اس میں مولانا نے ہندوستان واپسی میں مزید تاخیر کی اطلاع دی[1]

دو ہفتہ کی فرصت اور سفر کی اجازت

پارک ٹاؤن بلڈنگ میں ایک ہفتہ قیام کے بعد ۲۰ رجولائی کو ڈاکٹر کے یہاں جانا ہوا، اس نے آنکھ کے باقی ۴ ٹانکوں میں سے دو ٹانکے اور نکال دیے اور دو ہفتہ کے لئے امریکہ میں مزید ٹھہرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ شیکاگو کے سفر کا پروگرام طے ہو گیا، کہ ۲۲ رجولائی کو وہاں جا کر ۲ راگست کو فلاڈلفیا واپسی ہوگی کیوں کہ ۳ رکو ڈاکٹر نے آنکھ کو دیکھنے کا اور پھر اغلباً ہندوستان واپسی کی اجازت دے گا

شیکاگو میں تیسری بار آمد اور دوستوں سے ملاقات

چنانچہ ۲۲ رجولائی جمعہ کی شام کو ڈیڑھ گھنٹہ کی پرواز سے شیکاگو پہونچنا ہو گیا، یہاں اب دس بارہ روز ٹھہرنے کا قصد ہے، سید عظمت اللہ صاحب قادری ڈاکٹر عبدالسلام صاحب انصاری، عرفان احمد خاں صاحب، نشاط صاحب،

---

[1] بعد میں یہ کنونشن ۲، ۳ اکتوبر کو دہلی میں منعقد ہوا، مولانا نے افتتاح کیا، اور صدارت مولانا سید احمد اکبر آبادی نے فرمائی۔

قاضی بیابانی صاحب، فصیح صدیقی صاحب، معید الحق صاحب اور بعض دیگر احباب ایرپورٹ پہونچ گئے تھے، اور بہت مسرور تھے کہ ان کی خواہش کے مطابق مولانا کا سفر ایک بار پھر شیکاگو کا ہوا۔

قیام طے شدہ پروگرام کے مطابق سید عظمت اللہ صاحب قادری کے مکان پر ہوا، قادری صاحب کے گھر والے ابھی حیدرآباد سے واپس نہیں آئے ہیں، اس لئے ان کے مکان میں قیام کی آسانی ہے، یہاں پہونچتے ہی ایک خاص خوشی اور سکون حاصل ہوا جیسے کہ سفر سے آدمی اپنے کسی مستقر پر آئے اور کیوں نہ ہو، یہاں کئی کئی مخلص دوست ہیں جن سے مل کر مسرت وانس حاصل ہوتا ہے، سلیقہ کی قیامگاہ، شہر اور سنجیدہ علاقہ جس میں کئی صحیح الخیال اور دیندار مسلمانوں کا قیام ہے، قریب میں قادری صاحب کے دو بھائی اور اسی مکان میں ان کے برادر نسبتی اور سامنے ان کے ایک حیدرآبادی دوست امیر الدین صاحب مقیم ہیں، چند مکانات کے فرق سے ناظر الدین علی صاحب ڈاکٹر عبد السلام انصاری صاحب اور شیخ احمد زکی صاحب رہتے ہیں۔

عرفان احمد خاں صاحب کی رفاقت

عرفان احمد خاں صاحب ہندوستان کے سفر سے ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا واپس آگئے ہیں لیکن آتے ہی معدہ کی شکایات میں مبتلا ہو گئے اس لئے باوجود گہرا تعلق رکھنے کے فلاڈلفیا نہ پہونچ سکے اب یہاں قادری صاحب کے مکان پر ہی آکر مقیم ہو گئے ہیں تاکہ کم از کم اس مدت میں ساتھ رہیں، وہ

عرصہ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں، اور کئی سال سے برابر امریکہ کے اس سفر کے سلسلہ میں کوشاں تھے ان کی اس کوشش کا نتیجہ اب اس سال ظاہر ہوا وہ خوش ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اس سفر سے زیادہ سے زیادہ دعوتی مقصد کو فائدہ پہونچے طبیعت کی خرابی کے باوجود اور اپنی پی ایچ ڈی کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ وہ مولانا کے ساتھ جسقدر ممکن ہو سکے رہنا چاہتے ہیں۔

شیکاگو پہونچنے پر اگلا دن سنیچر اور اس کے بعد اتوار تھا، دونوں دن چھٹی کے تھے، اس لئے احباب برابر آتے رہے اور اکثر وقت ساتھ گذارا، گذشتہ ۲۰ روز کی گھٹن کا فور ہوئی، یہ محض خدا تعالےٰ کا فضل واحسان ہے۔

شیکاگو کی یونیورسٹیاں

یہاں کے قیام کے دوران شیکاگو یونیورسٹی اور جنوبی الینوائے یونیورسٹی جانا ہوا، دونوں کی لائبریریوں میں کچھ وقت گذارنے کا موقع ملا جنوبی الینوائے یونیورسٹی میں ڈاکٹر عبد السلام انصاری ریاضی کے استاد ہیں، وہاں وہ خود رہبر تھے، لائبریری میں لے جاکر ذمہ دار سے ملا دیا وہاں بعض مطلوبہ کتابوں میں تھوڑا وقت گذارنے کا موقع ملا، شیکاگو یونیورسٹی میں ان کے تعلق کے کئی لوگ ہیں، وہاں بھی انہی کے ہمراہ جانا ہوا، شیکاگو یونیورسٹی عالمی شہرت کی مالک ہے، اور امریکہ میں بھی ایک اچھا امتیاز رکھتی ہے، آرٹ اور سائنس دونوں میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے، ایٹم کو توڑنے کا عمل اسی یونیورسٹی نے پہلے کیا اس کی جگہ اور یادگار یونیورسٹی، لائبریری کے ایک پہلو میں ایک ذرا آڑ میں

واقع ہے، لوگوں نے بتایا کہ چونکہ اس سائنٹفک تحقیق سے انسانیت کی ایک تلخ یاد وابستہ ہے جو ہیروشیما وناگاساکی سے ظاہر ہے اس لئے اس یادگار کو بطور یادگار کے یہاں آنے والے کو دکھایا نہیں جاتا۔

اب بھی شیکاگو یونیورسٹی میں تحقیقات کا کام نمایاں اور جدت پسندانہ طریقہ سے جاری ہے۔

الی نوائے یونیورسٹی ایک علیحدہ یونیورسٹی ہے، عرفان احمد صاحب اسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، اب ان کو پڑھانے کے لئے اسباق بھی ملنے لگے ہیں، انھوں نے اپنے زیر تدریس نصاب میں مولانا کی تصنیف ارکان اربعہ کا ترجمۂ انگریزی "فور پلرس آف اسلام" بھی رکھی ہے، یہاں استاذ کو اس کا اختیار ہوتا ہے۔

امریکی تجارتی اداروں کی طرف سے علمی ہمت افزائی

امریکی حکومت اور امریکی صنعتی و تجارتی اداروں کی طرف سے علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کی بڑی سرپرستی ہوتی ہے، اور یونیورسٹیوں کو مالی سہولتیں دی جاتی ہیں کہ وہ اپنے یہاں کے مفید تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ و طلبہ کی ہمت افزائی اور مدد کریں، اس سلسلہ میں کوتاہی یا بخل نہیں کیا جاتا اسی لئے امریکہ میں برابر تحقیقات و ایجادات کے میدان میں نئے نتائج سامنے آتے رہتے ہیں، ان نتائج سے وہ اپنے تمدن اور وسائل زندگی میں مزید ترقی اور بہتری پیدا کرتے رہتے ہیں۔

امریکہ میں تعلیمی نظام

امریکہ میں ہائی اسکول تک جو کہ ۱۲ سال میں ہوتا ہے، تعلیم لازمی ہے، اس کے بعد اختیاری، جو کہ کسی ایک فن میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے، اسی لئے ہائی اسکول تک بدشوقی اور خانہ پری کی مثالیں بھی ملتی ہیں، تعلیم کو ذریعۂ معاش سمجھنے والے صرف اسی منزل تک تعلیم حاصل کرتے ہیں اس کے بعد شوق و دلچسپی رکھنے والے ہی تعلیم جاری رکھتے ہیں، اس لئے گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ تعلیم محنت سے حاصل کی جاتی ہے، اس میں استاد بھی محنت کرتے ہیں، اور طلبہ بھی، طلبہ کو کالج یونیورسٹی سے مطالعہ و محنت و تحقیق کا بہت کام دیا جاتا ہے، اور ان کی دوران سال کی کارکردگی کو ہی ان کی کامیابی اور آئندہ ترقی کی بنیاد بنایا جاتا ہے، کالج و یونیورسٹی کی کلاسوں میں تعلیم کا طریقہ سیمینار کے طرز کا ہے، اساتذہ طلبہ پر ہی تیاری اور مطالعہ کا بوجھ ڈالتے ہیں، اور خود صرف ان کی رہنمائی اور نگرانی کرتے ہیں، ان کو اپنی اس رہنمائی اور نگرانی کے لئے خود بھی بہت تیاری کرنا ہوتی ہے نیز اپنے علمی مقام کو یونیورسٹی و کالج کی نظر میں برقرار رکھنے یا بڑھتا ہوا ثابت کرنے کے لئے مسلسل تازہ مطالعہ کرتے رہنا پڑتا ہے، اور نیا تحقیقی کام کرتے رہنا پڑتا ہے، ان کی یہی فکر و محنت یونیورسٹی کے رکارڈ میں ان کی تنخواہ و عہدہ کی ترقیات کی بنیاد بنتی ہے نہ کہ وقت کا امتداد جیسا کہ ہمارے برصغیر کا مزاج بن گیا ہے کہ استاد خواہ کچھ بھی ترقی نہ کر رہا ہو اس کو محض وقت اور انتظامی ضابطہ کی بنا پر ترقی ملتی رہتی ہے حتی کہ وہ باوجود علمی ترقی

سے محروم ہونے کے نہ صرف اپنی یونیورسٹی میں بلکہ سارے ملک میں ایک عظیم عالم کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔

امریکہ میں طلبہ کی مدت تعلیم اتنی نہیں دیکھی جاتی جتنا کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کس مضمون میں عملاً کتنے سبق لئے ہیں اس کو وہ کریڈٹ آور (CREDIT OVER) سے تعبیر کرتے ہیں، ہر مضمون کے لئے وہ تعلیمی پوائنٹ مقرر کرتے ہیں، چنانچہ ان کے یہاں ایم اے کے لئے ۶۰ پوائنٹ مقرر ہیں، یہ سب پوائنٹ کامیابی سے گذار لینے والا ایم اے مانا جاتا ہے، ہندوستان سے جانے والا ایم اے عموماً ۳۰ پوائنٹ کی استعداد کا ثابت ہوتا ہے کہ اس کو وہاں پہونچ کر مزید ۳۰ پوائنٹ کرنے ہوتے ہیں، تب وہ ایم اے کے بعد کا کورس لے سکتا ہے، تعلیم میں سمسٹر کا نظام ہے، اور اس میں تعلیمی دیانت برتی جاتی ہے، سالانہ موسم گرما کی تعطیل میں مزید ایک چھوٹا سمسٹر بھی لگتا ہے، جو طلبہ وقت کی بچت چاہتے ہیں، وہ اس سمسٹر میں بھی شریک ہو جاتے ہیں، اس سے ان کے وقت کے مسئلہ میں تخفیف ہو جاتی ہے اور مقرر پوائنٹ میں سے کچھ اس تعلیم سے بھی مل جاتے ہیں، اکثر ہندوستانی، پاکستانی طلبہ کو ہم نے یہ درمیانی سمسٹر بھی کرتے ہوئے دیکھا۔

پی ایچ ڈی میں ریسرچ کرنے والے طلبہ کو مقررہ نظام کا ایک حصہ کامیابی کے ساتھ گذار لینے کے بعد ٹیچنگ کا موقع بھی دیا جانے لگتا ہے جس کا ان کو معاوضہ بھی دیا جاتا ہے، جو کہ باہر سے آئے ہوئے طلبہ کے لئے بڑی امداد ثابت ہوتا ہے کیونکہ امریکہ کا اخراجات کا مسئلہ باہر سے آنے والے کے لئے کمر توڑ معلوم ہوتا ہے، یہاں باہر سے آنے والے طلبہ کے وظیفے یہاں کے معیار سے عام طور پر بہت کم ہوتے ہیں، خاصی

کفایت شعاری سے کام لینا پڑتا ہے، اسی لئے اکثر طلبہ کوئی نہ کوئی جز وقتی کام بھی کرتے ہیں، مگر یہ جز وقتی کام یہاں کے قانون کی اجازت کے مطابق نہیں ہے، یہاں کام کرنے کے لئے کام کرنے کی باقاعدہ اجازت لینی ہوتی ہے، اور وہ طلبہ کو نہیں دی جاتی، لیکن طلبہ ایسی صورت میں عام طور پر اپنے اہل تعلق کے نجی کاروبار و دکانوں میں وقتی ملازمت کر لیتے ہیں۔

تعلیمی فیس کی زیادتی

یونیورسٹی تعلیم کی فیسیں بہت زیادہ ہیں، چار پانچ سو ڈالر (یعنی ۳، ۴ ہزار روپے) ماہانہ سے دس بارہ سو ڈالر (۸ - ۹ ہزار روپے) ماہانہ تک مختلف کالجوں یونیورسٹیوں میں تعلیمی اخراجات ہیں، میڈیکل اور لا کی پانچ سالہ تعلیم عموماً ایک لاکھ ڈالر کے لگ بھگ خرچہ چاہتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ خرچ وہ طالب علم نہیں کر سکتا جس کو امریکہ سے باہر اپنے وطن سے مصارف منگوانے پڑتے ہوں، یہ صرف وہی کر سکتا ہے جس کی آمدنی امریکہ میں ہوتی ہو یا امریکی معیار سے ہوتی ہو، اگر امریکہ کی کاروباری فرموں کی طرف سے بے شمار وظیفے طلبہ کو نہ ملتے ہوتے ..... تو یا تو امریکہ میں تعلیم کے مصارف کم ہو جاتے اور یا بہت کم نوجوان تعلیم حاصل کر سکتے، امریکہ کی کاروباری فرمیں یہ وظیفے صرف علم دوستی میں نہیں دیتیں بلکہ یہاں آمدنی پر ٹیکس کا ایسا نظام ہے کہ فرموں کو یہ وظیفے پانے پر ٹیکس کے بوجھ سے خاصی سبکدوشی ہوتی ہے، اور وہ اس کو اپنے ٹیکسوں کی تخفیف کے ذریعہ کے طور پر اختیار کرتی ہیں، تعلیم حاصل کرنے والوں کو یہ سہولت تقریباً اسی طرح

مل جاتی ہے، جیسے علاج کرانے والوں کو انشورنس کمپنیوں سے علاج کے مصارف کا بڑا حصہ مل جاتا ہے، دونوں یعنی کاروباری فرموں اور انشورنس کمپنیوں نے دراصل اپنے مالی تحفظات اور آمدنی کے لئے ہی یہ کار خیر اپنا رکھے ہیں، چنانچہ مصیبت اس کے لئے ہے، جس کو انشورنس کمپنی کی مدد حاصل نہ ہو اور وظیفے کی سہولت نہ ملے۔

تعلیم میں محنت اور ریسرچ کا نظام

امریکہ کے گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کلاسز میں محنت کا رواج اور تعلیم میں فرض شناسی خاصی پائی جاتی ہے، خواہ اس میں وقت زیادہ صرف ہو، چنانچہ پی ایچ ڈی کے ریسرچ کی مدت یورپ اور مشرقی ملکوں کے مقابلہ میں یہاں دوگنی ہوتی ہے، یہاں طلبہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، وہ علمی انہماک و محنت سے بعض وقت پریشان ہو جاتے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ تعلیم کی عمومیت کا یہ حال ہے کہ ہائی اسکول تک تو ہر ایک کے لئے لازمی ہے، اس کے بعد ملک میں بے شمار اعلیٰ تعلیمی اداروں کا بندوبست ہے، ہم نے ایک امریکی ڈائرکٹری میں یونیورسٹی سطح کی تعلیم گاہوں کی تعداد دیکھی تو یونیورسٹیوں اور گریجویشن کے اداروں، دونوں کو ملا کر پورے امریکہ میں دو ہزار کی تعداد نکلی، ایک ایک شہر میں ۱۰-۱۰-۱۵-۱۵ یونیورسٹیاں ہیں جن میں محنت بھی ہے، اور علمی ذوق کی سرپرستی اور حفاظت بھی کی جاتی ہے یونیورسٹی تعلیم کا فیڈریشن ان کے معیار کی بہتری اور ترقی کی فکر رکھتا ہے،

اور اسی کے مطابق تعاون و مدد بھی کرتا رہتا ہے۔

اسلوب تعلیم

امریکہ میں ہائی اسکول تک کی تعلیم کے لئے بھی طلبہ پر مطالعہ اور تحقیق علمی کا بوجھ ڈالنے کا رواج ہے، اساتذہ کوشش کرتے ہیں کہ طالب علم معلومات کو ثابت شدہ حقائق کے طور پر نہ قبول کرے بلکہ اگر نہ سمجھ میں آرہا ہو تو شک کرے، اعتراض کرے اور صحیح حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کرے اسی لئے وہی طلبہ ذی استعداد اور ذہین سمجھے جاتے ہیں، جو بولتے ہوں، سوال کرتے ہوں اور اعتراض کرتے ہوں، اس طرح پر تعلیم حاصل کرنے والی پوری نسل کو جستجو اور ذوق تحقیق کا خوگر بنایا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہی ترقی اور کامیابی کی کلید ہے، بہرحال امریکہ میں دولت کی فراوانی کے ساتھ تعلیمی میدان میں [illegible] وسیع محنت و ترقی اور زندگی کو بنانے کے لئے ان دولتوں سے پورا فائدہ اٹھانے کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ اس وقت دنیا میں اس قدر ترقی یافتہ اور فائق نظر آرہا ہے۔

تعلیمی اعداد و شمار

امریکہ میں تعلیم گاہیں سرکاری و پرائیویٹ دونوں قسم کی ہیں، پرائیویٹ تعلیم گاہوں کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں معیار تعلیم میں وہ سرکاری تعلیم گاہوں سے کم نہیں بلکہ فائق ہوتی ہیں اس لئے طلبہ کی خاصی بڑی تعداد ان میں تعلیم حاصل

کرتی ہے، امریکہ میں تعلیم کی عمومیت اور تعلیم گاہوں کی تعداد کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کا جائزہ کافی ہوگا، یہ ۱۹۶۷ء کے جمع کردہ اعداد و شمار سے حاصل کیا گیا ہے،

		تعلیم گاہیں	طلبار
ابتدائی تعلیم	سرکاری	۶۳۶۱۹	۲۵۸۶۵۰۰۰
"	غیر سرکاری	۱۴۳۷۲	۳۹۲۵۰۰۰
ثانوی تعلیم	سرکاری	۲۵۶۹۷	۱۹۲۱۱۰۰۰
"	غیر سرکاری	۳۷۷۰	۱۴۳۵۰۰۰
اعلیٰ تعلیم	سرکاری	۱۲۱۴	۷۴۲۶۰۰۰
"	غیر سرکاری	۱۵۲۳	۲۳۰۶۰۰۰
		۱۱۰۲۰۵	۶۰۱۶۸۰۰۰

غیر سرکاری تعلیم گاہیں عام طور پر مختلف مذاہب کے اداروں کے ماتحت ہیں ان میں ۸۱ ٪ رومن کیتھولک ۹ ٪ دیگر مذاہب اور ۱۰ ٪ آزاد ہیں جو کسی مذہب کے ماتحت نہیں ہیں، بلکہ دیگر مقاصد کے پیش نظر ہیں۔

شیکاگو کا پلینیٹیریم

شیکاگو کے دوران قیام سائنس میوزیم اور پلینیٹیریم (PLANETARIUM اجرام سماویہ کی سیرگاہ) دیکھنے جانا ہوا، پلینیٹیریم میں آسمانی منظر کی جس طرح تصویر کشی کی جاتی ہے، وہ عین اصل کے مطابق معلوم ہوتی ہے، رات کے اندھیرے کے مشابہ اندھیرا کرکے ستاروں کو دکھایا جاتا ہے، ستاروں اور چاند کی ہلکی روشنی میں

آسمان اور فضا جھلکتی نظر آتی ہے، پلینیٹیریم ہم نے لندن میں بھی دیکھا ہے، لیکن یہاں کا پلینیٹیریم زیادہ بہتر ملا، یہاں ان معلومات کا مشاہدہ بھی کرایا گیا جو خلا میں آدمی کے جانے سے حاصل ہوئیں، اس کے علاوہ کہکشاؤں کے پیدا ہونے کے اس تاریخی عمل کو بھی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، جو انسانی تحقیق یہاں تک آیا ہے، چاند اور مختلف سیاروں پر انسان کا جو وزن ہوتا ہے، اس کو وزن کی مشین کے ذریعہ تجربہ کرایا جاتا ہے، اس کے لئے ایک مشین ایک ہال میں فٹ کردی گئی ہے، ہم لوگوں نے اپنا اپنا وزن چاند اور مریخ و دیگر کئی سیاروں کے اعتبار سے دیکھا۔

عالم کے وجود میں آنے کے بارے میں ان سائنس دانوں کی تحقیق یہ ہے کہ ایک سمٹے ہوئے کائناتی بادل کے پھیلنے اور اس کے ٹکڑوں کے عظیم کروں کے مجموعے میں گردش کرنے اور تیز بھاگنے کے عمل سے ان کے ان کروں کو جو کھربوں سے زیادہ تعداد میں ہیں مستقل دخانی کی شکل اختیار کرنے کا موقع ملا، یہ کائناتی سحاب بے شمار کہکشاؤں کا مجموعہ ہے جو مختلف مجموعوں کی شکل میں خلا میں گھوم رہی اور بھاگ رہی ہیں، اس وقت تک معلوم کہکشاؤں کی تعداد ۱۰ ارب بتائی جاتی ہے ہر کہکشاں تقریباً ایک کھرب ستاروں پر مشتمل ہے، ان ستاروں میں سے بعض ہمارے سورج سے بڑے اور بعض چھوٹے ہیں، ہر ستارہ اپنا مستقل عالم رکھتا ہے جس کے اندر کئی ضمنی کرے ہوتے ہیں، جو اس ستارہ کے گرد مسلسل گردش کی حالت میں ہیں، ہر ستارہ کو سورج کا نام دیا جاتا ہے، اس کے گرد گردش کرنے والے کروں کو سیارے کہتے ہیں انھیں میں ایک سیارہ ہماری زمین ہے جو دیگر آٹھ سیاروں کے ساتھ ہمارے سورج کے گرد گردش کرتی ہے ہر سیارہ کے گرد بھی گردش کرنے والے ذیلی

کرے ہوتے ہیں یہ ذیلی کرے چاند کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں، یہ ایک یا کئی کی تعداد میں ہو سکتے ہیں، ہماری زمین کے گرد گردش کرنے والا ذیلی کرہ (چاند) صرف ایک کی تعداد میں ہے۔

ہمارا سورج اپنے تمام سیاروں سمیت نظام شمسی کہلاتا ہے، اور ہمارا یہ سورج دیگر تمام ستاروں کی طرح اپنے تمام ستاروں اور چاندوں سمیت اپنی کہکشاں کے مدار پر خود بھی گردش کر رہا ہے، اس طرح اس کائنات میں کوئی کرہ یا کروں کا مجموعہ ایسا نہیں جو ایک مسلسل دوڑ کی حالت میں نہ ہو، اس تحقیق سے قرآن مجید کی اس آیت کی تصدیق ہوتی ہے کہ "وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ" اللہ تعالےٰ کی صفت عزیز ہے کہ وہ ان ناقابل شمار اور عظیم کروں کو ایک مستقر کی طرف دوڑا رہا ہے، اور علیم ہے کہ وہ ان ناقابل شمار اور وسیع حقائق و معلومات کے حامل کروں اور ان کے مجموعوں کی باریکیوں کا پورا علم رکھتا ہے، جن کے کھربوں چھوٹے حصہ کے کھربوں چھوٹے جز کو بھی صرف ضروری حد تک جاننا انسان کے بس سے باہر ہے۔

یہ کائنات جو اپنے خالق کے سامنے اتنی چھوٹی اور معمولی ہے، ہماری نگاہ اور تصور کے لحاظ سے کتنی بڑی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کی وہ وسعت جہاں تک انسانی علم کی پہونچ ہوئی ہے، ۱۶ ارب نوری سال بتائی جاتی ہے، ایک نوری سال ۶۰ کھرب میل کا ہوتا ہے، نوری سال کا پیمانہ اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس کے بغیر اعداد و شمار کائناتی فاصلوں اور وسعتوں

کو بتانے سے عاجز ہیں ایک نوری سال کا فاصلہ وہ فاصلہ ہے جس کو روشنی ایک سال میں طے کر سکتی ہے، روشنی ایک سکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔

کائنات کی وسعت تو بڑی چیز ہے، صرف ... ہمارے نظام شمسی کی وسعت کا یہ حال ہے کہ ہمارے سورج کا اپنے قریب ترین دوسرے سورج سے فاصلہ ۴ نوری سال ہے۔

اس کائناتی عالم میں ہماری دنیا کسی قدر معمولی اور حقیر ہے، اور اس کی محدود رقبہ میں پھیلی ہوئی دولت و عزت آخرت کی لذتوں اور نعمتوں کے مقابلہ میں کس قدر کم ہے اس کا تصور کرنا کچھ مشکل نہیں اس کو حدیث کی روشنی میں اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کو ایک مومن کی نظر میں مرے ہوئے کتے سے تشبیہ دی ہے، اور ایک دوسری حدیث میں ایک مچھر کے پر سے بھی کم تر بتایا گیا ہے۔

سائنس میوزیم

سائنس میوزیم اتنا وسیع ہے کہ ایک ہفتہ تک مسلسل دیکھنے پر بھی آدمی پوری طرح ہر چیز کو دیکھ اور سمجھ نہیں سکتا، دو تین گھنٹہ میں اس کے بعض حصے اور وہ بھی قدرے سرسری طور پر دیکھے، ٹیلی فون کی ایجادات ترقیات اور آئندہ مزید ترقی کے امکانات کو جس شعبہ میں دکھایا گیا وہ شعبہ ہم لوگوں کو سب سے پہلے ملا، اس موقع پر حسن عسکری طارق صاحب بھی موجود تھے، یہ شکاگو کے دوران قیام آ گئے ہیں، ان کی آمد اصلاً مولانا مدظلہ کے امریکہ پہونچنے کے ساتھ ہوئی تھی، لیکن ان کو کچھ رکاوٹیں پیش آتی رہیں، جن کی بنا پر یہ اب آسکے

اگرچہ اب ضرورت باقی نہیں رہی تھی، لیکن بہرحال ان کی آمد سے خوشی ہوئی کیونکہ بہت انتظار رہا تھا، اب انس و مدد تو بہرحال ملے گی ہی، ٹیلی فون کی انجینرنگ سے ان کا جو ربط ہے، اس کی بنا پر اس سیکشن میں ان کا بہت جی لگا اور وہ زیادہ سیکھے اور انھوں نے اعتراف کیا کہ باوجود اس کے کہ کتابوں سے اور عملی مشاہدوں سے بہت کچھ معلومات حاصل کی ہیں، لیکن پھر بھی یہاں کئی نئی باتیں اور چیزیں ان کو ملیں، پلینٹیریم اور سائنس میوزیم کے مشاہدہ میں ہمارے رہبر قاضی بیابانی اور فصیح صدیقی صاحب تھے۔

سیرس ٹاور بھی دیکھنے جانا ہوا اور اس عظیم تعمیری کارنامے کا مشاہدہ کیا، اس مشاہدے میں ہمارے رہبر ابراہیم شرف صاحب تھے جو کہ ایک صحافی ہیں، کیرالا کے ہیں اور ہمارے میزبان سید عظمت اللہ قادری صاحب کے برادر نسبتی ہیں، سیرس ٹاور کے بارے میں ضروری تفصیلات شکاگو کے گذشتہ سفر کے تذکرہ میں گذر چکی ہیں۔

شکاگو کے دوران قیام روزانہ ڈاکٹر عبد السلام انصاری صاحب مولانا کو ایک گھنٹہ کی چہل قدمی کے لئے شکاگو کی کسی قریبی پارک میں لے جاتے یہ چہل قدمی عموماً ہم کئی افراد کی معیت میں ہوتی، سکون اور صاف و شاداب ماحول میں یہ سیر بہت خوشگوار ہوتی، دو تین بار یہ چہل قدمی بجائے پارک کے مشگین جھیل کے کنارے کے لانوں میں ہوئی، پانی کا حد نظر منظر اور پیچھے سبزہ اور سامنے شہر کی مختلف بلند قامت عمارتوں کا سلسلہ اچھی دلکشی رکھتا تھا۔

شکاگو کے اس بارہ روزہ قیام میں مولانا نے دماغی محنت کے پروگرام

نہیں رکھے تھے، تاکہ آپریشن شدہ آنکھ پر بوجھ نہ پڑے اور اس کے لئے ضروری احتیاط قائم رہے لیکن شکاگو سے واپسی سے ایک روز قبل ایم سی سی کے ارکان کے سامنے جو کہ قادری صاحب ہی کے مکان میں اکٹھا ہو گئے تھے، اور انھوں نے انجمن کی طرف سے دعوت بھی کی تھی، ایک مختصر تقریر فرمائی جس کی حیثیت ایک طرح سے دینی کارکنوں کے لئے مشوروں کی تھی۔

شیخ زکی حماد کی طرف سے دعوت

شیخ زکی حماد نے مولانا سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مولانا ان کے مکان پر بھی آئیں، اس کے لئے انھوں نے دعوت کا بھی انتظام کرنا چاہا تھا مولانا نے ان کی محبت و تعلق کے پیش نظر ان کی دعوت کو قبول کیا لیکن چونکہ وقت ایک ہی دن کا رہ گیا تھا، اور ایم سی سی والے بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، اس لئے انھوں نے بھی مولانا سے ارکان سے ملنے اور کچھ دینی و دعوتی باتیں کرنے کا وقت لے لیا، اور اپنے طور پر کھانے کا بھی نظم کر لیا، ایک ہی وقت میں دو دعوتوں کے نظم کا علم بعد میں ہوا، دونوں کو اپنی اپنی بات پر اصرار تھا، اس لئے درمیان کی راہ یہ نکالی گئی کہ مولانا مدظلہ کے کھانے کا نظم شیخ زکی حماد کریں گے باقی سرکار کے کھانے کا انتظام ایم سی سی کی طرف سے ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جگہ سید عظمت اللہ صاحب قادری کا مکان ہی طے پایا۔

شیخ زکی حماد کے مکان پر جانے کا تقاضہ اس طرح پورا ہوا کہ مولانا علیحدہ سے صبح ۹ بجے بغیر کھانے ناشتہ کی پابندی کے بغیر ان کے مکان تشریف لے گئے

تھوڑی دیر بیٹھے، گفتگو رہی پھر واپس قیام گاہ آئے، ان کا مکان زیادہ دور نہ تھا، شیخ زکی اچھے فاضل اور شریف الطبع دعوتی ذہن کے مسلمان عالم ہیں شیکاگو میں ان کا قیام خاصا مفید ہو رہا ہے، ان کا مرکز عمل ایم سی سی ہی کے مرکز میں ہے۔

نشاط صاحب اور ان کے رفقاء

شیکاگو کے اس قیام میں نشاط صاحب بہت محبت و تعلق کے جذبہ کے ساتھ ہمراہ رہے، درمیان میں تین چار روز کے لئے اپنی یونیورسٹی ڈیکالب (DEKALB) گئے تھے کیونکہ امتحان تھا، امتحان دیتے ہی آگئے، ان کے دوستوں قاضی بیابانی صاحب اور فصیح صدیقی صاحب نے بھی دلچسپی اور تعلق کے ساتھ خاصا وقت دیا، ان سب محبین کی وجہ سے شیکاگو کا یہ قیام خاصا انس و راحت کا بنا۔

فلاڈلفیا واپسی اور آنکھ کی صحت کی تصدیق

۲ اگست کو شیکاگو سے فلاڈلفیا بذریعۂ ہوائی جہاز جانا ہوا، رات پارک ٹاؤن میں صفوت علی صاحب کے فلیٹ میں گذاری اور دوسرے روز صبح مجدی خطیب صاحب کی معیت میں ڈاکٹر شے کے اسپتال جانا ہوا، اس نے آنکھ کا معائنہ کیا، بقیہ تین ٹانکے نکالے اور آپریشن کی کامیابی پر مبارکباد دی اور ہندوستان واپسی کی اجازت دے دی، بہت خوشی ہوئی، ڈاکٹر شے کا

مولانا نے شکریہ ادا کیا، ایک اچھی عطر کی شیشی جو خوبصورت کیس میں تھی، اور ہندوستان سے بمبئی کے ایک محب و دوست بھائی اسمٰعیل منصوری نے ہدیۃً بھیجی تھی، ڈاکٹر شے کو پیش کی انھوں نے خوشی سے قبول کیا، دوا اور آنکھ کے آئندہ چند روز کے علاج و فکر کے لئے چند ہدایات لکھ کر دیں اور کہا کہ ہندوستان میں اپنے ڈاکٹر کو پندرہ روز بعد دکھا کر آئندہ کے لئے رائے اور ہدایات لے لیجئے گا۔

آنکھ کے علاج کے اخراجات اور اس کی ادائیگی

آپریشن کے اور قیام اسپتال کے اخراجات تو اصلاً غیر معمولی حد تک زیادہ تھے، اس لئے بھی کہ علاج اس ملک میں بہت گراں ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ اسپتال بہت معیاری ہے، لیکن ڈاکٹر شے نے مولانا کا اتنا لحاظ کیا کہ اپنے حق کی فیس نہیں لی، اسپتال کے اخراجات میں بھی ممکن رعایت کروا دی، مولانا کے ایک محب ڈاکٹر دجانی جوار دنی ہیں، امریکہ میں ڈاکٹر ہیں، عرصہ سے اس سلسلہ میں پیش کش کر رہے تھے، چنانچہ اس موقع پر انھوں نے بھی تعاون کیا ان باتوں سے اخراجات کا بار مولانا مدظلہ پر زیادہ نہیں پڑا۔

ہندوستان واپسی کی تیاری

نیویارک واپسی اور ہندوستان کی تیاری

اسپتال سے واپسی پر چند گھنٹے صفوت علی صاحب کی قیامگاہ پر قیام کرکے شام کو بذریعہ ٹرین نیویارک واپسی ہوئی، اسٹیشن پر آسی صاحب مجددی خطیب صاحب، صفوت صاحب آگئے تھے، اور نیویارک میں ساجد حسین صاحب آئے سیدھے انہی کے مکان پر جانا ہوا اور اس طرح نیویارک پر ہمارے اس سفر امریکہ کا یہ تیسرا دور بھی ختم ہوا، پہلا دور تو وہ تھا، جو ۲۷ر مئی کو نیویارک پہونچنے کے بعد سے بلومنگٹن میں ایم ایس اے کی کانفرنس میں شرکت اور اس کے بعد انڈیانا پولس پھر بالٹی مور ہوتے ہوئے ۲ر جون کو نیویارک واپسی تک رہا، پھر ایک روز کا وقفہ کرکے ۳ر جون سے نیویارک کو شامل کرتے ہوئے دعوتی دورہ شروع ہوا جو مشرقی امریکہ، کناڈا، مغربی امریکہ و شمال وسطی امریکہ کے شہروں سے ہوتے ہوئے ۲۶ر جون کو پھر نیویارک پر ختم ہوا، پھر آپریشن کے سلسلہ میں ۲۸ر جون کو نکلنا ہوا، فلاڈلفیا اور پھر شیکاگو میں وقت گذار کر ۳ر اگست کی شام کو پھر نیویارک واپسی ہوئی، اب ہندوستان واپسی کی باری ہے، اور اسی سلسلہ میں نیویارک دو روز ٹھیرنا ہے، ۵ر یا ۶ر اگست کو ہندوستان کے لئے

ایر انڈیا سے واپسی کا پروگرام ہے، نیویارک کے ان بقیہ دو دنوں میں سے ایک دن سید ساجد حسین صاحب کے ساتھ ان کے مکان پر اور دوسرا روز ڈاکٹر مطیع صدیقی صاحب کے یہاں ان کے اور ماسٹر محمد سمیع صاحب کے ہمراہ گذارنا ہے، دونوں سے وعدہ ہے یہ دونوں امریکہ کے اس سفر میں ہمارے عزیز اور قریبی میزبان رہے ہیں۔

۶ر اگست ایم ایس اے کی طرف سے انیس احمد صاحب نے میزبانی اور تعاون کے عنوان سے جو توجہ کی وہ ایم ایس اے کی طرف سے ان کے مفوضہ فرائض سے بہت زیادہ تھی، مولانا اور ہم دونوں ان کے بہت مشکور رہے، آپریشن کا مرحلہ بھی ان کے تعاون سے بہت آسان رہا، انھوں نے ہم لوگوں کی ہندوستان واپسی سے قبل ملاقات اور رخصت کرنے کے لئے یہاں آنے کا وعدہ کیا ہے۔

نئی دنیا عظیم دنیا متضاد حالات

اب امریکہ سے ان سب دوستوں اور محبوں کی نہ بھلائی جانے والی یادیں لے کر واپس جانے کا وقت آگیا ہے، یہ دو ماہ دس روز کی مدت اب کتنے لگ گئی ہے، اس میں نئی اور عظیم دنیا دیکھی، نفرت کے قابل باتیں بھی دیکھیں اور سیکھنے کے لائق کام بھی دیکھے، اپنوں کی محبت دیکھی، غیروں کی رواداری دیکھی، دنیاوی جدوجہد میں لگن اور فرض شناسی دیکھی، تہذیب جدید کی ملمع کاری بھی دیکھی، سائنسی تحقیق اور ایجاد کی معراج بھی دیکھی، اجتماعی زندگی کی سلیقہ مندی و شائستگی دیکھی اور نجی زندگی کا بگاڑ اور زبوں حالی دیکھی، امریکہ جو اس وقت ایک دوہری کیفیت اور متضاد حالات کا ملک بنا ہوا ہے، صرف مشرق ہی کو نہیں متاثر کر رہا ہے بلکہ اب یورپ پر بھی اثر انداز ہو رہا ہے،

اس نے اس کو اپنے ہی قافلہ کا مسافر بنا دیا ہے، اس امریکہ کو اگر زندگی کا صحیح رخ میسر ہو جائے تو وہ ساری دنیا کو سنوار سکتا ہے، اور راحت و عافیت سے بہرہ ور ہو سکتا ہے، ورنہ یہی امریکہ ایسی تباہی لا سکتا ہے، جو دنیا کو ہزاروں سال پہلے کی پسماندگی کی طرف پہونچا دے گی۔

امریکہ میں مقیم مسلمان

امریکہ میں جو مسلمان مقیم ہیں، وہ اپنے ذہنی معیار اور احساس ذمہ داری میں ممتاز نظر آئے، جتنے لوگوں سے اس تمام عرصہ میں ملاقات ہوئی، ان کو سمجھ اور اخلاق سے متصف پایا محض اس نسبت کی بنا پر جو اسلام اور علم دین سے ہم لوگوں کی ہے، سب نے بھائیوں کی طرح معاملہ کیا۔

ظاہر ہے کہ وطن سے اسقدر دور اگر ہم وطن اور ہم مذاق لوگ ملیں تو آدمی کو بہت قدر ہوتی ہے اور بہت انس محسوس ہوتا ہے، یہ لوگ مشرق کے دین و بے دینی کے مخلوط ماحول سے نکل کر خالص بے دینی کے ماحول میں آئے، تربیت بہر حال دین کی محبت پر ہوئی تھی، لہذا اس دین کے حامیوں سے خالی ملک میں ان کو علی العموم اپنی ذمہ داری محسوس ہونے لگی جو کہ اپنے مشرقی ملکوں میں محسوس نہیں ہوتی تھی، کیونکہ وہاں ان کو دین کے حامی و مددگار بکثرت نظر آتے تھے۔

مشرق سے جو لوگ یورپ گئے ہیں، وہ شروع میں تو منتخب اور علمی مزاج کے لوگ تھے بعد میں مزدور طبقے کے لوگ بھی جانے لگے اور جانے والوں کے قرابت داروں میں بھی ہر طرح کے لوگ گئے، اس لئے وہاں اب تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کی قید نہیں رہی

لیکن امریکہ میں ابھی صرف پڑھے لکھے یا پڑھنے لکھنے کا قصد رکھنے والے ہی پہونچ رہے ہیں اس لئے امریکہ میں مشرق سے جانے والے اکثر اچھے ذہنی معیار و مذاق کے لوگ پہونچے ہیں جس کی وجہ سے ان کے توازن اور معیار ذہنی کا اچھا تجربہ ہوتا ہے۔

امریکی مسلمانوں کے مسائل اور ذمہ داری

امریکہ میں پہونچے ہوئے یہ مسلمان بہت کام کر سکتے ہیں کیونکہ وہ علی العموم اچھی علمی و ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہیں، وہ امریکہ کو صحیح دین کا پیغام بھی پہونچا سکتے ہیں اور اپنے دین کی حفاظت کی فکر بھی اچھی کر سکتے ہیں، وہ اپنی ملی ضرورت کے اجتماعی و تربیتی میدانوں میں ایک حد تک کام بھی کر رہے ہیں، ان کے سامنے جو اہم مسائل ہیں وہ ان کو حل کرنا چاہتے ہیں، اس کی شہادت ان کی یہ بے شمار انجمنیں دیتی ہیں، جو یقیناً اچھے خاصے مصارف سے چلتی ہیں، اور مصارف کا یہ بار عموماً امریکہ میں مقیم انہی مسلمانوں کی جیبوں پر پڑتا ہے، لیکن پھر بھی دو مسئلے ان کے لئے بڑی فکر اور توجہ کے طالب ہیں، جو ان کے دینی بقاء اور ملی مقاصد کے حصول کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ایک تو ان سب کا آپس کا تعاون اور اتحاد عمل اور دوسرے نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت

آپس کا تعاون

آپس کے تعاون کے معاملہ میں اس وقت امریکی جماعتوں کے درمیان خاصی الجھنیں ابھر آئی ہیں، خود ایم ایس اے جیسی بڑی انجمن کو اس سلسلہ میں متعدد دشواریوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، ایک طرف اس کی رابطہ عالم اسلامی سے کش مکش ہے اور

دوسری طرف خود اسی کے اندر ایک ناراض گروہ پیدا ہو گیا ہے جس نے ابھی حالیہ دنوں میں گمنام ناقدانہ خطوط اور مخفی مخالفت کا سہارا لیا اور جس کی گونج مختلف حلقوں میں سنی گئی۔

ایم ایس اے یا جن جماعتوں کو اس طرح کے مسائل پیش ہیں، ان کو محبت، رواداری اور حکمت عملی سے اس نامناسب ابھرتی ہوئی صورت حال کے علاج کی فوری فکر کرنا چاہیئے اور کسر نفسی، بے غرضی اور جذبۂ اخوت سے ایسے مسائل کو حل کرنا چاہیئے۔

نئی نسل کی دینی حفاظت

ثانی الذکر مسئلہ کی طرف بھی بڑی توجہ کی ضرورت ہے، مشرقی ممالک سے جو مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں تعلیم و تربیت مکمل کر کے امریکہ آئے ہیں، ان کو اپنے دین و اخلاق کے ساتھ ایسا لگاؤ اور اعتماد ہے، جس کے بقاء کی صورت میں بظاہر ان کو ان کی عمروں کے اس مرحلہ میں کوئی خطرہ نہیں ہے، کیونکہ وہ جڑیں پکڑ چکا ہے، لیکن ان کی نئی نسل جس نے دل و دماغ پر نقش اول بھی امریکہ جیسے بے دین اور اخلاقی قدروں سے خالی ملک میں حاصل کیا ہے، اگر اس کو دین اسلام سے صحیح طور پر وابستہ کرنے کی مناسب کوششیں نہیں کی گئیں تو یہ نئی نسلیں اسلام سے نہ صرف ناواقف رہیں گی بلکہ بالکل بیگانہ ثابت ہوں گی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی مثالیں امریکہ میں بآسانی دیکھی جا سکتی ہیں، جو لوگ پچاس ساٹھ سال سے یا اس سے بھی پہلے امریکہ آئے ہیں عموماً ان کی اولاد کا اسلام سے اب کوئی رابطہ باقی نہیں ہے، ان کے ماں باپ ملک کے حالات

اور نظام سے بے بس تھے، اور اسکول کالج و ریڈیو، ٹیلی ویژن بازار اور سینما ان کی اولاد کی پوری تربیت کر رہے تھے، اس صورت حال کی بعض مثالیں بوسٹن کے قیام کے تذکرہ میں گذر چکی ہیں۔

اب جبکہ امریکہ میں مسلمانوں کی خاصی تعداد ہو گئی ہے، اور کئی جگہوں پر وہ کالونی طرز کی زندگی گذار رہے ہیں مذکورہ بالا خطرات کے مقابلے کے لئے وہ کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں، مولانا نے اس ضرورت کی طرف بار بار توجہ دلائی اور کہا کہ اگر اس کا مناسب نظم آپ لوگ نہیں کر سکتے تو امریکہ میں آپ کے رہنے کو میں ناجائز سمجھتا ہوں آپ کے ملکوں میں اگر خشک روٹی ملتی ہے تو اس کو گوارا کرنا چاہیئے مزید آمدنی کے لئے اپنی نسلوں کو دینی و تہذیبی ارتداد کے خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہیئے۔

بچوں کی حالت

ہند و پاک کے جو مسلمان امریکہ میں مقیم ہیں، ان کے بچوں میں اپنے مشرقی ملکوں کی زبان میں بات کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں جن خاندانوں میں ہمارا قیام ہوا ان کے بچے صرف انگریزی میں بات کرتے تھے، بعض جگہ ایسے بچے بھی ملے جنھوں نے ابھی اسکول جانا بھی شروع نہیں کیا تھا، لیکن وہ بھی صرف انگریزی بولتے تھے، اگرچہ ان کی مائیں گھر میں مشرقی زبان استعمال کرتی ہیں، لیکن ان بچوں کا محلے کے بچوں کا ساتھ اور ہمہ وقت ٹیلی ویژن دیکھنا، ان کو زبان و اخلاق میں امریکی رنگ دے دیتا ہے، اور ماں باپ معذور رہتے ہیں، بعض جگہ بچے جب بہت مانوس ہوئے تو یہ ان کی محبت تھی وہ مصنوعی پستول دکھا کر کہنے لگے،

آئی شوٹ بو، ظاہر ہے ٹیلی ویژن وغیرہ میں جو بات بار بار دیکھنے کو ملے گی
وہی ذہن و مذاق کی غذا بنے گی، یہ ایک علامت ہے اس خطرہ کی جس کی طرف
امریکہ میں مقیم مسلمانوں کو بڑی توجہ کرنا چاہیے۔

امریکی جمہوریت اور کمیونسٹ آمریت کا مذاق

امریکہ کا جمہوری نظام تمام باتوں کے باوجود کمیونسٹوں کے آمرانہ
نظام سے بہتر ہے، اول الذکر میں تکلیف میں مبتلا آدمی کی کراہ پر پہرہ نہیں
لگایا جاتا، یہ الگ بات ہے کہ اس کراہ کا مداوا ہوتا بھی ہے یا نہیں لیکن
کمیونسٹوں کی جمہوری آمریت میں ایسی کوئی کراہ نکالنا خلاف ادب و خلاف
ضابطہ سمجھا جاتا ہے اور ضابطہ شکنی کی سزا سخت ہے، امریکہ اپنی دولت
کی تھیلیوں سے لوگوں کے ضمیر خریدتا اور ذہنوں کو بگاڑتا ہے لیکن کمیونسٹ
نظام میں سنگین کی نوک سے لوگوں کے ضمیر دبانے کا انتظام ہے، بین الاقوامی
سیاست میں دونوں برے ہیں، اور دونوں مفسد، لیکن ایک نرم کلام اور نرم
معاملہ اور دوسرا صرف الفاظ سے کام لینے والا اور سفاک، مشرق کو ان
دونوں شیطانوں کے درمیان انسانوں کی راہ بنانی ہے، جو انسانوں کے آخری نبی
محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، جنھوں نے نہ
بے مہار جمہوریت کی اجازت دی ہے اور نہ خود سر آمریت کی۔

امریکہ دین حق کا محتاج

آج مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ امریکہ کو اس دین حق سے واقف

کرائیں جو خدائے برتر و اعلیٰ کے آخری نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور جس سے
انھوں نے اپنے زمانہ کی بہت بگڑی ہوئی مخلوق کو تاریخ کی بہت صالح اور
ناقابل فراموش محسن انسانیت مخلوق بنا دیا، آج امریکہ کو اس عظیم نبی کے مقام
و پیغام سے واقف کرانے کی ضرورت ہے، لیکن یہ کام دنیا کے موجودہ اصلاحی و
تحریکی طریقہ کار کے بس کا نہیں، یہ خاموش اور دردمندانہ دعوتی طریقے سے انجام
دینے کا ہے، جس میں جدوجہد کرنے والا اپنی محنت و تندہی کا صلہ اس زندگی میں
نہیں چاہتا اور نہ انسانوں کی مدح و قدردانی کا بھوکا ہوتا ہے، وہ اخلاص و لگن
سے کام کرتا ہے، اور اپنے مالک کی رضا پر نظر رکھتا ہے، اور یہی اس کی تقویت اور
مسرت کا باعث ہوتا ہے۔

جمعرات ۴ راگست کا دن ساجد حسین صاحب کے مکان پر گذرا، وہاں
محمد خورشید صاحب بھی آئے، انھوں نے مولانا مدظلہ کا وہ مقالہ سیرت جو
"MERCY FOR THE WORLDS" کے نام سے موسوم ہے اپنے ادارے "MERCY
OF THE UNIVERS" کے نام سے طبع کرانے کی اجازت لے رکھی ہے، آج کل وہ اسی
کی تیاری میں تھے، ہماری اکیڈیمی سے اگرچہ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے لیکن امریکہ میں
طبع ہونے کی صورت میں وہ امریکہ میں زیادہ اشاعت پا سکتا ہے، امید تھی کہ امریکہ
سے روانگی سے قبل اس کو امریکی طباعت کے لباس میں دیکھنے کا موقع مل جائے گا
لیکن معلوم ہوا کہ اس کے تیار ہونے میں ابھی کچھ تاخیر ہے، اب ہندوستان واپسی
پر ہی بذریعہ ڈاک اس کے بعض نسخے مل سکیں گے۔

طارق صاحب کو امریکہ آئے ہوئے صرف بارہ روز ہوئے ہیں وہ اسکرش

(EXCURSION) ٹکٹ پر آئے ہیں اور اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ واپسی دو ہفتہ سے قبل نہ ہو، ہم لوگوں کے واپسی سفر کے پروگرام کے لحاظ سے ان کو امریکہ میں صرف ۱۴ روز گذریں گے، ان کی خواہش کم از کم لندن تک ساتھ واپسی کی ہے اس کے لئے وہ ایرانڈیا کے نیویارک دفتر گئے، میں بھی ان کے ساتھ تھا، یہ دفتر مین ہاٹن کے وسط میں ایک عمارت کی ۱۲ ویں منزل میں ہے، پورا علاقہ سر بفلک خوبصورت اور صاف ستھری عمارتوں سے معمور ہے، جن سے مغربی تمدن کی چمک دمک کا پورا اظہار ہوتا ہے، موٹروں کے جلوس خاموشی کے ساتھ ہمہ وقت سڑکوں پر متحرک، اور مغربی انسان ان موٹروں پر اور پیدل خاموشی وانہماک سے اپنے مقاصد کے لئے رواں دواں ہے اور یہ سب جو دیکھے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایرانڈیا والے خوش اخلاقی سے ملے لیکن دو ہفتوں میں ایک وزٹ کی کمی کا عذر بیان کیا، طارق صاحب نے ابھی ہمت نہیں ہاری اور ایرپورٹ پر کوشش کا فیصلہ کیا۔

جمعرات ۴ اگست کی شام کو ساجد حسین صاحب کے مکان سے ہم لوگ ڈاکٹر مطیع صاحب کے مکان پر آگئے۔

جمعہ ۵ اگست کا دن مولانا مدظلہ اور میں نے مطیع صاحب کے مکان پر ہی گذارا بعض اہل تعلق آئے ان سے ملاقات رہی اور ہمارے محترم ماسٹر محمد سمیع صاحب کا ساتھ رہا، وہ اور ان کے صاحبزادہ مطیع صاحب اور ان کے گھر والوں نے بالکل عزیزوں جیسا تعلق رکھا، طارق صاحب نے نیویارک (مین ہاٹن) میں بعض مقامات دیکھنے اور کچھ خریداری کے لئے اور بعض اہل تعلق سے ملاقات کے لئے جانے کا پروگرام بنایا تھا، وہ وہاں گئے انھوں نے ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ دیکھی اور اس پر چڑھے وہ اس کو ابھی تک نہیں دیکھ

سکے تھے، وہ وہاں کی سیر اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر عشاء کے وقت واپس آئے، مغرب کے قریب مولانا مدظلہ چشموں کے فریم کی ایک مشہور دوکان پر محمد خورشید صاحب کے ہمراہ گئے اور وہاں ایک فریم پسند کیا، رات کو ڈاکٹر مطیع صاحب نے دعوت کی جس میں اہل تعلق شریک رہے، جن میں مظہر حسین صاحب قابل ذکر ہیں۔

شنبہ ۶ اگست ــــــ آج انیس احمد صاحب کو مولانا مدظلہ سے ملنے آنا تھا چنانچہ ان کو سید ساجد حسین صاحب ایرپورٹ سے اپنی کار پر لائے، انیس احمد صاحب نے اس سفر امریکہ میں محبت، گرمجوشی، رفاقت اور تعاون کا جو معاملہ کیا، وہ برابر یاد رہے گا، تھوڑی دیر نشست رہی، انیس احمد صاحب کو چونکہ ایک اہم پروگرام میں جانا تھا اس لئے وہ نیویارک سے ہندوستان روانگی کے موقع پر موجود نہ رہ سکنے کی معذرت کر کے واپس گئے۔

ہندوستان واپسی

ایرانڈیا کا آج کا جہاز دہلی کے بجائے بمبئی جاتا ہے، اس کی نیویارک سے بمبئی تک کی پرواز صرف ۱۷ گھنٹے کی ہے، راستہ میں صرف لندن میں اسٹاپ ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے لندن ایرپورٹ پر وقت ملتا ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لندن کے ایک لکھنوی دوست محمد مسرور صاحب سے ٹیلی فون پر طے ہو گیا تھا کہ وہ ایرپورٹ آئیں گے اور ان شاء اللہ ملاقات ہوگی، لندن میں ان کے علاوہ اور کئی محبین ہیں جن میں خاص طور پر مخدومی مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کے صاحبزادہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی بھی ہیں، ان سے بھی ان شاء اللہ ملاقات ہو سکے گی۔

جہاز کی پرواز رات کو پونے ۹ بجے ہے اس لئے قبل مغرب روانگی ہوئی، سفر کی

ضروری کارروائی انجام پاتے پاتے عشاء کا اول وقت ہوگیا، لہٰذا ہم لوگوں نے جہاز پر جانے سے قبل عشاء بھی وہیں ادا کی اور جہاز کے لئے روانہ ہوئے اتنی دیر میں طارق صاحب نے بھی کسی طرح سفر کی اجازت حاصل کر لی اور جہاز پر ایک ساتھ سوار ہوئے۔

ہم لوگوں کو رخصت کرنے والوں میں ماسٹر محمد سمیع صاحب، ڈاکٹر احمد مطیع صاحب، سید ساجد حسین صاحب، محمد خورشید صاحب اور متعدد اہل تعلق تھے، سب نے محبت اور تاثر کے ساتھ رخصت کیا۔ تقریباً آٹھ گھنٹے کی مسلسل پرواز کے بعد لندن اسٹاپ ہے، چونکہ ہم مغرب سے مشرق جا رہے ہیں، اس لئے وقت کی رفتار تیز معلوم ہوتی ہے اندازہ یہ ہے کہ نیویارک وقت کے اعتبار سے گھڑی میں رات کے ½۲ بجے ہوں گے کہ سورج طلوع ہو جائے گا، لندن سے نیویارک کے درمیان پانچ گھنٹے کا شمسی فرق ہے، لندن ہم نیویارک کی گھڑی کے مطابق ½۴ کے قریب پہونچیں گے اس وقت لندن میں ½۹ بجے دن ہوگا۔

لندن تک سفر پرسکون اور اچھا رہا، مولانا مدظلہٗ کو دو ایک سیٹیں ہموار کر دینے سے نسبتاً لیٹنے کا موقع مل گیا، ہم ہوائی جہاز پر سونے کے عادی نہیں عموماً سوتے جاگتے وقت گذرتا ہے، طارق صاحب کی موجودگی سے یہ سفر خوشگوار رہا۔

لندن پہونچنے پر معلوم ہوا کہ جہاز کو صرف ایک گھنٹہ قیام کرنا ہے اور باہر کے لوگ اندر نہیں آسکتے، یا تو ان سے جا کر باہر ملا جا سکتا ہے جس کے لئے وقت اجازت نہیں دیتا اور یا ٹیلی فون سے بات ہو سکتی ہے، طارق صاحب کو لندن اترنا تھا تاکہ دو ایک روز توقف کر کے جدہ واپس چلے جائیں، لہٰذا وہ باہر جانے کا انتظام کرنے لگے اور مولانا مدظلہٗ اور ہم ٹرانزیٹ میں آگئے، وہاں مسافروں کی آمد و رفت کا سلسلہ تھا، ٹرانزیٹ کے کیفیٹریا میں عرب نوجوان وقت گذاری کر رہے تھے، ان کی

بے فکری اور آزاد طبعی دیکھ کر وہ خبریں یاد آگئیں جن سے معلوم ہوتا رہتا ہے کہ دولتمند عربوں نے لندن کو اپنے عیش و اسراف کا میدان بنا رکھا ہے، اور انگریز ان کی دولت لینے اور ان کو خراب کرنے کی طرف متوجہ ہیں۔

ٹرانزیٹ سے ٹیلی فون پر محمد مسرور صاحب، مولانا عتیق الرحمان صاحب سنبھلی ضیا ابن مولانا عبداللہ عباس ندوی اور بعض دیگر حضرات سے بات ہوئی، اسی پر دو ملاقات پر اکتفا کر کے مولانا مدظلہٗ اور ہم جہاز پر آگئے، جہاز لندن سے روانہ ہو کر ۸ گھنٹے کی پرسکون پرواز کے بعد لندن کی گھڑی سے ۸ بجے شام، نیویارک کی گھڑی سے ۳ بجے سہ پہر اور ہندوستانی وقت کے اعتبار سے رات کے ½۱۲ بجے۔۔۔۔ بمبئی پہونچا۔

بمبئی ایرپورٹ میں دوستوں اور محبین نے استقبال کیا، اتنی دیر گئے رات میں صوفی عبدالرحمان صاحب، بھائی اسمٰعیل منصوری صاحب، حاجی یعقوب صاحب اور دارالعلوم فلاح دارین کے مہتمم مولانا عبداللہ سورتی صاحب نے تشریف لا کر اپنی بڑی محبت اور تعلق کا ثبوت دیا، ان کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ ۲ ماہ ۱۲ روز وطن سے دور اور ملک غیر میں رہ کر آج وطن میں ان محبین سے ملاقات کی مسرت حاصل ہوئی، فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات ولہ المنة والشکر

شب ہی میں دہلی کے لئے جہاز طے تھا، چنانچہ اس کے ذریعہ بوقت فجر دہلی پہونچنا ہوا، اس راستہ میں ہر طرف بادل و طوفان تھا جس کے اثر سے جہاز نے خاصے جھونکے کھائے ارد گرد بجلی بھی کوندی جس سے بہت تشویش اور خوف ہوا اور ڈر ہوا کہ کہیں جہاز موسمی خرابی کا شکار نہ ہو جائے غیر معمولی کیفیت تھی، لیکن خدا کے احسان و کرم سے یہ سفر بھی بخیریت انجام پایا، دہلی پہونچ کر ہوائی سفر ختم کیا

اور ٹرین سے لکھنؤ جانے کا فیصلہ کیا، دہلی ایرپورٹ پر مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی مدظلہ، مولوی احمد لاٹ سورتی ندوی، مولوی قمر علی ندوی، مولوی عبید اللہ سیوانی ندوی آگئے تھے، ان سے لکھنؤ کی خیریت معلوم کی، معلوم ہوا کہ برادر معظم مولانا سید ابوبکر حسنی دہلی میں موجود نہیں ہیں وہ اپنے بہنوئی اور ہمارے ماموں سید محمد یامین حسنی کی تعزیت میں رائے بریلی گئے ہیں، جن کا انتقال ابھی حال میں ہوا، ان کے بیٹے سید علاء الحسنی آج ہی رائے بریلی سے لوٹے ہیں، ممکن ہے آج ان سے ملاقات ہو جائے ان کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے ہم لوگ گھر کے بجائے سیدھے نظام الدین آئے وہاں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی سے ملاقات کی وہاں ٹیلی فون کے ذریعہ لکھنؤ برادر معظم مولانا محمد ثانی صاحب یا برادر عزیز محمد واضح سلمہ یا محمد میاں سلمہ سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن معلوم ہوا کہ یہ امریکہ کا ٹیلی فون نہیں کہ فوراً مل جائے یہ ہندوستان کا ٹیلی فون ہے کہ بعض وقت خاصا وقت گنوانے کے بعد بھی رابطہ قائم نہیں ہو پاتا، چنانچہ کئی گھنٹے کوشش کے بعد بھی ناکامی ہوئی۔

دہلی میں دن بھر آرام کرنے کے بعد شام کی ٹرین سے لکھنؤ روانہ ہوئے اور شنبہ ۹ اگست کو بخیریت لکھنؤ پہونچے۔ فللہ الحمد والشکر لا احصی ثناءً علیہ کما اثنی علی نفسہ۔
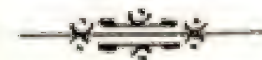
INDEX

مختصر انڈکس "دو مہینے امریکہ میں"

مرتب

محمد غیاث الدین ندوی

شخصیات

مقامات

متفرقات

درس گاہیں اور یونیورسٹیز:-

اسلامی انجمنیں/تحریکات/ادارے وغیرہ:

دیگر ادارے، تحریکات، تجارتی مراکز وغیرہ:

میوزیم:

ہوائی کمپنیاں:

ہوائی اڈے:

ریلوے اسٹیشن:

عمارات، بلڈنگس، یادگاریں وغیرہ:

ہوٹل :

نہر و دریا :

جھیل و آبشار :

فہرست تصاویر و نقشے

فہرست تصاویر و نقشے

کتاب میں دی ہوئی معلومات کے سلسلہ میں حسب ذیل مآخذ سے رجوع کیا گیا ہے

کتابیں

1. YOUNG PEOPLES – (ILLUSTRATED ENCYCLOPAEDIA)
2. THE ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA.
3. STATESMAN' YEAR BOOK – 1976-77
4. GREAT WORLD ATLAS BY THE READERS DIGEST.
5. NEW YORK YOUR HOST.
6. THE PROFILE OF AMERICA.
7. BIOGRAPHY OF MOLCOM X
8. AMERICAN UNIVERSITIES' YEAR BOOK.
9. BILALIAN MUSLIMS (ARABIC) BY USTAZ ZAKI.
10. COMMERCIAL FOODS EXPOSED BY GAYE DEAMER HORSLEY

اخبار و رسائل

1. NEW YORK TIMES.
2. PHILADELPHIA INQUARER (DAILY)
3. WASHINGTON POST.
4. "THE NEWS" (TEMPLE UNIVERSITY – PHILADELPHIA) (DAILY)
5. BILALIAN NEWS. (WEEKLY)

فوٹو پمفلٹ

1. NEW YORK.
2. WASHINGTON.
3. CHICAGO.
4. SAN FRANCISCO.
5. UTAH.